ٹائیٹل پیج طبع اول

الحمد للہ والمنّة

کہ یہ رسالہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی اور ان کے مریدوں
اور ہمخیال لوگوں پر اتمام حجت کے لئے محض نصیحتاً للہ شائع کیا
گیا ہے اور بغرض اس کے کہ عام لوگوں پر حق واضح ہو جائے
اس رسالہ کے ساتھ پچاس روپیہ کے انعام کا اشتہار بھی
دیا گیا ہے جو اسی ٹائیٹل پیج کے دوسرے صفحہ پر مندرج ہے اور
یہ رسالہ موسوم بہ

ہو کر
مطبع ضیاء الاسلام قادیان ضلع گورداسپور میں باہتمام
حکیم حافظ فضل الدین صاحب بھیروی مالک مطبع چھپ کر یکم ستمبر ۱۹۰۲ء
کو شائع ہوا

قیمت ۱۰/ محصول ۲/ جلد ۷۰۰ دکھائی ۱/ کل ۱۳/

اشتہار انعامی پچاس روپیہ

چونکہ میں اپنی کتاب انجام آتھم کے آخر میں وعدہ کر چکا ہوں کہ آئندہ کسی مولوی وغیرہ کے ساتھ زبانی بحث نہیں کرونگا اس لئے پیر مہر علی شاہ صاحب کی درخواست زبانی بحث کی جو میرے پاس پہنچی میں کسی طرح اس کو منظور نہیں کر سکتا افسوس کہ انہوں نے محض دھوکا دہی کے طور پر باوجود اس علم کے کہ میں ایسی زبانی بحثوں سے برکنار رہنے کے لئے جن کا نتیجہ اچھا نہیں نکلا خدا تعالیٰ کے سامنے وعدہ کر چکا ہوں کہ میں ایسے مباحثات سے دور رہونگا پھر بھی مجھ سے بحث کرنے کی درخواست کر دی۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ ان کی درخواست محض اس ندامت سے بچنے کے لئے ہے کہ وہ اس اعجازی مقابلہ کے وقت جو عربی میں تفسیر لکھنے کا مقابلہ تھا اپنی نسبت یقین رکھتے تھے۔ گویا عوام کے خیالات کو اور طرف الٹا کر سرخرو ہو گئے اور پردہ بنا رہا۔

ہر ایک دل خدا کے سامنے ہے اور ہر ایک سینہ اپنے گناہ کو محسوس کر لیتا ہے۔ لیکن میں حق کی حمایت کی وجہ سے ہرگز نہیں چاہتا کہ یہ جھوٹی سرخروی بھی ان کے پاس رہ سکے اس لئے مجھے خیال آیا کہ عوام جن میں سوچ کا مادہ طبعاً کم ہوتا ہے وہ اگرچہ یہ بات تو سمجھ لیں گے کہ پیر صاحب عربی فصیح میں تفسیر لکھنے پر قادر نہیں تھے اسی وجہ سے تو ٹال دیا لیکن ساتھ ہی انکو یہ خیال بھی گذریگا کہ منقولی مباحثات پر ضرور وہ قادر ہونگے تبھی تو درخواست پیش کر دی۔ اور اپنے دلوں میں گمان کریں گے کہ ان کے پاس حضرت مسیح کی حیات اور میرے دلائل کے رد میں کچھ دلائل ہیں اور یہ تو معلوم نہیں ہوگا کہ یہ زبانی مباحثہ کی جرأت بھی میرے ہی اس عہد ترک بحث نے ان کو دلائی ہے جو انجام آتھم میں طبع ہو کر لاکھوں انسانوں میں مشتہر ہو چکا ہے۔ لہٰذا میں یہ رسالہ لکھ کر اس وقت اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں کہ اگر وہ اس کے مقابل پر کوئی رسالہ لکھ کر میرے ان تمام دلائل کو اول سے آخر تک توڑ دیں۔ اور پھر مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی ایک مجمع بٹالہ میں مقرر کر کے ہم دونوں کی حاضری میں میرے تمام دلائل ایک ایک کر کے حاضرین کے سامنے ذکر کریں اور پھر ہر ایک دلیل کے مقابل پر جس کو وہ بغیر کسی کمی بیشی اور تصرف کے حاضرین کو سنا دیں گے۔ پیر صاحب کے جوابات سنا دیں اور خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہیں کہ یہ جوابات صحیح ہیں اور دلیل پیش کردہ کی قلع قمع کرتے ہیں تو میں مبلغ پچاس روپیہ انعام بطور فتحیابی پیر صاحب کو اسی مجلس میں دے دونگا۔ اور اگر پیر صاحب تحریر فرماویں تو میں یہ مبلغ پچاس روپیہ پہلے سے مولوی محمد حسین صاحب کے پاس جمع کرا دونگا۔ مگر یہ پیر صاحب کا ذمہ ہوگا کہ وہ مولوی محمد حسین صاحب کو ہدایت کریں کہ تا وہ مبلغ پچاس روپیہ اپنے پاس بطور امانت جمع کر کے باضابطہ رسید دیدیں اور مندرجہ بالا طریق کی پابندی سے قسم کھا کر ان کو اختیار ہوگا کہ وہ بغیر میری اجازت کے پچاس روپیہ پیر صاحب کے حوالہ کر دیں۔ قسم کھانے کے بعد میری شکایت ان پر کوئی نہیں ہوگی۔ صرف خدا پر نظر ہوگی جس کی وہ قسم کھائیں گے۔ پیر صاحب کا یہ اختیار نہیں ہوگا کہ یہ فضول عذرات پیش کریں کہ میں نے پہلے سے رد کرنے کے لئے کتاب لکھی ہے۔ کیونکہ اگر انعامی رسالہ کا انہوں نے جواب نہ دیا تو بلاشبہ لوگ سمجھ جائیں گے کہ وہ سیدھے طریق سے مباحثات پر بھی قادر نہیں ہیں +

المشتہر مرزا غلام احمد از قادیان یکم ستمبر ۱۹۰۲ء

ضمیمہ تحفہ گولڑویہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ[1]

اے ہمارے خدا ہم میں اور ہماری قوم میں سچا فیصلہ کر۔ اور تو بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

آمِیْن

اشتہار انعامی پانسو روپیہ

بنام حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار نہر۔ اور ایسا ہی اس اشتہار میں یہ تمام لوگ بھی مخاطب ہیں جن کے نام ذیل میں درج ہیں۔

مولوی پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی۔ مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی۔ مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی۔ مولوی حافظ محمد یوسف صاحب بھوپالوی۔ مولوی تلطف حسین صاحب دہلوی۔ مولوی عبد الحق صاحب دہلوی صاحب تفسیر حقانی۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی۔ مولوی محمد صدیق صاحب دیوبندی حال مدرس بچھراؤں ضلع مراد آباد۔ شیخ خلیل الرحمن صاحب جمالی سرساوہ ضلع سہارنپور۔ مولوی عبد العزیز صاحب لدھیانہ۔ مولوی محمد حسن صاحب لدھیانہ مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری۔ مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی ثم امرتسری۔ مولوی غلام رسول صاحب عرف رسل بابا۔ مولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی لاہور۔ مولوی عبد اللہ صاحب چکڑالوی لاہور۔ مولوی ڈپٹی

[1] الاعراف: ۹۰

فتح علی شاہ صاحب ڈپٹی کلکٹر نہر لاہوری ۔ منشی الٰہی بخش صاحب اکونٹنٹ لاہور ۔ منشی عبدالحق صاحب اکونٹنٹ پنشنر ۔ مولوی محمد حسن صاحب ابو الفیض ساکن بھیں ۔ مولوی سید عمر صاحب واعظ حیدرآباد ۔ علمائے ندوۃ الاسلام معرفت مولوی محمد علی صاحب سیکرٹری ندوۃ العلماء ۔ مولوی سلطان الدین صاحب جے پور ۔ مولوی مسیح الزمان صاحب استاد نظام حیدرآباد دکن ۔ مولوی عبدالواحد خان صاحب شاہجہان پوری ۔ مولوی اعزاز حسین خان صاحب شاہجہانپور ۔ مولوی ریاست علی خانصاحب شاہجہانپور ۔ سید صوفی جان شاہ صاحب میرٹھ ۔ مولوی اسحاق صاحب پٹیالہ ۔ جمیع علمائے کلکتہ و بمبئی و مدراس جمیع سجادہ نشینان و مشائخ ہندوستان ۔ جمیع اہل عقل و انصاف و تقوٰے و ایمان از قوم مسلمان +

واضح ہو کہ حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار نہر نے اپنے نافہم اور غلط کار مولویوں کی تعلیم سے ایک مجلس میں بمقام لاہور جس میں مرزا خدابخش صاحب مصاحب نواب محمد علی خان صاحب اور میاں معراج الدین صاحب لاہوری اور مفتی محمد صادق صاحب اور صوفی محمد علی صاحب کلرک اور میاں چٹو صاحب لاہوری اور خلیفہ رجب الدین صاحب تاجر لاہوری اور شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر اخبار الحکم اور حکیم محمد حسین صاحب قریشی اور حکیم محمد حسین صاحب تاجر مرہم عیسٰی ۔ اور میاں چراغ الدین صاحب کلرک اور مولوی یار محمد صاحب موجود تھے بڑے اصرار سے یہ بیان کیا کہ اگر کوئی نبی یا رسول یا اور کوئی مامور من اللہ ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرے اور اس طرح پر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہے تو وہ ایسے افترا کے ساتھ تیئیس برس تک یا اس سے زیادہ زندہ رہ سکتا ہے ۔ یعنی افتراء علی اللہ کے بعد اس قدر عمر پانا اس کی سچائی کی دلیل نہیں ہو سکتی اور بیان کیا کہ ایسے کئی لوگوں کا نام میں نظیراً پیش کر سکتا ہوں جنہوں نے نبی یا رسول یا مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا اور تیئیس برس تک یا اس سے زیادہ عرصہ تک لوگوں کو سناتے رہے کہ خدا کا کلام ہمارے پر نازل ہوتا ہے حالانکہ وہ کاذب تھے ۔ غرض حافظ صاحب نے محض اپنے مشاہدہ کا حوالہ دیکر مذکورہ بالا دعویٰ پر زور دیا جس سے لازم آتا تھا کہ قرآن شریف کا وہ استدلال جو آیت مندرجہ ذیل میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونے کے

بارے میں ہے صحیح نہیں ہے اور گویا خدا تعالیٰ نے سراسر خلاف واقعہ اس حجت کو نصاریٰ اور یہودیوں اور مشرکین کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور گویا آئمہ اور مفسرین نے بھی محض نادانی سے اس دلیل کو مخالفین کے سامنے پیش کیا یہاں تک کہ شرح عقائد نسفی میں بھی کہ جو اہل سنت کے عقیدوں کے بارے میں ایک کتاب ہے عقیدہ کے رنگ میں اس دلیل کو لکھا ہے اور علماء نے اس بات پر بھی اتفاق کیا ہے کہ استخفاف قرآن یا دلیل قرآن کلمۂ کفر ہے۔ مگر نہ معلوم کہ حافظ صاحب کو کس تعصب نے اس بات پر آمادہ کر دیا کہ باوجود دعویٰ حفظ قرآن مفصلہ ذیل آیات کو بھول گئے اور وہ یہ ہیں۔ انہ لقول رسول کریم ۔ وما ھو بقول شاعر۔ قلیلاً ما تؤمنون۔ ولا بقول کاھن قلیلاً ما تذکرون ۔ تنزیل من رب العٰلمین ۔ ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین ۔ فما منکم من احد عنہ حاجزین[1]۔ دیکھو سورۃ الحاقہ الجزو نمبر ۲۹ ۔ اور ترجمہ اس کا یہ ہے۔ کہ یہ قرآن کلام رسول کا ہے یعنی وحی کے ذریعہ سے اُس کو پہنچا ہے اور یہ شاعر کا کلام نہیں۔ مگر چونکہ تمہیں ایمانی فراست سے کم حصہ ہے اس لئے تم اس کو پہچانتے نہیں اور یہ کاہن کا کلام نہیں یعنی اس کا کلام نہیں جو جنّات سے کچھ تعلق رکھتا ہو۔ مگر تمہیں تدبر اور تذکّر کا بہت کم حصّہ دیا گیا ہے اس لئے ایسا خیال کرتے ہو ۔ تم نہیں سوچتے کہ کاہن کس پست اور ذلیل حالت میں ہوتے ہیں ۔ بلکہ یہ رب العالمین کا کلام ہے جو عالم اجسام اور عالم ارواح دونوں کا رب ہے یعنی جیسا کہ وہ تمہارے اجسام کی تربیت کرتا ہے ایسا ہی وہ تمہاری رُوحوں کی تربیت کرنا چاہتا ہے اور اسی ربوبیت کے تقاضا کی وجہ سے اُس نے اس رسول کو بھیجا ہے ۔ اور اگر یہ رسول کچھ اپنی طرف سے بنا لیتا اور کہتا کہ فلاں بات خدا نے میرے پر وحی کی ہے ۔ حالانکہ وہ کلام اس کا ہوتا نہ خدا کا ۔ تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور پھر اُس کی رگ جان کاٹ دیتے ۔ اور کوئی تم میں سے اس کو بچا نہ سکتا ۔ یعنی اگر وہ ہم پر افتراء کرتا تو اس کی سزا موت تھی ۔ کیونکہ وہ اس صورت میں اپنے جھوٹے دعوے سے افتراء اور کفر کی طرف بلا کر ضلالت کی موت سے ہلاک کرنا چاہتا تو اس کا مرنا اس حادثہ

[1] الحاقۃ : ۴۱ تا ۴۸

بہتر ہے کہ تمام دنیا اس کی مفتریانہ تعلیم سے ہلاک ہو۔ اس لئے قدیم سے ہماری یہی سنّت ہے کہ ہم اُسی کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ جو دنیا کے لئے ہلاکت کی راہیں پیش کرتا ہے۔ اور جھوٹی تعلیم اور جھوٹے عقائد پیش کر کے مخلوق خدا کی روحانی موت چاہتا ہے اور خدا پر افترا کر کے گستاخی کرتا ہے۔

اب ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ اگر وہ ہماری طرف سے نہ ہوتا تو ہم اس کو ہلاک کر دیتے اور وہ ہرگز زندہ نہ رہ سکتا۔ گو تم لوگ اُس کے بچانے کے لئے کوشش بھی کرتے۔ لیکن حافظ صاحب اس دلیل کو نہیں مانتے اور فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی تمام و کمال مدت تئیس برس کی تھی اور میں اس سے زیادہ مدت تک کے لوگ دکھا سکتا ہوں جنہوں نے جھوٹے دعوے نبوت اور رسالت کے کئے تھے اور باوجود جھوٹ بولنے اور خدا پر افتراء کرنے کے وہ تئیس برس سے زیادہ مدت تک زندہ رہے۔ لہٰذا حافظ صاحب کے نزدیک قرآن شریف کی یہ دلیل باطل اور ہیچ ہے۔ اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت نہیں ہوسکتی۔ مگر تعجب کہ جبکہ مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم اور مولوی سید آل حسن صاحب مرحوم نے اپنی کتاب ازالہ اوہام اور استفسار میں پادری فنڈل کے سامنے یہی دلیل پیش کی تھی تو پادری فنڈل صاحب کو اس کا جواب نہیں آیا تھا۔ اور باوجودیکہ تواریخ کی ورق گردانی میں یہ لوگ بہت کچھ مہارت رکھتے ہیں مگر وہ اس دلیل کے توڑنے کے لئے کوئی نظیر پیش نہ کر سکا۔* اور

---

* پادری فنڈل صاحب نے اپنے میزان الحق میں صرف یہ جواب دیا تھا کہ مشاہدہ اس بات پر گواہ ہے کہ دنیا میں کئی کروڑ بت پرست موجود ہیں لیکن یہ نہایت فضول جواب ہے کیونکہ بُت پرست لوگ بُت پرستی میں اپنے تئیں من اللہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔ یہ نہیں کہتے کہ خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ بُت پرستی کو دنیا میں پھیلاؤ۔ وہ لوگ گمراہ ہیں نہ کہ مفتری علی اللہ۔ یہ جواب امر متنازعہ فیہ سے کچھ تعلق نہیں رکھتا بلکہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ بحث تو دعویٰ نبوت اور افترا علی اللہ میں ہے نہ فقط ضلالت میں۔ منہ

لاجواب رہ گیا۔ اور آج حافظ محمد یوسف صاحب مسلمانوں کے فرزند کہلا کر اس قرآنی دلیل سے انکار کرتے ہیں۔ اور یہ معاملہ صرف زبانی ہی نہیں رہا بلکہ ایک ایسی تحریر اس بارے میں ہمارے پاس موجود ہے جس پر حافظ صاحب کے دستخط ہیں جو انہوں نے محبی اخویم مفتی محمد صادق صاحب کو اس عہد اقرار کے ساتھ دی ہے کہ ہم ایسے مفتریوں کا ثبوت دیں گے جنہوں نے خدا کے مامور یا نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور پھر وہ اس دعویٰ کے بعد تیئیس برس سے زیادہ جیتے رہے یاد رہے کہ یہ صاحب مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی کے گروہ میں سے ہیں۔ اور بڑے موحد مشہور ہیں اور ان لوگوں کے عقائد کا بطور نمونہ یہ حال ہے جو ہم نے لکھا۔ اور یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں کہ قرآن کے دلائل پیش کردہ کی تکذیب قرآن کی تکذیب ہے۔ اور اگر قرآن شریف کی ایک دلیل کو ردّ کیا جائے تو امان اٹھ جائے گا اور اس سے لازم آئے گا کہ قرآن کے تمام دلائل جو توحید اور رسالت کے اثبات میں ہیں سب کے سب باطل اور ہیچ ہوں۔ اور آج تو حافظ صاحب نے اس ردّ کے لئے یہ بیڑہ اٹھایا کہ میں ثابت کر سکتا ہوں کہ لوگوں نے تیئیس[۲۳] برس تک یا اس سے زیادہ نبوت یا رسالت کے جھوٹے دعوے کئے اور پھر زندہ رہے۔ اور کل شاید حافظ صاحب یہ بھی کہدیں کہ قرآن کی یہ دلیل بھی کہ لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا[1] باطل ہے اور دعویٰ کریں کہ میں دکھلا سکتا ہوں کہ خدا کے سوا اور بھی چند خدا ہیں جو سچے ہیں۔ مگر زمین و آسمان پھر بھی اب تک موجود ہیں۔ پس ایسے بہادر حافظ صاحب سے سب کچھ امید ہے۔ لیکن ایک ایماندار کے بدن پر لرزہ شروع ہو جاتا ہے جب کوئی یہ بات زبان پر لاوے کہ فلاں بات جو قرآن میں ہے وہ خلاف واقعہ ہے یا فلاں دلیل قرآن کی باطل ہے۔ بلکہ جس امر میں قرآن اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر زد پڑتی ہو ایمان دار کا کام نہیں کہ اس پلید پہلو کو اختیار کرے۔ اور حافظ صاحب کی نوبت اس درجہ تک محض اس لئے پہنچ گئی کہ انہوں نے اپنے چند قدیم رفیقوں کی رفاقت کی وجہ سے میرے منجانب اللہ ہونے کے دعویٰ کا انکار مناسب سمجھا۔ اور چونکہ دروغ گو کو خدا تعالیٰ اسی جہان میں

[1] الانبیاء: ۲۳

ملزم اور شرمسار کر دیتا ہے اسلئے حافظ صاحب بھی اور منکروں کی طرح خدا کے الزام کے نیچے آ گئے اور ایسا اتفاق ہوا کہ ایک مجلس میں جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں میری جماعت کے بعض لوگوں نے حافظ صاحب کے سامنے یہ دلیل پیش کی کہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں ایک شمشیر برہنہ کی طرح یہ حکم فرماتا ہے کہ یہ نبی اگر میرے پر جھوٹ بولتا اور کسی بات میں افترار کرتا تو مَیں اس کی رگِ جان کاٹ دیتا اور اس مدت دراز تک وہ زندہ نہ رہ سکتا۔ تو اب جب ہم اپنے اِس مسیح موعود کو اس پیمانہ سے ناپتے ہیں تو براہین احمدیہ کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دعوٰے منجانب اللہ ہونے اور مکالماتِ الٰہیہ کا قریباً تیس برس سے ہے اور اکیس برس سے براہین احمدیہ شائع ہے۔ پھر اگر اس مدت تک اس مسیح کا ہلاکت سے امن میں رہنا اس کے صادق ہونے پر دلیل نہیں ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تیئیس برس تک موت سے بچنا آپ کے سچا ہونے پر بھی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ جبکہ خدا تعالیٰ نے اسجگہ ایک جھوٹے مدعیٔ رسالت کو تیس برس تک مہلت دی اور لو تقول علینا[1] کے وعدہ کا کچھ خیال نہ کیا تو اسی طرح نعوذ باللہ یہ بھی قریب قیاس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی باوجود کاذب ہونے کے مہلت دے دی ہو۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کاذب ہونا محال ہے۔ پس جو مستلزم محال ہو وہ بھی محال۔ اور ظاہر ہے کہ یہ قرآنی استدلال بدیہی الظہور جبھی ٹھیر سکتا ہے۔ جبکہ یہ قاعدہ کلّی مانا جائے کہ خدا اس مفتری کو جو خلقت کے گمراہ کرنے کے لئے مامور من اللہ ہونے کا دعوٰی کرتا ہو کبھی مہلت نہیں دیتا۔ کیونکہ اس طرح پر اُس کی بادشاہت میں گڑبڑ پڑ جاتا ہے اور صادق اور کاذب میں تمیز اُٹھ جاتی ہے۔ غرض جب میرے دعوٰی کی تائید میں یہ دلیل پیش کی گئی تو حافظ صاحب نے اِس دلیل سے سخت انکار کر کے اِس بات پر زور دیا کہ کاذب کا تیئیس برس تک یا اس سے زیادہ زندہ رہنا جائز ہے۔ اور کہا کہ مَیں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسے کاذبوں کی میں نظیر پیش کرونگا جو رسالت کا جھوٹا دعوٰی کر کے تیئیس برس تک یا اس سے زیادہ زندہ رہے ہوں۔ مگر اب تک کوئی نظیر پیش نہیں کی

[1] الحاقہ: ۴۵

اور جن لوگوں کو اسلام کی کتابوں پر نظر ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ آج تک علمائے امت میں سے کسی نے یہ اعتقاد ظاہر نہیں کیا کہ کوئی مفتری علی اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تیئیس برس تک زندہ رہ سکتا ہے۔ بلکہ یہ تو صریح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت پر حملہ اور کمال بے ادبی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی پیش کردہ دلیل سے استخفاف ہے۔ ہاں اُن کا یہ حق تھا کہ مجھ سے اس کا ثبوت مانگتے کہ میرے دعویٰ مامور من اللہ ہونے کی مدت تیئیس برس یا اس سے زیادہ اب تک ہو چکی ہے یا نہیں۔ مگر حافظ صاحب نے مجھ سے یہ ثبوت نہیں مانگا کیونکہ حافظ صاحب بلکہ تمام علمائے اسلام اور ہندو اور عیسائی اس بات کو جانتے ہیں کہ براہین احمدیہ جس میں یہ دعویٰ ہے اور جس میں بہت سے مکالمات الٰہیہ درج ہیں اس کے شائع ہونے پر اکیس برس گذر چکے ہیں۔ اور اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ قریباً تیس برس سے یہ دعویٰ مکالمات الٰہیہ شائع کیا گیا ہے اور نیز الہام اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ جو میرے والد صاحب کی وفات پر ایک انگشتری پر کھودا گیا تھا اور امرتسر میں ایک مہر کن سے کھدوایا گیا تھا وہ انگشتری اب تک موجود ہے اور وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے طیار کروائی۔ اور براہین احمدیہ موجود ہے جس میں یہ الہام الیس اللہ بکاف عبدہ لکھا گیا ہے۔ اور جیسا کہ انگشتری سے ثابت ہوتا ہے یہ بھی چھتیس برس کا زمانہ ہے۔ غرض چونکہ یہ تیس سال تک کی مدت براہین احمدیہ سے ثابت ہوتی ہے اور کسی طرح مجال انکار نہیں۔ اور اسی براہین کا مولوی محمد حسین نے ریویو بھی لکھا تھا لہذا حافظ صاحب کی یہ مجال تو نہ ہوئی کہ اس امر کا انکار کریں جو اکیس سال سے براہین احمدیہ میں شائع ہو چکا ہے ناچار قرآن شریف کی دلیل پر حملہ کر دیا کہ مثل مشہور ہے کہ مرتا کیا نہ کرتا۔ سو ہم اس اشتہار میں حافظ محمد یوسف صاحب سے وہ نظیر طلب کرتے ہیں جس کے پیش کرنے کا انہوں نے اپنی دستخطی تحریر میں وعدہ کیا ہے۔ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ قرآنی دلیل کبھی ٹوٹ نہیں سکتی۔ یہ خدا کی پیش کردہ دلیل ہے نہ کسی انسان کی۔ کئی کم بخت بدقسمت دنیا میں آئے اور انہوں نے قرآن کی اس دلیل کو توڑنا چاہا۔ مگر آخر آپ ہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔

گر یہ دلیل ٹوٹ نہ سکی۔ حافظ صاحب علم سے بے بہرہ ہیں۔ اُن کو خبر نہیں کہ ہزارہا نامی علماء اور اولیاء ہمیشہ اسی دلیل کو کفار کے سامنے پیش کرتے رہے اور کسی عیسائی یا یہودی کو طاقت نہ ہوئی کہ کسی ایسے شخص کا نشان دے جس نے افتراء کے طور پر مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کرکے زندگی کے تیئیس برس پورے کئے ہوں۔ پھر حافظ صاحب کی کیا حقیقت اور سرمایہ ہے کہ اس دلیل کو توڑ سکیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی وجہ سے بعض جاہل اور نافہم مولوی میری ہلاکت کے لئے طرح طرح کے حیلے سوچتے رہے ہیں تا یہ مدت پوری نہ ہونی پاوے جیسا کہ یہودیوں نے نعوذ باللہ حضرت مسیح کو رفع سے بے نصیب ٹھہرانے کے لئے صلیب کا حیلہ سوچا تھا تا اس سے دلیل پکڑیں کہ عیسٰی بن مریم اُن صادقوں میں سے نہیں ہے جن کا رفع الی اللہ ہوتا رہا ہے۔ مگر خدا نے مسیح کو وعدہ دیا کہ میں تجھے صلیب سے بچاؤں گا اور اپنی طرف تیرا رفع کرونگا۔ جیسا کہ ابراہیم اور دوسرے پاک نبیوں کا رفع ہُوا۔ سو اِس طرح ان لوگوں کے منصوبوں کے برخلاف خدا نے مجھے وعدہ دیا کہ میں اسّی برس یا دو تین برس کم یا زیادہ تیری عمر کروں گا تا لوگ کمی عمر سے کاذب ہونے کا نتیجہ نہ نکال سکیں۔ جیسا کہ یہودی صلیب سے نتیجہ عدم رفع کا نکالنا چاہتے تھے۔ اور خدا نے مجھے وعدہ دیا کہ میں تمام + خبیث مرضوں سے بھی تجھے بچاؤں گا۔ جیسا کہ اندھا ہونا۔ تا اس سے بھی کوئی بدنتیجہ نہ نکالیں اور خدا نے مجھے اطلاع دی کہ بعض ان میں سے تیرے پر بددُعائیں بھی کرتے رہیں گے مگر ان کی بددعائیں میں انہی پر ڈالوں گا۔ اور درحقیقت لوگوں نے اس خیال سے کہ کسی طرح لو تقوّل کے نیچے مجھے لے آئیں منصوبہ بازی میں کچھ کمی نہیں کی۔ بعض مولویوں نے قتل کے فتوے دیئے بعض مولویوں نے جھوٹے قتل کے مقدمات بنانے کے لئے میرے پر گواہیاں دیں۔ بعض مولوی

+ الہام الٰہی آنکھ کے بارے میں یہ ہے تنزل الرحمة علٰی ثلٰث۔ العَیْنُ وعلی الاخریین۔ یعنی تیرے تین عضووں پر خدا کی رحمت نازل ہوگی۔ ایک آنکھ اور باقی دو اَور۔ منہ

میری موت کی جھوٹی پیشگوئیاں کرتے رہے۔ بعض مسجدوں میں میرے مرنے کے لئے ناک رگڑتے رہے
بعض نے جیسا کہ مولوی غلام دستگیر قصوری نے اپنی کتاب میں اور مولوی اسمٰعیل علیگڈھ والے نے
میری نسبت قطعی حکم لگایا کہ اگر وہ کاذب ہے تو ہم سے پہلے مرے گا اور ضرور ہم سے پہلے
مرے گا۔ کیونکہ کاذب ہے۔ مگر جب ان تالیفات کو دنیا میں شائع کر چکے تو پھر بہت جلد
آپ ہی مر گئے۔ اور اس طرح پر اُن کی موت نے فیصلہ کر دیا کہ کاذب کون تھا۔ مگر پھر بھی
یہ لوگ عبرت نہیں پکڑتے۔ پس کیا یہ ایک عظیم الشان معجزہ نہیں ہے کہ محی الدین لکھو کے والے
نے میری نسبت موت کا الہام شائع کیا وہ مر گیا۔ مولوی اسمٰعیل نے شائع کیا وہ مر گیا۔ مولوی
غلام دستگیر نے ایک کتاب تالیف کر کے اپنے مرنے سے میرا پہلے مرنا بڑے زور شور سے
شائع کیا وہ مر گیا۔ پادری حمید اللہ پشاوری نے میری موت کی نسبت دس مہینے کی میعاد
رکھ کر پیشگوئی شائع کی وہ مر گیا۔ لیکھرام نے میری موت کی نسبت تین سال کی میعاد کی
پیشگوئی کی وہ مر گیا۔ یہ اس لئے ہوا کہ تا خدا تعالیٰ ہر طرح سے اپنے نشانوں کو کمال کرے۔

میری نسبت جو کچھ ہمدردی قوم نے کی ہے وہ ظاہر ہے اور غیر قوموں کا بغض ایک
طبعی امر ہے۔ ان لوگوں نے کونسا پہلو میرے تباہ کرنے کا اُٹھا رکھا۔ کونسا ایذا کا منصوبہ
ہے جو انتہا تک نہیں پہنچایا۔ کیا بد دعاؤں میں کچھ کسر رہی یا قتل کے فتوے ناکمل رہے
یا ایذا اور توہین کے منصوبے کما حقہٗ ظہور میں نہ آئے۔ پھر وہ کونسا ہاتھ ہے جو مجھے بچاتا
ہے۔ اگر میں کاذب ہوتا تو چاہیئے تو یہ تھا کہ خدا خود میرے ہلاک کرنے کے لئے اسباب پیدا
کرتا نہ یہ کہ وقتاً فوقتاً لوگ اسباب پیدا کریں۔ اور خدا اُن اسباب کو معدوم کرتا رہے+۔ کیا

+ دیکھو مولوی ابو سعید محمد حسین بٹالوی نے میرے نابود کرنے کے لئے کیا کچھ ہاتھ پیر مارے۔ اور محض
فضول گوئی سے خدا سے لڑا۔ اور دعویٰ کیا کہ میں نے ہی اونچا کیا اور میں ہی گراؤں گا۔ مگر وہ خود جانتا ہے کہ
اس فضول گوئی کا انجام کیا ہوا۔ افسوس کہ اُس نے اپنے اس کلمہ میں ایک صریح جھوٹ تو زمانہ ماضی کی

یہی کاذب کی نشانیاں ہوا کرتی ہیں کہ قرآن بھی اس کی گواہی دے اور آسمانی نشان بھی اسی کی تائید میں نازل ہوں ۔ اور عقل بھی اُسی کی مؤید ہو ۔ اور جو اس کی موت کے شائق ہوں وہی مرتے جائیں ۔ میں ہرگز یقین نہیں کرتا کہ زمانہ نبوی کے بعد کسی اہل اللہ اور اہل حق کے مقابل پر کبھی کسی مخالف کو ایسی صاف اور صریح شکست اور ذلت پہنچی ہو جیسا کہ میرے دشمنوں کو میرے مقابل پر پہنچی ہے ۔ اگر انہوں نے میری عزت پر حملہ کیا تو آخر آپ ہی بے عزت ہوئے اور اگر میری جان پر حملہ کر کے یہ کہا کہ اس شخص کے صدق اور کذب کا معیار یہ ہے کہ وہ ہم سے پہلے مرے گا تو پھر آپ ہی مر گئے ۔ مولوی غلام دستگیر کی کتاب تو دُور نہیں مدت سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے ۔ دیکھو وہ کس دلیری سے لکھتا ہے کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا اور پھر آپ ہی مر گیا ۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ میری موت کے شائق تھے اور انہوں نے خدا سے دعائیں کیں کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے آخر وہ مر گئے نہ ایک نہ دو بلکہ پانچ آدمیوں نے ایسا ہی کہا اور اس دنیا کو چھوڑ گئے ۔

نسبت بولا ۔ اور ایک آئندہ کی نسبت جھوٹی پیشگوئی کی ۔ وہ کون تھا اور کیا چیز تھا جو مجھے اونچا کرتا ۔ یہ خدا کا میرے پر احسان ہے اور اس کے بعد کسی کا بھی احسان نہیں ۔ اوّل اُس نے مجھے ایک بڑے شریف خاندان میں پیدا کیا ۔ اور حسب نسب کے ہر ایک داغ سے بچایا پھر بعد میں میری حمایت میں آپ کھڑا ہوا افسوس ان لوگوں کی کہاں تک حالت پہنچ گئی ہے کہ ایسی خلاف واقعہ باتیں مُنہ پر لاتے ہیں جن کی کچھ بھی اصلیت نہیں ۔ سچ تو یہ ہے کہ اس بدقسمت نے ہر ایک طور سے مجھ پر حملے کئے اور نامراد رہا ۔ لوگوں کو بیعت سے روکا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہزارہا لوگ میری بیعت میں داخل ہو گئے ۔ اقدام قتل کے جھوٹے مقدمے میں پادریوں کا گواہ بن کر میری عزت پر حملہ کیا ۔ مگر اسی وقت کرسی مانگنے کی تقریب سے اپنی نیت کا پھل پا لیا ۔ میرے پرائیویٹ امور میں گندے اشتہار دیئے ۔ ان کا جواب خدا نے پہلے سے دے رکھا ہے ۔ میرے بیان کی حاجت نہیں ۔ منہ

اس کا نتیجہ موجودہ مولویوں کے لئے جو محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبد الجبار غزنوی ثم امرتسری اور عبد الحق غزنوی ثم امرتسری اور مولوی پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور رشید احمد گنگوہی اور نذیر حسین دہلوی اور رسل بابا امرتسری اور منشی الٰہی بخش صاحب اکونٹنٹ اور حافظ محمد یوسف ضلعدار نہر وغیرہم کے لئے یہ تو نہ ہوا کہ اس اعجاز صریح سے یہ لوگ فائدہ اُٹھاتے اور خدا سے ڈرتے اور توبہ کرتے۔ ہاں ان لوگوں کی ان چند نمونوں کے بعد کمریں ٹوٹ گئیں اور اس قسم کی تحریروں سے ڈر گئے فلن یکتبوا بمثل ھٰذا بما تقدمت الامثال۔ یہ معجزہ کچھ تھوڑا نہیں تھا کہ جن لوگوں نے مدار فیصلہ جھوٹے کی موت رکھی تھی وہ میرے مرنے سے پہلے قبروں میں جا سوئے۔ اور مَیں نے ڈپٹی آتھم کے مباحثہ میں قریباً ساٹھ آدمی کے روبرو یہ کہا تھا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مریگا۔ سو آتھم بھی اپنی موت سے میری سچائی کی گواہی دے گیا۔ مجھے ان لوگوں کی حالتوں پر رحم آتا ہے کہ بخل کی وجہ سے کہاں تک ان لوگوں کی نوبت پہنچ گئی ہے۔ اگر کوئی نشان بھی طلب کریں تو کہتے ہیں کہ یہ دُعا کرو کہ ہم سات دن میں مر جائیں۔ نہیں جانتے کہ خود تراشیدہ میعادوں کی خدا پیروی نہیں کرتا اُس نے فرما دیا ہے کہ لاتقف ما لیس لک بہ علم[1]۔ اور اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ ولا تقولن لشایءٍ انی فاعل ذالک غدًا[2]۔ سو جبکہ سیدنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن کی میعاد اپنی طرف سے پیش نہیں کر سکتے تو مَیں سات دن کا کیونکر دعویٰ کروں۔ ان نادان ظالموں سے مولوی غلام دستگیر اچھا رہا کہ اُس نے اپنے رسالہ میں کوئی میعاد نہیں لگائی۔ یہی دعا کی کہ یا الٰہی اگر مَیں مرزا غلام احمد قادیانی کی تکذیب میں حق پر نہیں تو مجھے پہلے موت دے۔ اور اگر مرزا غلام احمد قادیانی اپنے دعویٰ میں حق پر نہیں تو اُسے مجھ سے پہلے موت دے۔ بعد اس کے بہت جلد خدا نے اس کو موت دے دی۔ دیکھو کیسا صفائی سے فیصلہ ہوگیا۔ اگر کسی کو اس فیصلہ کے ماننے میں تردد ہو تو اس کو اختیار ہے کہ آپ خدا کے فیصلہ کو آزمائے لیکن ایسی شرارتیں چھوڑ دے جو آیت ولا تقولن لشایءٍ

[1] بنی اسرائیل: ۳۷ [2] الکھف: ۲۴

انی فاعل ذالک غدا[1] سے مخالف پڑی ہیں۔ شرارت کی حجت بازی سے صریح بے ایمانی کی بُو آتی ہے۔ ایسا ہی مولوی محمد اسمٰعیل نے صفائی سے خدا تعالیٰ کے روبرو یہ درخواست کی کہ ہم دونوں فریق میں سے جو جھوٹا ہے وہ مرجائے۔ سو خدا نے اُس کو بھی جلد تر اس جہان سے رخصت کردیا اور ان وفات یافتہ مولویوں کا ایسی دعاؤں کے بعد مرجانا ایک خدا ترس مسلمان کے لئے تو کافی ہے مگر ایک پلید دل سیاہ دل دنیا پرست کے لئے ہرگز کافی نہیں۔ بھلا علیگڈھ تو بہت دُور ہے اور شاید پنجاب کے کئی لوگ مولوی اسمٰعیل کے نام سے بھی ناواقف ہونگے مگر قصور ضلع لاہور تو دُور نہیں اور ہزاروں اہل لاہور مولوی غلام دستگیر قصوری کو جانتے ہونگے اور اُس کی یہ کتاب بھی انہوں نے پڑھی ہوگی۔ تو کیوں خدا سے نہیں ڈرتے۔ کیا مرنا نہیں؟ کیا غلام دستگیر کی موت میں بھی لیکھرام کی موت کی طرح سازش کا الزام لگائیں گے۔ خدا کے جھوٹوں پر نہ ایک دم کے لئے لعنت ہے بلکہ قیامت تک لعنت ہے۔ کیا دُنیا کے کیڑے محض سازش اور منصوبہ سے خدا کے مقدس مامورین کی طرح کوئی قطعی پیشگوئی کر سکتے ہیں۔ ایک چور جو چوری کے لئے جاتا ہے۔ اس کو کیا خبر ہے کہ وہ چوری میں کامیاب ہو یا ماخوذ ہو کر جیل خانہ میں جائے۔ پھر وہ اپنی کامیابی کی زور شور سے تمام دنیا کے سامنے دشمنوں کے سامنے کیا پیشگوئی کریگا۔ مثلاً دیکھو کہ ایسی پُرزور پیشگوئی جو لیکھرام کے قتل کئے جانے کے بارے میں تھی جس کے ساتھ دن تاریخ وقت بیان کیا گیا تھا۔ کیا کسی شریر بدچلن خونی کا کام ہے۔ غرض ان مولویوں کی سمجھ پر کچھ ایسے پتھر پڑ گئے ہیں کہ کسی نشان سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ براہین احمدیہ میں قریب سولہ برس پہلے بیان کیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ میری تائید میں خسوف کسوف کا نشان ظاہر کرے گا۔ لیکن جب وہ نشان ظاہر ہوگیا اور حدیث کی کتابوں سے بھی کُھل گیا کہ یہ ایک پیشگوئی تھی کہ مہدی کی شہادت کے لئے اس کے ظہور کے وقت میں رمضان میں خسوف کسوف ہوگا تو ان مولویوں نے اس نشان کو بھی گاؤ خورد کردیا۔ اور حدیث سے مُنہ پھیر لیا۔ یہی احادیث

[1] الکھف : ۲۴

میں آیا تھا کہ مسیح کے وقت میں اونٹ ترک کئے جائینگے اور قرآن شریف میں بھی وارد تھا کہ واذا العشار عطلت[1]۔ اب یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ میں بڑی سرگرمی سے ریل تیار ہو رہی ہے اور اونٹوں کے الوداع کا وقت آگیا پھر اس نشان سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے۔ یہ بھی حدیثوں میں تھا کہ مسیح موعود کے وقت میں ستارہ ذوالسنین نکلیگا۔ اب انگریزوں سے پوچھ لیجیئے کہ مدت ہوئی کہ وہ ستارہ نکل چکا اور یہ بھی حدیثوں میں تھا کہ مسیح کے وقت میں طاعون پڑیگی۔ حج روکا جائیگا۔ سو یہ تمام نشان ظہور میں آگئے۔ اب اگر مثلاً میرے لئے آسمان پر خسوف کسوف نہیں ہوا تو کسی اور مہدی کو پیدا کریں جو خدا کے الہام سے دعویٰ کرتا ہو کہ میرے لئے ہوا ہے۔ افسوس ان لوگوں کی حالتوں پر ان لوگوں نے خدا اور رسول کے فرمودہ کی کچھ بھی عزت نہ کی اور صدی پر بھی سترہ برس گذر گئے مگر ان کا مجدد اب تک کسی غار میں پوشیدہ بیٹھا ہے۔ مجھے یہ لوگ کیوں مخل کرتے ہیں۔ اگر خدا نہ چاہتا تو میں نہ آتا۔ بعض دفعہ میرے دل میں یہ بھی خیال آیا کہ میں درخواست کروں کہ خدا مجھے اس عہدہ سے علیحدہ کرے اور میری جگہ کسی اور کو اس خدمت سے ممتاز فرمائے پر ساتھ ہی میرے دل میں یہ ڈالا گیا کہ اس سے زیادہ اور کوئی سخت گناہ نہیں کہ میں خدمت سپرد کردہ میں بزدلی ظاہر کروں جس قدر میں پیچھے ہٹنا چاہتا ہوں۔ اُسی قدر خدا تعالےٰ مجھے کھینچکر آگے لے آتا ہے۔ میرے پر ایسی رات کوئی کم گذرتی ہے جس میں مجھے یہ تسلی نہیں دی جاتی کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور میری آسمانی فوجیں تیرے ساتھ ہیں اگرچہ جو لوگ دل کے پاک ہیں۔ مرنے کے بعد خدا کو دیکھیں گے لیکن مجھے اُسی کے منہ کی قسم ہے کہ میں اب بھی اُس کو دیکھ رہا ہوں۔ دنیا مجھ کو نہیں پہچانتی لیکن وہ مجھے جانتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ یہ اُن لوگوں کی غلطی ہے۔ اور سراسر بدقسمتی ہے کہ میری تباہی چاہتے ہیں۔ میں وہ درخت ہوں جس کو مالکِ حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے۔ جو شخص مجھے کاٹنا چاہتا ہے اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ قارون اور یہودا اسکریوطی اور ابوجہل کے نصیب سے کچھ حصہ لینا چاہتا ہے۔ میں ہر روز اس بات کے لئے چشم پُرآب ہوں کہ کوئی میدان میں نکلے اور منہاج نبوت پر مجھ سے فیصلہ کرنا چاہے پھر دیکھے کہ خدا کس کے ساتھ ہے۔ مگر میدان میں نکلنا کسی مخنث کا کام نہیں۔ ہاں غلام دستگیر ہمارے

ص ۹

[1] التکویر: ۵

ملک پنجاب میں کفر کے لشکر کا ایک سپاہی تھا جو کام آیا۔ اب ان لوگوں میں سے اس کی مثل بھی کوئی نکلنا محال اور غیر ممکن ہے۔ اے لوگو! تم یقیناً سمجھ لو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو اخیر وقت تک مجھ سے وفا کرے گا۔ اگر تمہارے مرد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے جوان اور تمہارے بوڑھے اور تمہارے چھوٹے اور تمہارے بڑے سب مل کر میرے ہلاک کرنے کے لئے دعائیں کریں یہاں تک کہ سجدے کرتے کرتے ناک گل جائیں اور ہاتھ شل ہو جائیں تب بھی خدا ہرگز تمہاری دعا نہیں سنے گا اور نہیں رُکے گا جب تک وہ اپنے کام کو پورا نہ کرلے۔ اور اگر انسانوں میں سے ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو تو خدا کے فرشتے میرے ساتھ ہونگے۔ اور اگر تم گواہی کو چھپاؤ تو قریب ہے کہ پتھر میرے لئے گواہی دیں۔ پس اپنی جانوں پر ظلم مت کرو۔ کاذبوں کے اَور منہ ہوتے ہیں اور صادقوں کے اَور۔ خدا کسی امر کو بغیر فیصلہ کے نہیں چھوڑتا۔ میں اس زندگی پر لعنت بھیجتا ہوں جو جھوٹ اور افترا کے ساتھ ہو۔ اور نیز اس حالت پر بھی کہ مخلوق سے ڈر کر خالق کے امر سے کنارہ کشی کی جائے۔ وہ خدمت جو عین وقت پر خداوند قدیر نے میرے سپرد کی ہے اور اسی کے لئے مجھے پیدا کیا ہے ہرگز ممکن نہیں کہ میں اس میں سستی کروں اگرچہ آفتاب ایک طرف سے اور زمین ایک طرف سے باہم مل کر کچلنا چاہیں۔ انسان کیا ہے محض ایک کیڑا۔ اور بشر کیا ہے محض ایک مضغہ۔ پس کیونکر میں حیّ و قیوم کے حکم کو ایک کیڑے یا ایک مضغہ کے لئے ٹال دوں۔ جس طرح خدا نے پہلے ماموروں اور مکذبوں میں آخر ایک دن فیصلہ کر دیا اسی طرح وہ اس وقت بھی فیصلہ کرے گا۔ خدا کے ماموروں کے آنے کے لئے بھی ایک موسم ہوتے ہیں اور پھر جانے کے لئے بھی ایک موسم۔ پس یقیناً سمجھو کہ میں نہ بے موسم آیا ہوں اور نہ بے موسم جاؤں گا۔ خدا سے مت لڑو! یہ تمہارا کام نہیں کہ مجھے تباہ کر دو۔

اب اس اشتہار سے میرا یہ مطلب ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے اور نشانوں میں

مخالفین پر حجت پوری کی ہے*۔ اسی طرح مَیں چاہتا ہوں کہ آیت لو تقوّل کے متعلق بھی حجت پوری ہو جائے۔ اسی جہت سے مَیں نے اِس اشتہار کو پانسو روپیہ کے انعام کے ساتھ شائع کیا ہے اور اگر تسلّی نہ ہو تو مَیں یہ روپیہ کسی سرکاری بنک میں جمع کرا سکتا ہوں اگر حافظ محمد یوسف صاحب اور اُن کے دوسرے ہم مشرب جن کے نام مَیں نے اس اشتہار میں لکھے ہیں اپنے اس دعوٰی میں صادق ہیں یعنی اگر یہ بات صحیح ہے کہ کوئی شخص نبی یا رسول اور مامور من اللہ ہونے کا دعوٰی کرکے اور کُھلے کُھلے طور پر خدا کے نام پر کلمات لوگوں کو سُنا کر پھر باوجود مفتری ہونے کے برابر تیئیس برس تک جو زمانہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے زندہ رہا ہے تو مَیں ایسی نظیر پیش کرنے والے کو بعد اس کے کہ مجھے میرے ثبوت کے موافق یا قرآن کے ثبوت کے موافق ثبوت دے دے پانسو روپیہ نقد دوں گا۔ اور اگر ایسے لوگ کئی ہوں تو ان کا اختیار ہوگا کہ وہ روپیہ باہم تقسیم کر لیں۔ اس اشتہار کے نکلنے کی تاریخ سے پندرہ روز تک اُن کو مہلت ہے کہ دنیا میں تلاش کرکے ایسی

---

* اس زمانہ کے بعض نادان کئی دفعہ شکست کھا کر پھر مجھ سے حدیثوں کی رو سے بحث کرنا چاہتے ہیں یا بحث کرانے کے خواہشمند ہوتے ہیں مگر افسوس کہ نہیں جانتے کہ جس حالت میں وہ اپنی چند ایسی حدیثوں کو چھوڑنا نہیں چاہتے جو محض ظنّیات کا ذخیرہ اور مجروح اور مخدوش ہیں اور نیز مخالف اُن کے اور حدیثیں بھی ہیں اور قرآن بھی ان حدیثوں کو جھوٹی ٹھیراتا ہے تو پھر مَیں ایسے روشن ثبوت کو کیونکر چھوڑ سکتا ہوں جس کی ایک طرف قرآن شریف تائید کرتا ہے اور ایک طرف اس کی سچائی کی احادیث صحیحہ گواہ ہیں اور ایک طرف خدا کا وہ کلام گواہ ہے جو مجھ پر نازل ہوتا ہے اور ایک طرف پہلی کتابیں گواہ ہیں اور ایک طرف عقل گواہ ہے۔ اور ایک طرف وہ صدہا نشان گواہ ہیں جو میرے ہاتھ سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ پس حدیثوں کی بحث طریق تصفیہ نہیں ہے۔ خدا نے مجھے اطلاع دے دی ہے کہ یہ تمام حدیثیں جو پیش کرتے ہیں تحریف معنوی یا لفظی میں آلودہ ہیں۔ اور یا سرے سے موضوع ہیں۔ اور جو شخص حَکَم ہو کر آیا ہے اس کا اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کرے۔ منہ

ظلپوشی کریں۔ افسوس کا مقام ہے کہ میرے دعوٰی کی نسبت جب مَیں نے مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کیا مخالفوں نے نہ آسمانی نشانوں سے فائدہ اٹھایا اور نہ زمینی نشانوں سے کچھ ہدایت حاصل کی۔ خدا نے ہر ایک پہلو سے نشان ظاہر فرمائے پر دنیا کے فرزندوں نے ان کو قبول نہ کیا۔ اب خدا کی اور ان لوگوں کی ایک کشتی ہے یعنی خدا چاہتا ہے کہ اپنے بندہ کی جس کو اُس نے بھیجا ہے روشن دلائل اور نشانوں کے ساتھ سچائی ظاہر کرے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ تباہ ہو۔ اس کا انجام بد ہو اور وہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہو۔ اور اس کی جماعت متفرق اور نابود ہو تب یہ لوگ ہنسیں اور خوش ہوں اور ان لوگوں کو تمسخر سے دیکھیں جو اس سلسلہ کی حمایت میں تھے اور اپنے دل کو کہیں کہ تجھے مبارک ہو کہ آج تُو نے اپنے دشمن کو ہلاک ہوتے دیکھا اور اس کی جماعت کو تتر بتر ہوتے مشاہدہ کر لیا۔ مگر کیا اُن کی مرادیں پوری ہو جائیں گی اور کیا ایسا خوشی کا دن اُن پر آئے گا؟ اس کا یہی جواب ہے کہ اگر ان کے امثال پر آیا تھا تو ان پر بھی آئیگا۔ ابوجہل نے جب بدر کی لڑائی میں یہ دُعا کی تھی کہ اللّٰھم من کان منا کاذبا فاحنہ فی ھٰذا الموطن۔ یعنی اے خدا ہم دونوں میں سے جو محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور مَیں ہوں جو شخص تیری نظر میں جھوٹا ہے اُس کو اسی موقع قتال میں ہلاک کر۔ تو کیا اِس دُعا کے وقت اُس کو گمان تھا کہ مَیں جھوٹا ہوں؟ اور جب لیکھرام نے کہا کہ میری بھی مرزا غلام احمد کی موت کی نسبت ایسی ہی پیشگوئی ہے جیسا کہ اس کی اور میری پیشگوئی پہلے پوری ہو جائیگی اور وہ مرے گا ✝ تو کیا اُس کو اس وقت اپنی نسبت گمان

✝ ایسا ہی جب مولوی غلام دستگیر قصوری نے کتاب تالیف کرکے تمام پنجاب میں مشہور کر دیا تھا کہ مَیں نے یہ طریق فیصلہ قرار دے دیا ہے کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرجائیگا تو کیا اُس کو خبر تھی کہ یہی فیصلہ اس کے لئے لعنت کا نشانہ ہو جائے گا۔ اور وہ پہلے مر کر دوسرے ہم مشربوں کا بھی منہ کالا کرے گا۔ اور آئندہ ایسے مقابلات میں اُن کے مُنہ پر مہر لگادے گا اور بُزدل بنادے گا۔ منہ

۱۱ص

تھا کہ میں جھوٹا ہوں؟ پس منکر تو دنیا میں ہوتے ہیں پر بڑا بدبخت وہ منکر ہے جو مرنے سے پہلے معلوم نہ کرسکے کہ میں جھوٹا ہوں۔ پس کیا خدا پہلے منکروں کے وقت میں قادر تھا اور اب نہیں؟ نعوذ باللہ ہرگز ایسا نہیں بلکہ ہر ایک جو زندہ رہے گا اور دیکھے گا کہ آخر خدا غالب ہوگا۔ **دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دنیا نے اُس کو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کردے گا۔** وہ خدا جس کا قوی ہاتھ زمینوں اور آسمانوں اور اُن سب چیزوں کو جو اُن میں ہیں تھامے ہوئے ہے۔ وہ کب انسان کے ارادوں سے مغلوب ہوسکتا ہے۔ اور آخر ایک دن آتا ہے جو وہ فیصلہ کرتا ہے۔ پس صادقوں کی یہی نشانی ہے کہ انجام انہی کا ہوتا ہے۔ خدا اپنی تجلیات کے ساتھ اُن کے دل پر نزول کرتا ہے۔ پس کیونکر وہ عمارت منہدم ہوسکے جس میں وہ حقیقی بادشاہ فروکش ہے۔ ٹھٹھا کرو جسقدر چاہو۔ گالیاں دو جسقدر چاہو اور ایذاء اور تکلیف دہی کے منصوبے سوچو جسقدر چاہو اور میرے استیصال کے لئے ہر ایک قسم کی تدبیریں اور مکر سوچو جسقدر چاہو۔ پھر یاد رکھو کہ عنقریب خدا تمہیں دکھلا دے گا کہ اس کا ہاتھ غالب ہے۔ نادان کہتا ہے کہ میں اپنے منصوبوں سے غالب ہوجاؤں گا مگر خدا کہتا ہے کہ اے لعنتی دیکھ میں تیرے سارے منصوبے خاک میں ملا دونگا۔ اگر خدا چاہتا تو ان مخالف مولویوں اور ان کے پیروؤں کو آنکھیں بخشتا۔ اور وہ ان وقتوں اور موسموں کو پہچان لیتے۔ جن میں خدا کے مسیح کا آنا ضروری تھا۔ لیکن ضرور تھا کہ قرآن شریف اور احادیث کی وہ پیشگوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو اسلامی علماء کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھائیگا وہ اُس کو کافر قرار دینگے اور اُس کے قتل کے لئے فتوے دیئے جائینگے اور اس کی سخت توہین کی جائیگی اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور دین کا تباہ کرنے والا خیال کیا جائیگا۔ سو ان دنوں میں وہ پیشگوئی انہی مولویوں نے اپنے ہاتھوں سے پوری کی۔ افسوس یہ لوگ سوچتے نہیں کہ اگر یہ دعویٰ خدا کے امر اور ارادہ سے نہیں تھا تو کیوں اس مدعی میں پاک اور صادق نبیوں کی طرح بہت سے سچائی کے دلائل جمع ہوگئے۔ کیا وہ رات ان کے لئے ماتم کی رات نہیں تھی جس میں میرے دعویٰ

کے وقت رمضان میں خسوف کسوف عین پیشگوئی کی تاریخوں میں وقوع میں آیا۔ کیا وہ دن اُن پر مصیبت کا دن نہیں تھا جس میں لیکھرام کی نسبت پیشگوئی پوری ہوئی۔ خدا نے بارش کی طرح نشان برسائے مگر ان لوگوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ تا ایسا نہ ہو کہ دیکھیں اور ایمان لائیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ یہ دعویٰ غیر وقت پر نہیں بلکہ عین صدی کے سر پر اور عین ضرورت کے دنوں میں ظہور میں آیا۔ اور یہ امر قدیم سے اور جب سے کہ بنی آدم پیدا ہوئے سنّت اللہ میں داخل ہے کہ عظیم الشان مصلح صدی کے سر پر اور عین ضرورت کے وقت میں آیا کرتے ہیں جیسا کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ساتویں صدی کے سر پر جبکہ تمام دنیا تاریکی میں پڑی تھی ظہور فرما ہوئے اور جب سات کو دوگنا کیا جائے تو چودہ ہوتے ہیں لہذا چودھویں صدی کا سر مسیح موعود کے لئے مقدّر تھا تا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ جسقدر قوموں میں فساد اور بگاڑ حضرت مسیح کے زمانہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک پیدا ہو گیا تھا۔ اس فساد سے وہ فساد دو چند ہے جو مسیح موعود کے زمانہ میں ہو گا۔ اور جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں خدا تعالیٰ نے ایک بڑا اصول جو قرآن شریف میں قائم کیا تھا۔ اور اسی کے ساتھ نصاریٰ اور یہودیوں پر حجّت قائم کی تھی یہ تھا کہ خدا تعالیٰ اس کاذب کو جو نبوت یا رسالت اور مامور من اللہ ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرے مہلت نہیں دیتا اور ہلاک کرتا ہے۔ پس ہمارے مخالف مولویوں کی یہ کیسی ایمانداری ہے کہ مُنہ سے تو قرآن شریف پر ایمان لاتے ہیں مگر اس کے پیش کردہ دلائل کو ردّ کرتے ہیں۔ اگر وہ قرآن شریف پر ایمان لا کر اسی اصول کو میرے صادق یا کاذب ہونے کا معیار ٹھیرا لیتے تو جلد تر حق کو پا لیتے۔ لیکن میری مخالفت کیلئے اب وہ قرآن شریف کے اس اصول کو بھی نہیں مانتے۔ اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے کہ میں خدا کا نبی یا رسول یا مامور من اللہ ہوں جس سے خدا ہمکلام ہو کر اپنے بندوں کی اصلاح کے لئے وقتاً فوقتاً راہِ راست کی حقیقتیں اس پر ظاہر کرتا ہے۔ اور اس دعوے پر ۲۳ تیئیس یا ۲۵ پچیس برس گذر جائیں۔ یعنی وہ میعاد گذر جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی

میعاد تھی۔ اور وہ شخص اس مدت تک فوت نہ ہو۔ اور نہ قتل کیا جائے تو اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ شخص سچا نبی یا سچا رسول یا خدا کی طرف سے سچا مصلح اور مجدّد ہے اور حقیقت میں خدا اس سے ہمکلام ہوتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ کلمۂ کفر ہے کیونکہ اس سے خدا کے کلام کی تکذیب و توہین لازم آتی ہے۔ ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت حقّہ کے ثابت کرنے کے لئے اسی استدلال کو پکڑا ہے کہ اگر یہ شخص خدا تعالیٰ پر افتراء کرتا تو میں اس کو ہلاک کر دیتا۔ اور تمام علماء جانتے ہیں کہ خدا کی دلیل پیشکردہ سے استخفاف کرنا بالاتفاق کفر ہے کیونکہ اس دلیل پر ٹھٹھا مارنا جو خدا نے قرآن اور رسول کی حقّیت پر پیش کی ہے مستلزم تکذیب کتاب اللہ و رسول اللہ ہے اور وہ صریح کفر ہے۔ مگر ان لوگوں پر کیا افسوس کیا جائے۔ شاید ان لوگوں کے نزدیک خدا تعالیٰ پر افتراء کرنا جائز ہے اور ایک بدظن کہہ سکتا ہے کہ شاید یہ تمام اصرار حافظ محمد یوسف صاحب کا اور ان کا ہر مجلس میں بار بار یہ کہنا کہ ایک انسان تیئیس۲۳ برس تک خدا تعالیٰ پر افتراء کرکے ہلاک نہیں ہوتا اس کا یہی باعث ہو کہ انہوں نے نعوذ باللہ چند افتراء خدا تعالیٰ پر کئے ہوں اور کہا ہو کہ مجھے یہ خواب آئی یا مجھے یہ الہام ہوا اور پھر اب تک ہلاک نہ ہوئے تو دل میں یہ سمجھ لیا کہ خدا تعالیٰ کا اپنے رسول کریم کی نسبت یہ فرمانا کہ اگر وہ ہم پر افتراء کرتا تو ہم اس کی رگ جان کاٹ دیتے یہ بھی صحیح نہیں ہے۔+ اور خیال کیا کہ ہماری رگِ جان خدا نے کیوں نہ کاٹ دی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت رسولوں اور نبیوں اور ماموریں کی نسبت ہے جو کروڑہا انسانوں کو اپنی طرف دعوت کرتے ہیں اور جن کے افتراء سے دنیا تباہ ہوتی ہے۔ لیکن ایک ایسا شخص جو اپنے تئیں مامور من اللہ

+ ہمیں حافظ صاحب کی ذات پر ہرگز یہ امید نہیں کہ نعوذ باللہ کبھی انہوں نے خدا پر افتراء کیا ہو۔ اور پھر کوئی سزا نہ پانے کی وجہ سے یہ عقیدہ ہو گیا ہو۔ ہمارا ایمان ہے کہ خدا پر افتراء کرنا پلید طبع لوگوں کا کام ہے اور آخر وہ ہلاک کئے جاتے ہیں۔ منہ

ہونے کا دعویٰ کرکے قوم کا مصلح قرار نہیں دیتا اور نہ نبوت اور رسالت کا مدعی بنتا ہے۔ اور محض ہنسی کے طور پر یا لوگوں کو اپنا رسوخ جتلانے کے لئے دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے یہ خواب آئی۔ اور یا الہام ہوا اور جھوٹ بولتا ہے یا اس میں جھوٹ ملاتا ہے وہ اس نجاست کے کیڑے کی طرح ہے جو نجاست میں ہی پیدا ہوتا ہے اور نجاست میں ہی مر جاتا ہے۔ ایسا خبیث اس لائق نہیں کہ خدا اس کو یہ عزت دے کہ تو نے اگر میرے پر افترا کیا تو میں تجھے ہلاک کر دوں گا بلکہ وہ بوجہ اپنی نہایت درجہ کی ذلت کے قابل التفات نہیں کوئی شخص اُس کی پیروی نہیں کرتا کوئی اُس کو نبی یا رسول یا مامور من اللہ نہیں سمجھتا۔ ماسوا اس کے یہ بھی ثابت کرنا چاہیئے کہ اِس مفتریانہ عادت پر برابر تیئس برس گذر گئے۔ ہمیں حافظ محمد یوسف صاحب کی بہت کچھ واقفیت نہیں مگر یہ بھی امید نہیں۔ خدا اُن کے اندرونی اعمال بہتر جانتا ہے۔ اُن کے دو قول تو ہمیں یاد ہیں۔ اور سُنا ہے کہ اب وہ ان سے انکار کرتے ہیں (۱) ایک یہ کہ چند سال کا عرصہ گذرا ہے کہ بڑے بڑے جلسوں میں انہوں نے بیان کیا تھا کہ مولوی عبداللہ غزنوی نے میرے پاس بیان کیا کہ آسمان سے ایک نور قادیان پر گرا اور میری اولاد اس سے بے نصیب رہ گئی۔ (۲) دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ نے انسانی تمثّل کے طور پر ظاہر ہوکر اُن کو کہا کہ مرزا غلام احمد حق پر ہے کیوں لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اب مجھے خیال آتا ہے کہ اگر حافظ صاحب ان دو واقعات سے اب انکار کرتے ہیں جن کو بار بار بہت سے لوگوں کے پاس بیان کر چکے ہیں تو نعوذ باللہ بے شک انہوں نے خدا تعالیٰ پر افترا کیا ہے ✣۔ کیونکہ جو شخص سچ کہتا ہے اگر وہ مر بھی جائے تب بھی انکار نہیں کرسکتا

۱۲ﷺ

✣ میں ہرگز قبول نہیں کرونگا کہ حافظ صاحب ان ہر دو واقعات سے انکار کرتے ہیں۔ ان واقعات کا گواہ نہ صرف میں ہوں بلکہ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت گواہ ہے اور کتاب "ازالہ اوہام" میں ان کی زبانی مولوی عبداللہ صاحب کا کشف درج ہو چکا ہے۔ میں تو یقیناً جانتا ہوں کہ حافظ صاحب ایسا کذب صریح ہرگز زبان پر نہیں لائیں گے گو قوم کی طرف سے ایک بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں۔ اُن کے بھائی محمد یعقوب نے تو انکار نہیں کیا تو وہ کیونکر کریں گے۔ جھوٹ بولنا مرتد ہونے سے کم نہیں۔ منہ

جیسا کہ اُن کے بھائی محمد یعقوب نے اب بھی صاف گواہی دیدی ہے کہ ایک خواب کی تعبیر میں مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی نے فرمایا تھا کہ وہ نور جو دنیا کو روشن کرے گا وہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ حافظ صاحب بھی بار بار ان دونوں قصوں کو بیان کرتے تھے اور ہنوز وہ ایسے پیر فرتوت نہیں ہوئے تا یہ خیال کیا جائے کہ پیرانہ سالی کے تقاضا سے قوت حافظہ جاتی رہی اور آٹھ سال سے زیادہ مدت ہوگئی۔ جب میں حافظ صاحب کی زبانی مولوی عبد اللہ صاحب کے مذکورہ بالا کشف کو ازالہ اوہام میں شائع کر چکا ہوں۔ کیا کوئی عقلمند مان سکتا ہے کہ میں ایک جھوٹی بات اپنی طرف سے لکھ دیتا اور حافظ صاحب اس کتاب کو پڑھ کر پھر خاموش رہتے کچھ عقل و فکر میں نہیں آتا کہ حافظ صاحب کو کیا ہوگیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مصلحت سے عمداً گواہی کو چھپاتے ہیں اور نیک نیتی سے ارادہ رکھتے ہیں کہ کسی اور موقعہ پر اس گواہی کو ظاہر کر دونگا مگر زندگی کتنے روز ہے؟ اب بھی اظہار کا وقت ہے۔ انسان کو اس سے کیا فائدہ کہ اپنی جسمانی زندگی کیلئے اپنی رُوحانی زندگی پر چھری پھیر دے۔ میں نے بہت دفعہ حافظ صاحب سے یہ بات سُنی تھی کہ وہ میرے معتقدین میں سے ہیں اور مکذب کے ساتھ مباہلہ کرنے کو تیار ہیں اور اسی میں بہت سا حصہ اُن کی عمر کا گذر گیا۔ اور اس کی تائید میں وہ اپنی خوابیں سُناتے رہے اور بعض مخالفوں سے انہوں نے مباہلہ بھی کیا۔ مگر کیوں پھر دنیا کی طرف جھک گئے۔ لیکن ہم اب تک اس بات سے نومید نہیں ہیں کہ خدا ان کی آنکھیں کھولے اور یہ امید باقی ہے جب تک کہ وہ اسی حالت میں فوت نہ ہو جائیں۔

اور یاد رہے کہ خاص موجب اس اشتہار کے شائع کرنے کا وہی ہیں کیونکہ ان دنوں میں سب سے پہلے انہی نے اس بات پر زور دیا ہے کہ قرآن کی یہ دلیل کہ "اگر یہ نبی جھوٹے طور پر وحی کا دعویٰ کرتا تو میں اس کو ہلاک کر دیتا" یہ کچھ چیز نہیں ہے بلکہ بہتیرے ایسے مفتری دنیا میں پائے جاتے ہیں جنہوں نے تیئیس برس سے بھی زیادہ مدت تک نبوت یا رسالت یا مامور من اللہ ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرکے خدا پر افترا کیا اور اب تک زندہ موجود

ہیں۔ حافظ صاحب کا یہ قول ایسا ہے کہ کوئی مومن اس کی برداشت نہیں کرے گا مگر وہی جس کے دل پر خدا کی لعنت ہو۔ کیا خدا کا کلام جھوٹا ہے؟ و من اظلم من الذی کذب کتاب اللہ۔ الا ان قول اللہ حق والا ان لعنۃ اللہ علی المکذبین ۔ یہ خدا کی قدرت ہے کہ اُس نے منجملہ اور نشانوں کے یہ نشان بھی میرے لئے دکھلایا کہ میرے وحی اللہ پانے کے دن سیدنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے دنوں سے برابر کئے۔ جب سے کہ دنیا شروع ہوئی ایک انسان بھی بطور نظیر نہیں ملے گا جس نے ہمارے سید و مردار نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح تیئیس برس پائے ہوں اور پھر وحی اللہ کے دعوے میں جھوٹا ہو۔ یہ خدا تعالےٰ نے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص عزت دی ہے جو اُن کے زمانہ نبوت کو بھی سچائی کا معیار ٹھیرا دیا ہے۔ پس اے مومنو! اگر تم ایک ایسے شخص کو پاؤ جو مامور من اللہ ہونے کا دعوٰے کرتا ہے اور تم پر ثابت ہو جائے کہ وحی اللہ پانے کے دعوے پر تیئیس برس کا عرصہ گذر گیا اور وہ متواتر اس عرصہ تک وحی اللہ پانے کا دعویٰ کرتا رہا اور وہ دعویٰ اس کی شائع کردہ تحریروں سے ثابت ہوتا رہا تو یقیناً سمجھ لو کہ وہ خدا کی طرف سے ہے۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اللہ پانے کی مدّت اُس شخص کو مل سکے جس شخص کو خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ ہاں اس بات کا واقعی طور پر ثبوت ضروری ہے کہ درحقیقت اس شخص نے وحی اللہ پانے کے دعویٰ میں تیئیس برس کی مدّت حاصل کرلی۔ اور اس مدّت میں آخیر تک کبھی خاموش نہیں رہا۔ اور نہ اس دعویٰ سے دست بردار ہوا۔ سو اس اُمت میں وہ ایک شخص میں ہی ہوں جس کو اپنے نبی کریم کے نمونہ پر وحی اللہ پانے میں تیئیس برس کی مدّت دی گئی۔ اور تیئیس برس تک برابر یہ سلسلہ وحی کا جاری رکھا گیا۔ اس کے ثبوت کے لئے اوّل میں براہین احمدیہ کے وہ مکالماتِ الٰہیہ لکھتا ہوں جو اکیس برس سے براہین احمدیہ میں چھپکر شائع ہوئے اور سات آٹھ برس پہلے زبانی طور پر شائع ہوتے رہے جن کی گواہی خود براہین احمدیہ سے ثابت ہے۔ اور پھر اس کے بعد چند وہ مکالماتِ الٰہیہ لکھوں گا جو براہین احمدیہ کے بعد

وقتاً فوقتاً دوسری کتابوں کے ذریعہ سے شائع ہوتے رہے۔ سو براہین احمدیہ میں یہ کلمات اللہ درج ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے پر نازل ہوئے اور مَیں صرف نمونہ کے طور پر اختصار کرکے لکھتا ہوں بمفصل دیکھنے کے لئے براہین موجود ہے۔

وہ مکالماتِ الٰہیہ جن سے مجھے مشرف کیا گیا

اور براہین احمدیہ میں درج ہیں

بشریٰ لک احمدی۔ انت مرادی و معی۔ غرست لک قدرتی بیدی۔ سرّک سرّی۔ انت وجیہ فی حضرتی۔ اخترتک لنفسی۔ انت منی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی فحان ان تعان وتعرف بین الناس۔ یا احمد فاضت الرحمۃ علی شفتیک۔ بورکت یا احمد وکان ما بارک اللّٰہ فیک حقا فیک۔ الرحمٰن علم القراٰن لتنذر قومًا ما انذر آباؤھم ولتستبین سبیل المجرمین۔ قل انی امرت وانا اول المؤمنین۔ قل ان کنتم تحبّون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ۔ ویمکرون ویمکر اللّٰہ واللّٰہ خیر الماکرین۔ و ما کان اللّٰہ لیترکک حتی یمیز الخبیث من الطیّب۔ وان علیک رحمتی فی الدنیا والدین۔ وانک الیوم لدینا مکین امین۔ وانک من المنصورین۔ وانت منی بمنزلۃ لایعلمھا الخلق۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ یا احمد اسکن انت وزوجک الجنۃ۔ یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ۔ ھٰذا من رحمۃ ربک لیکون اٰیۃ للمؤمنین اردت ان استخلف فخلقت آدم۔ لیقیم الشریعۃ ویحی الدین جری اللّٰہ فی حلل الانبیاء۔ وجیہ فی الدنیا والاٰخرۃ ومن المقربین۔ کنت کنزًا مخفیا فاجببت ان اعرف۔ ولنجعلہ آیۃ للناس ورحمۃ منا وکان امرًا مقضیّا۔ یا عیسٰی انی متوفیک ورافعک الیّ ومطھرک من الذین کفروا۔ وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ ثلۃ من الاوّلین وثلۃ من الاٰخرین۔ یخوفونک من دونہ۔ یعصمک اللّٰہ من عندہ

ص۱۵

ولو لم یعصمک الناس وکان ربک قدیرا۔ یحمدک اللّٰہ من عرشہ نحمدک ونصلی و انا کفیناک المستھزئین۔ وقالوا ان ھو الا افک افتری۔ وما سمعنا بھذا فی اٰباءنا الاولین۔ ولقد کرمنا بنی اٰدم وفضلنا بعضھم علی بعض کذالک لتکون اٰیۃ للمؤمنین وجحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم ظلما وعلوا۔ قل عندی شہادۃ من اللّٰہ فھل انتم مؤمنون۔ قل عندی شہادۃ من اللّٰہ فھل انتم مسلمون۔ وقالوا انّٰی لک ھٰذا۔ ان ھٰذا الا سحر یؤثر۔ وان یروا اٰیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر۔ کتب اللّٰہ لاغلبن انا ورسلی۔ واللّٰہ غالب علٰی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدٰی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔ لامبدل لکلمات اللّٰہ۔ والذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولٰئک لھم الامن وھم مھتدون۔ ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انھم مغرقون۔ وان یتخذونک الا ھزوا۔ اھٰذا الذی بعث اللّٰہ وینظرون الیک وھم لا یبصرون۔ واذ یمکر بک الذی کفر۔ اوقدلی یا ھامان لعلی اطلع علی الٰہ موسٰی وانی لاظنہ من الکاذبین۔ تبت یدا ابی لھب وتب۔ ما کان لہ ان یدخل فیھا الا خائفا۔ وما اصابک فمن اللّٰہ۔ الفتنۃ ھٰھنا فاصبر کما صبر اولوا العزم الا انھا فتنۃ من اللّٰہ لیحب حبا جما۔ حبا من اللّٰہ العزیز الاکرم عطاء غیر مجذوذ۔ وفی اللّٰہ اجرک۔ ویرضٰی عنک ربک ویتم اسمک۔ وعسٰی ان تحبوا شیئا وھو شرلکم وعسٰی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم واللّٰہ یعلم وانتم لا تعلمون۔*

ترجمہ:۔ اے میرے احمد! تجھے بشارت ہو۔ تو میری مراد ہے۔ اور میرے ساتھ ہے۔

* اس قدر الہامات ہم نے براہین احمدیہ سے بطور اختصار لکھے ہیں۔ اور چونکہ کئی دفعہ کئی ترتیبوں کے رنگ میں یہ الہامات ہو چکے ہیں اس لئے فقرات جوڑنے میں ایک خاص ترتیب کا لحاظ نہیں ہر ایک ترتیب فہم ملہم کے مطابق الہامی ہے۔ منہ

مَیں نے اپنے ہاتھ سے تیرا درخت لگایا۔ تیرا بھید میرا بھید ہے اور تو میری درگاہ میں وجیہ ہے۔ مَیں نے اپنے لئے تجھے چُنا۔ تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میری توحید اور تفرید۔ پس وقت آگیا ہے کہ تو مدد دیا جائے۔ اور لوگوں میں تیرے نام کی شہرت دی جائے۔ اے احمد! تیرے لبوں میں نعمت یعنی حقائق و معارف جاری ہیں۔ اے احمد! تو برکت دیا گیا اور یہ برکت تیرا ہی حق تھا۔ خدا نے تجھے قرآن سکھلایا یعنی قرآن کے اُن معنوں پر اطلاع دی جن کو لوگ بھول گئے تھے۔ تاکہ تو اُن لوگوں کو ڈراوے جن کے باپ دادے بے خبر گذر گئے۔ اور تاکہ مجرموں پر خدا کی حجت پوری ہو جائے۔ ان کو کہدے کہ مَیں اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی وحی اور حکم سے یہ سب باتیں کہتا ہوں۔ اور مَیں اس زمانہ میں تمام مومنوں میں سے پہلا ہوں۔ ان کو کہدے کہ اگر تم خدا تعالےٰ سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے۔*

ح۲۱

* یہ مقام ہماری جماعت کیلئے سوچنے کا مقام ہے کیونکہ اس میں خداوند قدیر فرماتا ہے کہ خدا کی محبت اِسی سے وابستہ ہے کہ تم کامل طور پر پیرو ہو جاؤ۔ اور تم میں ایک ذرہ مخالفت باقی نہ رہے۔ اور اسجگہ جو میری نسبت کلام الٰہی میں رسول اور نبی کا لفظ اختیار کیا گیا ہے کہ یہ رسول اور نبی اللہ ہے یہ اطلاق مجاز اور استعارہ کے طور پر ہے کیونکہ جو شخص خدا سے براہ راست وحی پاتا ہے اور یقینی طور پر خدا اس سے مکالمہ کرتا ہے جیسا کہ نبیوں سے کیا اس پر رسول یا نبی کا لفظ بولنا غیر موزون نہیں ہے بلکہ یہ نہایت فصیح استعارہ ہے۔ اسی وجہ سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور انجیل اور دانی ایل اور دوسرے نبیوں کی کتابوں میں بھی جہاں میرا ذکر کیا گیا ہے وہاں میری نسبت نبی کا لفظ بولا گیا ہے۔ اور بعض نبیوں کی کتابوں میں میری نسبت بطور استعارہ فرشتہ کا لفظ آگیا ہے۔ اور دانی ایل نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے اور عبرانی میں لفظی معنے میکائیل کے ہیں خدا کی مانند۔ یہ گویا اس الہام کے مطابق ہے جو براہین احمدیہ میں ہے۔ انت منی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی فحان ان تعان و تعرف بین الناس۔ یعنی تو مجھ سے ایسا قرب رکھتا ہے اور ایسا ہی مَیں تجھے چاہتا ہوں جیسا کہ اپنی توحید اور تفرید کو۔ سو جیسا کہ میں اپنی توحید کی شہرت چاہتا ہوں ایسا ہی تجھے دنیا میں مشہور کرونگا۔ اور ہر ایک جگہ جو میرا نام جائیگا تیرا نام بھی ساتھ ہوگا۔ منہ۔

اور یہ لوگ مکر کریں گے اور خدا بھی مکر کرے گا اور خدا بہتر مکر کرنے والا ہے۔ اور خدا ایسا نہیں کریگا کہ وہ تجھے چھوڑ دے جب تک کہ پاک اور پلید میں فرق نہ کرلے۔ اور تیرے پر دنیا اور دین میں میری رحمت ہے۔ اور تو آج ہماری نظر میں صاحب مرتبہ ہے اور اُن میں سے ہے جن کو مدد دی جاتی ہے۔ اور مجھ سے تُو وہ مقام اور مرتبہ رکھتا ہے جس کو دنیا نہیں جانتی۔ اور ہم نے دنیا پر رحمت کرنے کے لئے تجھے بھیجا ہے۔ اے احمد! اپنے زوج کے ساتھ بہشت میں داخل ہو۔ اے آدم! اپنے زوج کے ساتھ بہشت میں داخل ہو۔ یعنی ہر ایک جو تجھ سے تعلق رکھنے والا ہے گو وہ تیری بیوی ہے یا تیرا دوست ہے نجات پائیگا۔ اور اس کو بہشتی زندگی ملے گی۔ اور آخر بہشت میں داخل ہوگا۔ اور پھر فرمایا کہ مَیں نے ارادہ کیا کہ زمین پر اپنا جانشین پیدا کروں۔ سو مَیں نے اس آدم کو پیدا کیا۔ یہ آدم شریعت کو قائم کرے گا اور دین کو زندہ کردے گا۔ اور یہ خدا کا رسول ہے نبیوں کے لباس میں۔ دنیا اور آخرت میں وجیہہ اور خدا کے مقربوں میں سے۔ مَیں ایک خزانہ پوشیدہ تھا پس مَیں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں۔ اور ہم اس اپنے بندہ کو اپنا ایک نشان بنائیں گے اور اپنی رحمت کا ایک نمونہ کرینگے اور ابتدا سے یہی مقدر تھا۔ اے عیسیٰ! مَیں تجھے طبعی طور پر وفات دونگا یعنی تیرے مخالف تیرے قتل پر قادر نہیں ہوسکیں گے اور مَیں تجھے اپنی طرف اُٹھاؤں گا۔ یعنی دلائل واضحہ سے اور کھلے کھلے نشانوں سے ثابت کردونگا کہ تُو میرے مقربوں میں سے ہے اور اُن تمام الزاموں سے تجھے پاک کرونگا جو تیرے پر منکر لوگ لگاتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو مسلمانوں میں سے تیرے پیرو ہونگے مَیں اُن کو اُن دوسرے گروہ پر قیامت تک غلبہ اور فوقیت دونگا جو تیرے مخالف ہونگے۔ تیرے تابعین کا ایک گروہ پہلوں میں سے ہوگا اور ایک گروہ پچھلوں میں سے۔ لوگ تجھے اپنی شرارتوں سے ڈرائیں گے پر خدا تجھے دشمنوں کی شرارت سے آپ بچائیگا گو لوگ نہ بچاویں۔ اور تیرا خدا قادر ہے وہ عرش پر سے تیری تعریف کرتا ہے۔ یعنی لوگ جو گالیاں نکالتے ہیں ان کے مقابل پر خدا عرش پر تیری تعریف کرتا ہے۔ ہم تیری تعریف کرتے ہیں اور تیرے پر درود بھیجتے ہیں۔ اور جو ٹھٹھا کرنے والے ہیں اُن کیلئے ہم اکیلے کافی ہیں۔ اور وہ لوگ کہتے

۱۷

ہیں کہ یہ تو جھوٹا افترا ہے جو اس شخص نے کیا ہے۔ ہم نے اپنے باپ دادوں سے ایسا نہیں سُنا۔ یہ نادان نہیں جانتے کہ کسی کو کوئی مرتبہ دینا خدا پر مشکل نہیں۔ ہم نے انسانوں میں سے بعض کو بعض پہ فضیلت دی ہے۔ پس اسی طرح اس شخص کو یہ مرتبہ عطا فرمایا تھا تاکہ مومنوں کیلئے نشان ہو۔ مگر خدا کے نشانوں سے لوگوں نے انکار کیا۔ دل تو مان گئے مگر انکار تکبر اور ظلم کی وجہ سے تھا۔ انکو کہدے کہ میرے پاس خاص خدا کی طرف سے گواہی ہے پس کیا تم مانتے نہیں۔ پھر ان کو کہدے کہ میرے پاس خاص خدا کی طرف سے گواہی ہے۔ پس کیا تم قبول نہیں کرتے۔ اور جب نشان دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو ایک معمولی امر ہے جو قدیم سے چلا آتا ہے۔ (واضح ہو کہ آخری فقرہ اس الہام کا وہ آیت ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ جب کفّار نے شق القمر دیکھا تھا تو یہی عذر پیش کیا تھا کہ یہ ایک کسوف کی قسم ہے ہمیشہ ہوا کرتا ہے کوئی نشان نہیں۔ اب اس پیشگوئی میں خدا تعالیٰ نے اس کسوف خسوف کی طرف اشارہ فرمایا جو اس پیشگوئی سے کئی سال بعد میں وقوع میں آیا جو کہ مہدی معہود کے لئے قرآن شریف اور حدیث دارقطنی میں بطور نشان مندرج تھا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اس کسوف خسوف کو دیکھ کر منکر لوگ یہی کہیں گے کہ یہ کچھ نشان نہیں۔ یہ ایک معمولی بات ہے۔ یاد رہے کہ قرآن شریف میں اس کسوف خسوف کی طرف آیت جمع الشمس والقمر[1] میں اشارہ ہے۔ اور حدیث میں اس کسوف و خسوف کے بارے میں امام باقر کی روایت ہے۔ جس کے یہ لفظ ہیں کہ ان لمھدینا اٰیتین۔ اور عجیب تر بات یہ کہ براہین احمدیہ میں واقعہ کسوف خسوف سے قریباً پندرہ برس پہلے اس واقعہ کی خبر دی گئی اور یہ بھی بتلایا گیا کہ اس کے ظہور کے وقت ظالم لوگ اس نشان کو قبول نہیں کرینگے اور کہیں گے کہ یہ ہمیشہ ہوا کرتا ہے۔ حالانکہ ایسی صورت جب سے کہ دنیا ہوئی کبھی پیش نہیں آئی کہ کوئی مہدی کا دعویٰ کرنے والا ہو اور اس کے زمانہ میں کسوف خسوف ایک ہی مہینہ میں یعنی رمضان میں ہو۔ اور یہ فقرہ جو دو مرتبہ فرمایا گیا کہ قل عندی شھادۃ من اللّٰہ فھل انتم مؤمنون۔ و قل عندی شھادۃ من اللّٰہ ۱۸

[1] القیامۃ : ۱۰

فھل انتم مسلمون۔* اس میں ایک شہادت سے مراد کسوف شمس ہے اور دوسری شہادت سے مراد خسوف قمر ہے) اور پھر فرمایا کہ خدا نے قدیم سے لکھ رکھا ہے یعنی مقرر کر رکھا ہے کہ مَیں اور میرے رسول ہی غالب ہونگے۔ یعنی گو کسی قسم کا مقابلہ آپڑے جو لوگ خدا کی طرف سے ہیں۔ وہ مغلوب نہیں ہونگے اور خدا اپنے ارادوں پر غالب ہے مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ خدا وہی خدا ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے۔ کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو بدل دے۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو کسی ظلم سے آلودہ نہیں کیا ان کو ہر ایک بلا سے امن ہے اور وہی ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔ اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے کچھ کلام نہ کر۔ وہ تو ایک غرق شدہ قوم ہے۔ اور تجھے ان لوگوں نے ایک ہنسی کی جگہ بنا رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ کیا یہی ہے جو خدا نے مبعوث فرمایا اور تیری طرف دیکھتے ہیں اور تو انہیں نظر نہیں آتا۔ اور یاد کر وہ وقت جب تیرے پر ایک شخص

---

* اس کلام الٰہی سے ظاہر ہے کہ تکفیر کرنے والے اور تکذیب کی راہ اختیار کرنے والے ہلاک شدہ قوم ہے اسلئے وہ اس لائق نہیں ہیں کہ میری جماعت میں سے کوئی شخص ان کے پیچھے نماز پڑھے۔ کیا زندہ مردہ کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے؟ پس یاد رکھو کہ جیسا خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفّر اور مکذّب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔ بلکہ چاہیئے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔ اسی کی طرف حدیث بخاری کے ایک پہلو میں اشارہ ہے کہ امامکم منکم یعنی جب مسیح نازل ہوگا تو تمہیں دوسرے فرقوں کو جو دعوئ اسلام کرتے ہیں بکلّی ترک کرنا پڑیگا اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ پس تم ایسا ہی کرو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ خدا کا الزام تمہارے سر پر ہو اور تمہارے عمل حبط ہو جائیں۔ اور تمہیں کچھ خبر نہ ہو جو شخص مجھے دل سے قبول کرتا ہے وہ دل سے اطاعت بھی کرتا ہے اور ہر ایک حال میں مجھے حَکم ٹھیراتا ہے اور ہر ایک تنازعہ کا مجھ سے فیصلہ چاہتا ہے مگر جو شخص مجھے دل سے قبول نہیں کرتا اس میں تم نخوت اور خود پسندی اور خود اختیاری پاؤگے پس جانو کہ وہ مجھ میں سے نہیں ہے کیونکہ وہ میری باتوں کو جو مجھے خدا سے ملی ہیں عزت سے نہیں دیکھتا اسلئے آسمان پر اس کی عزت نہیں۔ منہ

سراسر مکر سے تکفیر کا فتویٰ دیگا (یہ ایک پیشگوئی ہے جس میں ایک بدقسمت مولوی کی نسبت خبر دی گئی ہے کہ ایک زمانہ آتا ہے جبکہ وہ مسیح موعود کی نسبت تکفیر کا کاغذ طیار کریگا) اور پھر فرمایا کہ وہ اپنے بزرگ ہامان کو کہے گا کہ اس تکفیر کی بنیاد تو ڈال کہ تیرا اثر لوگوں پر بہت ہے اور تو اپنے فتویٰ سے سب کو افروختہ کرسکتا ہے۔ سو تو سب سے پہلے اس کفرنامہ پر مہر لگا تا سب علماء بھڑک اٹھیں۔ اور تیری مہر کو دیکھکر وہ بھی مہریں لگا دیں اور تا کہ میں دیکھوں کہ خدا اس شخص کے ساتھ ہے یا نہیں۔ کیونکہ مَیں اس کو جھوٹا سمجھتا ہوں (تب اس نے مہر لگا دی) ابولہب ہلاک ہوگیا اور اُس کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے (ایک وہ ہاتھ جس کے ساتھ تکفیر نامہ کو پکڑا۔ اور دوسرا وہ ہاتھ جس کے ساتھ مہر لگائی یا تکفیر نامہ لکھا) اس کو نہیں چاہیئے تھا کہ اس کام میں دخل دیتا مگر ڈرتے ڈرتے۔ اور جو تجھے رنج پہنچے گا وہ تو خدا کی طرف سے ہے۔ جب وہ ہامان تکفیر نامہ پر مہر لگا دے گا تو بڑا فتنہ برپا ہوگا۔ پس تو صبر کر جیسا کہ اولوا العزم نبیوں نے صبر کیا (یہ اشارہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نسبت ہے کہ اُن پر بھی یہود کے پلید طبع مولویوں نے کفر کا فتویٰ لکھا تھا اور اس الہام میں یہ اشارہ ہے کہ یہ تکفیر اس لئے ہوگی کہ تا اس امر میں بھی حضرت عیسٰے سے مشابہت پیدا ہو جائے۔ اور اِس الہام میں خدا تعالیٰ نے استفتاء لکھنے والے کا نام فرعون رکھا اور فتویٰ دینے والے کا نام جس نے اوّل فتویٰ دیا ہامان۔ پس تعجب نہیں کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ ہامان اپنے کفر پر مرے گا لیکن فرعون کسی وقت جب خدا کا ارادہ ہو کہے گا اٰمنت بالذی اٰمنت بہ بنوا اسرائیل) اور پھر فرمایا کہ یہ فتنہ خدا کی طرف سے فتنہ ہوگا تا وہ تجھ سے بہت محبت کرے جو دائمی محبت ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔ اور خدا میں تیرا اجر ہے۔ خدا تجھ سے راضی ہوگا اور تیرے نام کو پورا کرے گا۔ بہت ایسی باتیں ہیں کہ تم چاہتے ہو مگر وہ تمہارے لئے اچھی نہیں۔ اور بہت ایسی باتیں ہیں کہ تم نہیں چاہتے اور وہ تمہارے لئے اچھی ہیں اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تکفیر ضروری تھی اور

ص۱۹

اس میں خدا کی حکمت تھی مگر افسوس ان پر جن کے ذریعہ سے یہ حکمت اور مصلحت الٰہی پوری ہوئی۔ اگر وہ پیدا نہ ہوتے تو اچھا تھا۔

اس قدر الہام تو ہم نے بطور نمونہ کے براہین احمدیہ میں لکھے ہیں۔ لیکن اس اکیس برس کے عرصہ میں براہین احمدیہ سے لیکر آج تک میں نے چالیس کتابیں تالیف کی ہیں اور ساٹھ ہزار کے قریب اپنے دعوے کے ثبوت کے متعلق اشتہارات شائع کئے ہیں اور وہ سب میری طرف سے بطور چھوٹے چھوٹے رسالوں کے ہیں۔ اور ان سب میں میری مسلسل طور پر یہ عادت رہی ہے کہ اپنے جدید الہامات ساتھ ساتھ شائع کرتا رہا ہوں۔ اس صورت میں ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ یہ ایک مدت دراز کا زمانہ ابتدائے دعویٰ ماموّر من اللہ ہونے سے آج تک کیسی شبا روزی سرگرمی سے گذرا ہے اور خدا نے نہ صرف اس وقت تک مجھے زندگی بخشی بلکہ ان تالیفات کے لئے صحت بخشی۔ مال عطا کیا۔ وقت عنایت فرمایا۔ اور الہامات میں خدا تعالیٰ کی مجھ سے یہ عادت نہیں کہ صرف معمولی مکالمہ الٰہیہ ہو بلکہ اکثر الہامات میرے پیشگوئیوں سے بھرے ہوئے ہیں اور دشمنوں کے بدارادوں کا ان میں جواب ہے۔ مثلاً چونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ دشمن میری موت کی تمنا کریں گے تا یہ نتیجہ نکالیں کہ جھوٹا تھا تبھی جلد مر گیا اسی لئے پہلے ہی سے اس نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ ثمانین حولاً او قریباً من ذالک او تزید علیہ سنینا و تریٰ نسلاً بعیدًا یعنی تیری عمر اسّی برس کی ہوگی یا دو چار کم یا چند سال زیادہ۔ اور تو اس قدر عمر پائیگا کہ ایک دُور کی نسل کو دیکھ لے گا۔ اور یہ الہام قریباً پینتیس[۳۵] برس سے ہو چکا ہے۔ اور لاکھوں انسانوں میں شائع کیا گیا۔ ایسا ہی چونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ دشمن یہ بھی تمنا کریں گے کہ یہ شخص جھوٹوں کی طرح مہجور اور مخذول رہے اور زمین پر اس کی قبولیت پیدا نہ ہو۔ تا یہ نتیجہ نکال سکیں کہ وہ قبولیت جو صادقین کے لئے شرط ہے اور ان کے لئے آسمان سے نازل ہوتی ہے اس شخص کو نہیں دی گئی۔ لہٰذا اس نے پہلے سے براہین احمدیہ میں فرما دیا۔ ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء۔ یاتون من

کلّ فجٍ عمیق ۔ والملوک یتبرکون بثیابک ۔ اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح وانتھی امر الزمان الینا الیس ھٰذا بالحق ۔ یعنی تیری مدد وہ لوگ کرینگے جن کے دلوں پر مَیں آسمان سے وحی نازل کروں گا۔ وہ دُور دُور کی راہوں سے تیرے پاس آئینگے اور بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے ۔ جب ہماری مدد اور فتح آجائیگی تب مخالفین کو کہا جائیگا کہ کیا یہ انسان کا افترا تھا یا خدا کا کاروبار✝۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ یہ بھی جانتا تھا کہ دشمن یہ بھی تمنا کریں گے کہ یہ شخص منقطع النسل رہ کر نابود ہو جائے ۔ تا نادانوں کی نظر میں یہ بھی ایک نشان ہو۔ لہٰذا اس نے پہلے سے براہین احمدیہ میں خبر دے دی کہ ینقطع اٰباءک ویبدء منک. یعنی تیرے بزرگوں کی پہلی نسلیں منقطع ہو جائیں گی اور اُن کے ذکر کا نام و نشان نہ رہے گا۔ اور خدا تجھ سے ایک نئی بنیاد ڈالے گا ۔ اسی بنیاد کی مانند جو ابراہیم سے ڈالی گئی ۔ اسی

✝ ایسا ہی خدا تعالیٰ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر کوئی خبیث مرض دامن گیر ہو جائے جیسا کہ جذام اور جنون اور اندھا ہونا اور مرگی ۔ تو اس سے یہ لوگ نتیجہ نکالیں گے کہ اس پر غضب الٰہی ہو گیا ۔ اس لئے پہلے سے اُس نے مجھے براہین احمدیہ میں بشارت دی کہ ہر ایک خبیث عارضہ سے تجھے محفوظ رکھوں گا ۔ اور اپنی نعمت تجھ پر پوری کروں گا ۔ اور بعد اس کے آنکھوں کی نسبت خاص کر یہ بھی الہام ہوا ۔ تنزل الرحمۃ علٰی ثلٰث ۔ العین و علی الاخریین ۔ یعنی رحمت تین عضووں پر نازل ہو گی ۔ ایک آنکھیں کہ پیرانہ سالی ان کو صدمہ نہیں پہنچائے گی اور نزول الماء وغیرہ سے جس سے نور بصارت جاتا رہے محفوظ رہیں گی ۔ اور دو عضو اور ہیں جن کی خدا تعالیٰ نے تصریح نہیں کی ۔ اُن پر بھی یہی رحمت نازل ہو گی ۔ اور اُن کی قوتوں اور طاقتوں میں فتور نہیں آئے گا ۔ اب بولو تم نے دنیا میں کس کذّاب کو دیکھا کہ اپنی عمر بتلاتا ہے اپنی صحت بصری اور دو اور اعضا کی صحت کا آخیر عمر تک دعویٰ کرتا ہے ۔ ایسا ہی چونکہ خدا تعالیٰ نے جانتا تھا کہ لوگ قتل کے منصوبے کریں گے اُس نے پہلے سے براہین میں خبر دے دی یعصمک اللّٰہ ولو لم یعصمک الناس۔ منہ

مناسبت سے خدا نے براہین احمدیہ میں میرا نام ابراہیم رکھا۔ جیسا کہ فرمایا سلام علی ابراھیمؑ صافیناہ ونجیناہ من الغم واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی۔ قل رب لا تذرنی فردًا وانت خیر الوارثین۔ یعنی سلام ہے ابراہیم پر (یعنی اس عاجز پر) ہم نے اس سے خالص دوستی کی اور ہر ایک غم سے اس کو نجات دے دی۔ اور تم جو پیروی کرتے ہو تم اپنی نماز گاہ ابراہیم کے قدموں کی جگہ بناؤ یعنی کامل پیروی کرو تا نجات پاؤ۔ اور پھر فرمایا۔ کہہ اے میرے خدا مجھے اکیلا مت چھوڑ اور تو بہتر وارث ہے۔ اس الہام میں یہ اشارہ ہے کہ خدا اکیلا نہیں چھوڑے گا اور ابراہیم کی طرح کثرتِ نسل کرے گا۔ اور بہتیرے اس نسل سے برکت پائیں گے۔ اور یہ جو فرمایا کہ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی۔ یہ قرآن شریف کی آیت ہے اور اس مقام میں اس کے یہ معنے ہیں کہ یہ ابراہیم جو بھیجا گیا۔ تم اپنی عبادتوں اور عقیدوں کو اس کی طرز پر بجالاؤ۔ اور ہر ایک امر میں اس کے نمونہ پر اپنے تئیں بناؤ۔ اور جیسا کہ آیت ومبشرًا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد[1] میں یہ اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر زمانہ میں ایک مظہر ظاہر ہوگا گویا وہ اس کا ایک ہاتھ ہوگا✤ جس کا

عـــــــــــــــــ۲۱

✤ یاد رہے کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ کے دو ہاتھ جلالی و جمالی ہیں اسی نمونہ پر چونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جلّ شانہٗ کے مظہر اتم ہیں۔ لہٰذا خدا تعالیٰ نے آپ کو بھی وہ دونوں ہاتھ رحمت اور شوکت کے عطا فرمائے۔ جمالی ہاتھ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ قرآن شریف میں ہے وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین[2] یعنی ہم نے تمام دنیا پر رحمت کرکے تجھے بھیجا ہے اور جلالی ہاتھ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی[3]۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ یہ دونوں صفتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے اپنے وقتوں میں ظہور پذیر ہوں اس لئے خدا تعالیٰ نے صفت جلالی کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے ظاہر فرمایا۔ اور صفت جمالی کو مسیح موعود اور اس کے گروہ کے ذریعہ سے کمال تک پہنچایا۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ وآخرین منھم لما یلحقوا بھم[4]۔ منہ

[1] الصف: ۷ [2] الانبیاء: ۱۰۸ [3] الانفال: ۱۸ [4] الجمعۃ: ۴

نام آسمان پر احمد ہو گا۔ اور وہ حضرت مسیح کے رنگ میں جمالی طور پر دین کو پھیلائے گا ایسا ہی یہ آیت واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جب اُمت محمدیہ میں بہت فرقے ہو جائیں گے تب آخر زمانہ میں ایک ابراہیم پیدا ہو گا اور ان سب فرقوں میں وہ فرقہ نجات پائیگا کہ اس ابراہیم کا پیرو ہو گا۔

اب ہم بطور نمونہ چند الہامات دوسری کتابوں میں سے لکھتے ہیں چنانچہ ازالۂ اوہام میں صفحہ ۶۳۴ سے آخیر تک اور نیز دوسری کتابوں میں یہ الہام ہیں جعلناک المسیح ابن مریم۔ ہم نے تجھ کو مسیح ابن مریم بنایا۔ یہ کہینگے کہ ہم نے پہلوں سے ایسا نہیں سُنا سو تو ان کو جواب دے کہ تمہارے معلومات وسیع نہیں تم ظاہر لفظ اور ابہام پر قانع ہو۔ اور پھر ایک اور الہام ہے اور وہ یہ ہے الحمد للّٰہ الذی جعلک المسیح ابن مریم انت الشیخ المسیح الذی لایُضاع وقتہ کمثلک درٌّ لایُضاع۔ یعنی خدا کی سب حمد ہے جس نے تجھ کو مسیح ابن مریم بنایا۔ تو وہ شیخ مسیح ہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جاوے گا۔ تیرے جیسا موتی ضائع نہیں کیا جاتا۔ اور پھر فرمایا لنحیینک حیٰوۃ طیّبۃ ثمانین حولًا او قریبًا من ذالک۔ وترٰی نسلًا بعیدًا مظہر الحق والعلاء کانّ اللّٰہ نزل من السماء۔ یعنی ہم تجھے ایک پاک اور آرام کی زندگی عنایت کرینگے۔ اسّی برس یا اس کے قریب قریب یعنی دو چار برس کم یا زیادہ اور تُو ایک دُور کی نسل دیکھے گا۔ بلندی اور غلبہ کا مظہر گویا خدا آسمان سے نازل ہؤا۔ اور پھر فرمایا۔ یأتی قمر الانبیاء وامرک یتاتّٰی ما انت ان تترک الشیطان قبل ان تغلبہ۔ الفوق معک والتحت مع اعداءک۔ یعنی نبیوں کا چاند چڑھے گا۔ اور تو کامیاب ہو جائیگا۔ تُو ایسا نہیں کہ شیطان کو چھوڑ دے قبل اس کے کہ اس پر غالب ہو۔ اور اوپر رہنا تیرے حصہ میں ہے اور نیچے رہنا تیرے دشمنوں کے حصہ میں۔ اور پھر فرمایا۔ انّی مھین من اراد اھانتک۔ وما کان اللّٰہ لیترکک حتّٰی یمیز الخبیث من الطیّب۔ سبحان اللّٰہ انت وقارہ۔ فکیف

یترکك ۔ انی انا اللّٰہ فاخترنی ۔ قل رب انی اخترتك علی کلّ شیءٍ ۔ (ترجمہ) میں
اُس کو ذلیل کرونگا جو تیری ذلّت چاہتا ہے اور مَیں اس کو مدد دونگا جو تیری مدد کرتا ہے ۔
اور خدا ایسا نہیں جو تجھے چھوڑ دے جب تک وہ پاک اور پلید میں فرق نہ کرلے ۔ خدا
ہر ایک عیب سے پاک ہے ۔ اور تُو اس کا وقار ہے ۔ پس وہ تجھے کیونکر چھوڑ دے ۔ مَیں
ہی خدا ہوں ۔ تُو سراسر میرے لئے ہو جا ۔ تو کہہ ۔ اے میرے رب مَیں نے تجھے ہر چیز پر
اختیار کیا ۔ اور پھر فرمایا ۔ سیقول العدو لست مرسلا ۔ سنأخذہ من مارن او
خرطوم ۔ و انّا من الظالمین منتقمون ۔ انی مع الافواج اٰتیك بغتۃ ۔ یوم یعض
الظالم علیٰ یدیہ یالیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا ۔ و قالوا سیقلب الامر
و ما کانوا علی الغیب مطلعین ۔ انا انزلناك وکان اللّٰہ قدیرا ۔ یعنی دشمن کہے گا
کہ تُو خدا کی طرف سے نہیں ہے ۔ ہم اس کو ناک سے پکڑینگے ۔ یعنی دلائل قاطعہ سے اُس کا دم
بند کر دینگے ۔ اور ہم جزا کے دن ظالموں سے بدلہ لیں گے ۔ مَیں اپنی فوجوں کے ساتھ تیرے
پاس ناگہانی طور پر آؤں گا ۔ یعنی جس گھڑی تیری مدد کی جائیگی اس گھڑی کا تجھے علم نہیں ۔
اور اس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا کہ کاش میں اس خدا کے بھیجے ہوئے سے مخالفت نہ کرتا ۔ اور
اُس کے ساتھ رہتا ۔ اور کہتے ہیں کہ یہ جماعت متفرق ہو جائیگی اور بات بگڑ جائیگی ۔ حالانکہ
اُن کو غیب کا علم نہیں دیا گیا ۔ تُو ہماری طرف سے ایک بُرہان ہے اور خدا قادر تھا کہ
ضرورت کے وقت میں اپنی بُرہان ظاہر کرتا ۔ اور پھر فرمایا ۔ انا ارسلنا احمد الی قومہ
فاعرضوا و قالوا کذّاب اشر ۔ و جعلوا یشھدون علیہ و یسیلون کماء منھمر ۔
ان حِبّی قریب مستتر ۔ یاتیك نصرتی انی انا الرحمٰن ۔ انت قابل یاتیك وابل
انی حاشر کل قوم یاتونك جنبا ۔ و انی انرت مکانك ۔ تنزیل من اللّٰہ العزیز الرحیم
بلجت اٰیاتی ۔ ولن یجعل اللّٰہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا ۔ انت مدینۃ العلم ۔
طیّب مقبول الرحمٰن ۔ وانت اسمی الاعلیٰ ۔ بشریٰ لك فی ھذہ الایام ۔ انت منّی

یا ابراهیم ۔ انت القائم علی نفسه مظهر الحی ۔ وانت منی مبدء الامر ۔ انت من ماءنا وهم من فشل ۔ ام یقولون نحن جمیع منتصر ۔ سیهزم الجمع و یولون الدبر ۔ الحمد لله الذی جعل لکم الصهر والنسب ۔ انذر قومک وقل انی نذیر مبین ۔ انا اخرجنالک زروعاً یا ابراهیم ۔ قالوا لنهلکنّک ۔ قال لاخوف علیکم لاغلبن انا ورسلی ۔ وانی مع الافواج اٰتیک بغتة ۔ وانی اموج موج البحر ۔ ان فضل الله لاٰت ولیس لاحد ان یرد ما اتٰی ۔ قل ای وربّی انه لحق لا یتبدّل ولا یخفٰی ۔ و ینزل ما تعجب منه وحی من ربّ السمٰوٰت العلٰی ۔ لا اله الّا هو یعلم کل شئ و یرٰی ۔ ان الله مع الذین اتقوا والذین هم یحسنون الحسنٰی ۔ تُفتّح لهم ابواب السماء ولهم بشرٰی فی الحیٰوة الدنیا ۔ انت تربی فی حجر النبی✠ و انت تسکن قنن الجبال ۔ و انی معک فی کل حال ۔ (ترجمہ) ہم نے احمد کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ تب لوگوں نے کہا کہ یہ کذاب ہے اور انہوں نے اس پر گواہیاں دیں اور سیلاب کی طرح اس پر گرے ۔ اس نے کہا کہ میرا دوست قریب ہے مگر پوشیدہ ۔ تجھے میری مدد آئے گی۔ مَیں رحمٰن ہوں ۔ تو قابلیت رکھتا ہے اس لئے تو ایک بزرگ بارش کو پائیگا ۔ مَیں ہر ایک

✠ بعض نادان کہتے ہیں کہ عربی میں کیوں الہام ہوتا ہے ۔ اس کا یہی جواب ہے کہ شاخ اپنی جڑ سے علیحدہ نہیں ہو سکتی ۔ جس حالت میں یہ عاجز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنارِ عاطفت میں پرورش پاتا ہے جیسا کہ براہین احمدیہ کا یہ الہام بھی اس پر گواہ ہے کہ تبارک من علّم وتعلّم ۔ بہت برکت والا وہ انسان ہے جس نے اس کو فیض روحانی سے مستفیض کیا ۔ یعنی سیّدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ۔ اور دوسرا بہت برکت والا یہ انسان ہے جس نے اس سے تعلیم پائی ۔ تو پھر جب معلّم اپنی زبان عربی رکھتا ہے ایسا ہی تعلیم پانے والے کا الہام بھی عربی میں چاہیئے تا مناسبت ضائع نہ ہو ۔ منہ

قوم میں سے گروہ کے گروہ تیری طرف بھیجوں گا۔ مَیں نے تیرے مکان کو روشن کیا۔ یہ اُس خدا کا کلام ہے جو عزیز اور رحیم ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ کیونکر ہم جانیں کہ یہ خدا کا کلام ہے تو ان کے لئے یہ علامت ہے کہ یہ کلام نشانوں کے ساتھ اُترا ہے۔ اور خدا ہرگز کافروں کو یہ موقعہ نہیں دیگا کہ مومنوں پر کوئی واقعی اعتراض کر سکیں۔ تو علم کا شہر ہے۔ طیب اور خدا کا مقبول۔ اور تو میرا سب سے بڑا نام ہے۔ تجھے ان دنوں میں خوشخبری ہو۔ اے ابراہیم تو مجھ سے ہے۔ تو خدا کے نفس پر قائم ہے۔ زندہ خدا کا مظہر اور تو مجھ سے امر مقصود کا مبدء ہے۔ اور تو ہمارے پانی سے ہے اور دوسرے لوگ فشل سے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک بڑی جماعت ہیں۔ انتقام لینے والی۔ یہ سب بھاگ جائیں گے اور پیٹھ پھیر لیں گے۔ وہ خدا قابلِ تعریف ہے جس نے تجھے دامادی اور آبائی عزت بخشی۔ اپنی قوم کو ڈرا اور کہہ کہ مَیں خدا کی طرف سے ڈرانے والا ہوں۔ ہم نے کئی کھیت تیرے لئے تیار کر رکھے ہیں۔ اے ابراہیم! اور لوگوں نے کہا کہ ہم تجھے ہلاک کرینگے مگر خدا نے اپنے بندہ کو کہا کہ کچھ خوف کی جگہ نہیں۔ مَیں اور میرے رسول غالب ہونگے۔ اور مَیں اپنی فوجوں کے ساتھ عنقریب آؤں گا۔ مَیں سمندر کی طرح موج زنی کرونگا۔ خدا کا فضل آنے والا ہے اور کوئی نہیں جو اس کو ردّ کر سکے۔ اور کہہ خدا کی قسم یہ بات سچ ہے۔ اِس میں تبدیلی نہیں ہوگی۔ اور نہ وہ چھپی رہے گی۔ اور وہ امر نازل ہوگا جس سے تو تعجب کرے گا۔ یہ خدا کی وحی ہے جو اونچے آسمانوں کا بنانے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ ہر ایک چیز کو جانتا اور دیکھتا ہے اور وہ خدا اُن کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور نیکی کو نیک طور پر ادا کرتے ہیں اور اپنے نیک عملوں کو خوبصورتی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ وہی ہیں جن کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے۔ اور دنیا کی زندگی میں بھی ان کو بشارتیں ہیں۔ تُو نبی کی کنارِ عاطفت میں پرورش پا رہا ہے۔ اور مَیں ہر حال میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور پھر فرمایا۔ وقالوا ان ھٰذا الّا اختلاق۔ ان ھٰذا الرجل یجوح الدین۔ قل جاء الحق و زھق الباطل۔ قل لوکان الامر من عند غیر اللّٰہ لوجدتم فیہ اختلافًا کثیرًا۔ ھو الذی ارسل

رسولہ بالھدیٰ و دین الحق وتھذیب الاخلاق۔ قل ان افتریتہٗ فعلیّ اجرامی۔ ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللّٰہ کذبًا۔ تنزیل من اللّٰہ العزیز الرحیم۔ لتنذر قومًا ما انذر اٰباءھم ولتدعو قومًا اٰخرین۔ عسی اللّٰہ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم مودۃ۔ یخرّون علی الاذقان سجدًا ربنا اغفرلنا انا کنا خاطئین۔ لاتثریب علیکم الیوم یغفراللّٰہ لکم وھو ارحم الراحمین۔ انی انا اللّٰہ فاعبدنی ولا تنسنی واجتھد ان تصلنی واسئل ربک وکن سئولا۔ اللّٰہ ولیّ حنّان۔ علّم القراٰن۔ فبایّ حدیث بعدہ تحکمون۔ نزّلنا علی ھٰذا العبد رحمۃً۔ وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الّا وحی یوحٰی۔ دنٰی فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنٰی۔ ذرنی والمکذبین۔ انی مع الرسول اقوم۔ ان یومی لفصل عظیم۔ وانک علٰی صراط مستقیم۔ واِمّا نرینّک بعض الذی نعدھم او نتوفّینک۔ وانی رافعک الیّ ویاتیک نصرتی۔ انی انا اللّٰہ ذوالسلطان۔ ص۲۴

(ترجمہ) اور کہتے ہیں کہ یہ بناوٹ ہے اور یہ شخص دین کی بیخ کنی کرتا ہے۔ کہہ حق آیا اور باطل بھاگ گیا۔ کہہ اگر یہ امر خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو تم اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔ یعنی خدا تعالیٰ کی کلام سے اس کے لئے کوئی تائید نہ ملتی۔ اور قرآن جو راہ بیان فرماتا ہے یہ راہ اس کے مخالف ہوتی اور قرآن سے اس کی تصدیق نہ ملتی۔ اور دلائل عقلیہ میں سے کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو سکتی اور اس میں ایک نظام اور ترتیب اور علمی سلسلہ اور دلائل کا ذخیرہ جو پایا جاتا ہے یہ ہرگز نہ ہوتا۔ اور آسمان اور زمین میں سے جو کچھ اس کے ساتھ نشان جمع ہو رہے ہیں ان میں سے کچھ بھی نہ ہوتا۔ اور پھر فرمایا خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا۔ ان کو کہہ دے کہ اگر میں نے افترا کیا ہے تو میرے پر اس کا جرم ہے یعنی میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ اور اس شخص سے زیادہ تر ظالم کون ہے جو خدا پر جھوٹ باندھے۔ یہ کلام خدا کی طرف سے ہے جو غالب اور رحیم ہے تا تو لوگوں کو ڈراوے جن کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے۔ اور تا دوسری قوموں کو دعوت دین

کرے عنقریب ہے کہ خدا تم میں اور تمہارے دشمنوں میں دوستی کر دے گا۔* اور تیرا خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ اُس روز وہ لوگ سجدہ میں گرینگے یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے خدا ہمارے گناہ معاف کر ہم خطا پر تھے۔ آج تم پر کوئی سرزنش نہیں خدا معاف کرے گا۔ اور وہ ارحم الراحمین ہے۔ میں خدا ہوں میری پرستش کر۔ اور میرے تک پہنچنے کے لئے کوشش کرتا رہ۔ اپنے خدا سے مانگتا رہ۔ اور بہت مانگنے والا ہو۔ خدا دوست اور مہربان ہے۔ اُس نے قرآن سکھلایا۔ پس تم قرآن کو چھوڑ کر کس حدیث پر چلو گے۔ ہم نے اس بندہ پر رحمت نازل کی ہے اور یہ اپنی طرف سے نہیں بولتا بلکہ جو کچھ تم سنتے ہو یہ خدا کی وحی ہے۔ یہ خدا کے قریب ہوا یعنی اوپر کی طرف گیا۔ اور پھر نیچے کی طرف تبلیغ حق کے لئے جُھکا۔ اس لئے یہ دو قوسوں کے وسط میں آگیا۔ اُوپر خدا اور نیچے مخلوق۔ مکذّبین کے لئے مجھ کو چھوڑ دے۔ میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہونگا۔ میرا دن بڑے فیصلے کا دن ہے۔ اور تو سیدھی راہ پر ہے اور جو کچھ ہم اُن کے لئے وعدہ کرتے ہیں ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کچھ تیری زندگی میں تجھ کو دکھلاویں اور یا تجھ کو وفات دیدیں۔ اور بعد میں وہ وعدے پورے کریں۔ اور میں تجھے اپنی طرف اُٹھاؤں گا۔ یعنی تیرا رفع الی اللہ دنیا پر ثابت کر دونگا۔ اور میری مدد تجھے پہنچے گی۔ میں ہوں وہ خدا جس کے نشان دلوں پر تسلّط کرتے ہیں اور ان کو قبضہ میں لے آتے ہیں۔

ان الہامات کے سلسلہ میں بعض **اردو الہام** بھی ہیں جن میں سے کسی قدر ذیل میں لکھے جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

ایک عزت کا خطاب۔ ایک عزّت کا خطاب۔ لک خطاب العزۃ۔ ایک

۲۵

---

* یہ تو غیر ممکن ہے کہ تمام لوگ مان لیں۔ کیونکہ بموجب آیت ولذالک خلقھم[1] اور بموجب آیت کریمہ وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الٰی یوم القیامۃ[2] سب کا ایمان لانا خلاف نص صریح ہے۔ پس اس جگہ سعید لوگ مراد ہیں۔ منہ

[1] ھود: ۱۲۰ [2] اٰل عمران: ۵۶

بڑا نشان اس کے ساتھ ہوگا۔ (عزّت کے خطاب سے مراد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اسباب پیدا ہو جائیں گے کہ اکثر لوگ پہچان لیں گے اور عزّت کا خطاب دینگے اور یہ تب ہوگا جب ایک نشان ظاہر ہو گا۔) اور پھر فرمایا۔ خدا نے ارادہ کیا ہے کہ تیرا نام بڑھاوے اور آفاق میں تیرے نام کی خوب چمک دکھاوے۔ میں اپنی چمکار دکھلاؤں گا۔ اور قدرت نمائی سے تجھے اٹھاؤں گا۔ آسمان سے کئی تخت اترے مگر سب سے اونچا تیرا تخت بچھایا گیا۔ دشمنوں سے ملاقات کرتے وقت فرشتوں نے تیری مدد کی۔ آپ کے ساتھ انگریزوں کا نرمی کے ساتھ ہاتھ تھا۔ اسی طرف خدا تعالیٰ تھا جو آپ تھے۔ آسمان پر دیکھنے والوں کو ایک رائی برابر غم نہیں ہوتا۔ یہ طریق اچھا نہیں اس سے روک دیا جائے مسلمانوں کے لیڈر عبد الکریم کو* خذوا الرفق الرفق فان الرفق راس الخیرات نرمی کرو نرمی کرو کہ تمام نیکیوں کا سر نرمی ہے۔ (اخویم مولوی عبد الکریم صاحب نے اپنی بیوی سے کسی قدر زبانی سختی کا برتاؤ کیا تھا اس پر حکم ہوا کہ اِس قدر سخت گوئی نہیں چاہیئے۔ حتی المقدور پہلا فرض مومن کا ہر ایک کے ساتھ نرمی اور حسن اخلاق ہے اور بعض اوقات تلخ الفاظ کا استعمال بطور تلخ دوا کے جائز ہے۔ اما بحکم ضرورت و بقدر ضرورت۔ نہ یہ کہ

* اس الہام میں تمام جماعت کیلئے تعلیم ہے کہ اپنی بیویوں سے رفق اور نرمی کے ساتھ پیش آویں وہ اُن کی کنیز کیں نہیں ہیں۔ درحقیقت نکاح مرد اور عورت کا باہم ایک معاہدہ ہے۔ پس کوشش کرو کہ اپنے معاہدہ میں دغاباز نہ ٹھیرو۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وعاشروھنّ بالمعروف[1] یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ نیک سلوک کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ اور حدیث میں ہے خیرکم خیرکم لاھلہ یعنی تم میں سے اچھا وہی ہے جو اپنی بیوی سے اچھا ہے۔ سو روحانی اور جسمانی طور پر اپنی بیویوں سے نیکی کرو۔ اُن کے لئے دعا کرتے رہو۔ اور طلاق سے پرہیز کرو۔ کیونکہ نہایت بد خدا کے نزدیک وہ شخص ہے جو طلاق دینے میں جلدی کرتا ہے جس کو خدا نے جوڑا ہے اس کو ایک گندے برتن کی طرح جلد مت توڑو۔ منہ

[1] النساء : ۲۰

سخت گوئی طبیعت پر غالب آجائے) خدا تیرے سب کام درست کر دیگا اور تیری ساری مُرادیں تجھے دے گا۔ رب الافواج اس طرف توجہ کرے گا۔ اگر مسیح ناصری کی طرف دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اسجگہ اُس سے برکات کم نہیں ہیں۔ اور مجھے آگ سے مت ڈراؤ کیونکہ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔ (یہ فقرہ بطور حکایت میری طرف سے خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے) اور پھر فرمایا۔ لوگ آئے اور دعویٰ کر بیٹھے۔ شیر خدا نے اُن کو پکڑا۔ شیر خدا نے فتح پائی۔ اور پھر فرمایا " بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیان بر منار بلند تر محکم افتاد[*]۔ پاک محمد مصطفےٰ نبیوں کا سردار۔ و روشن شد نشانہائے من۔ بڑا مبارک وہ دن ہو گا دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا " آمین

حاشیہ ۲۶

---

[*] اس فقرہ سے مراد کہ محمدیوں کا پَیر اونچے منار پر جا پڑا یہ ہے کہ تمام نبیوں کی پیشگوئیاں جو آخرالزمان کے مسیح موعود کیلئے تھیں جس کی نسبت یہود کا خیال تھا کہ ہم میں سے پیدا ہو گا اور عیسائیوں کا خیال تھا کہ ہم میں سے پیدا ہو گا۔ مگر وہ مسلمانوں میں سے پیدا ہوا۔ اس لئے بلند مینار عزت کا محمدیوں کے حصہ میں آیا۔ اور اسجگہ محمدی کہا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ اب تک صرف ظاہری قوت اور شوکت اسلام دیکھ رہے تھے جس کا اسم محمدؐ مظہر ہے۔ اب وہ لوگ بکثرت آسمانی نشان پائیں گے۔ جو اسم احمدؐ کے مظہر کو لازم حال ہے۔ کیونکہ اسم احمد انکسار اور فروتنی اور کمال درجہ کی محویت کو چاہتا ہے جو لازم حال حقیقت احمدیت اور حامدیت اور عاشقیت اور محبیت ہے اور حامدیت اور عاشقیت کے لازم حال صدور آیات تائیدیہ ہے۔ منہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

دینی جہاد کی ممانعت کا فتوےٰ مسیح موعود کی طرف سے

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اب آگیا مسیح جو دیں کا امام ✚ ہے
دیں کے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے

اب آسماں سے نورِ خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتوےٰ فضول ہے

✚ نوٹ :- (ایک زبردست الہام اور کشف) آج دو جون ۱۹۰۰ء کو بروز شنبہ بعد دوپہر دو بجے کے وقت مجھے تھوڑی سی غنودگی کے ساتھ ایک ورق جو نہایت سفید تھا دکھلایا گیا۔ اسکی آخری سطر میں لکھا تھا اقبال۔ میں خیال کرتا ہوں کہ آخر سطر میں یہ لفظ لکھنے سے انجام کی طرف اشارہ تھا یعنی انجام باقبال ہے۔ پھر ساتھ ہی یہ الہام ہوا۔ "قادر کے کاروبار نمودار ہوگئے۔ کافر جو کہتے تھے وہ گرفتار ہوگئے" اس کے یہ معنے مجھے سمجھائے گئے کہ عنقریب کچھ ایسے زبردست نشان ظاہر ہو جائینگے جس سے کافر کہنے والے جو مجھے کافر کہتے تھے الزام میں پھنس جائینگے اور خوب پکڑے جائیں گے اور کوئی گریز کی جگہ اُن کے لئے باقی نہیں رہے گی۔ یہ پیشگوئی ہے۔ ہر ایک پڑھنے والا اس کو یاد رکھے۔

اس کے بعد ۳ جون ۱۹۰۰ء کو بوقت ساڑھے گیارہ بجے یہ الہام ہوا۔ "کافر جو کہتے تھے وہ نگونسار ہوگئے۔ جتنے تھے سبھی سب ہی گرفتار ہوگئے۔" یعنی کافر کہنے والوں پر خدا کی حجت ایسی پوری ہو گئی کہ اُن کیلئے کوئی عذر کی جگہ نہ رہی۔ یہ آئندہ زمانہ کی خبر ہے کہ عنقریب ایسا ہوگا اور کوئی ایسی چمکتی ہوئی دلیل ظاہر ہو جائیگی کہ فیصلہ کر دے گی۔ منہ

۲۷ دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

کیوں چھوڑتے ہو لوگو نبی کی حدیث کو
جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اس خبیث کو

کیوں بھولتے ہو تم یضع الحرب کی خبر
کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر

فرما چکا ہے سیدِ کونین مصطفیٰ
عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا

جب آئے گا تو صلح کو وہ ساتھ لائے گا
جنگوں کے سلسلہ کو وہ یکسر مٹائے گا

پیویں گے ایک گھاٹ پہ شیر اور گوسپند
کھیلیں گے بچے سانپوں سے بے خوف و بے گزند

یعنی وہ وقت امن کا ہوگا نہ جنگ کا
بھولیں گے لوگ مشغلہ تیر و تفنگ کا

یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا
وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائے گا

اِک معجزہ کے طور سے یہ پیشگوئی ہے
کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

القصہ یہ مسیح کے آنے کا ہے نشاں
کر دے گا ختم آکے وہ دیں کی لڑائیاں

ظاہر ہیں خود نشاں کہ زماں وہ زماں نہیں
اب قوم میں ہماری وہ تاب و تواں نہیں

اب تم میں خود وہ قوت و طاقت نہیں رہی
وہ سلطنت وہ رعب وہ شوکت نہیں رہی

وہ نام وہ نمود وہ دولت نہیں رہی
وہ عزمِ مقبلانہ وہ ہمت نہیں رہی

وہ علم وہ صلاح وہ عفت نہیں رہی
وہ نور اور وہ چاند سی طلعت نہیں رہی

۲۸ وہ درد وہ گداز وہ رقت نہیں رہی
خلقِ خدا پہ شفقت و رحمت نہیں رہی

دل میں تمہارے یار کی الفت نہیں رہی
حالت تمہاری جاذبِ نصرت نہیں رہی

حمق آگیا ہے سر میں وہ فطنت نہیں رہی
کسل آگیا ہے دل میں جلادت نہیں رہی

وہ علم و معرفت وہ فراست نہیں رہی
وہ فکر وہ قیاس وہ حکمت نہیں رہی

دنیا و دیں میں کچھ بھی لیاقت نہیں رہی
اب تم کو غیر قوموں پہ سبقت نہیں رہی

وہ انس و شوق و وجد وہ طاعت نہیں رہی
ظلمت کی کچھ بھی حد و نہایت نہیں رہی

ہر وقت جھوٹ سچ کی تو عادت نہیں رہی
نورِ خدا کی کچھ بھی علامت نہیں رہی

سو سو ہے گند دل میں طہارت نہیں رہی
نیکی کے کام کرنے کی رغبت نہیں رہی

خوانِ تہی پڑا ہے وہ نعمت نہیں رہی
دیں بھی ہے ایک قشر حقیقت نہیں رہی

مولیٰ سے اپنے کچھ بھی محبت نہیں رہی
دل مرگئے ہیں نیکی کی قدرت نہیں رہی

سب پر یہ اِک بلا ہے کہ وحدت نہیں رہی
اِک پھوٹ پڑ رہی ہے مودّت نہیں رہی

تم مرگئے تمہاری وہ عظمت نہیں رہی
صورت بگڑ گئی ہے وہ صورت نہیں رہی

اب تم میں کیوں وہ سیف کی طاقت نہیں رہی
بھید اس میں ہے یہی کہ وہ حاجت نہیں رہی

اب کوئی تم پہ جبر نہیں غیر قوم سے
کرتی نہیں ہے منع صلوٰۃ اور صوم سے

ہاں آپ تم نے چھوڑ دیا دیں کی راہ کو
عادت میں اپنی کر لیا فسق و گناہ کو

اب زندگی تمہاری تو سب فاسقانہ ہے
مومن نہیں ہو تم کہ قدم کافرانہ ہے

اے قوم تم پہ یار کی اب وہ نظر نہیں
روتے رہو دعاؤں میں بھی وہ اثر نہیں

کیونکر ہو وہ نظر کہ تمہارے وہ دل نہیں
شیطاں کے ہیں خدا کے پیارے وہ دل نہیں

تقویٰ کے جامے جتنے تھے سب چاک ہوگئے
جتنے خیال دل میں تھے ناپاک ہوگئے

کچھ کچھ جو نیک مرد تھے وہ خاک ہوگئے
باقی جو تھے وہ ظالم و سفّاک ہوگئے

اب تم تو خود ہی موردِ خشمِ خدا ہوئے
اُس یار سے بشامتِ عصیاں جُدا ہوئے

اب غیروں سے لڑائی کے معنے ہی کیا ہوئے
تم خود ہی غیر بن کے محلِّ سزا ہوئے

سچ سچ کہو کہ تم میں امانت ہے اب کہاں
وہ صدق اور وہ دین و دیانت ہے اب کہاں

پھر جبکہ تم میں خود ہی وہ ایماں نہیں رہا
وہ نورِ مومنانہ وہ عرفاں نہیں رہا

پھر اپنے کفر کی خبر اے قوم لیجیئے
آیت علیکم انفسکم یاد کیجیئے

ایسا گماں کہ مہدیٔ خونی بھی آئے گا
اور کافروں کے قتل سے دیں کو بڑھائے گا

اے غافلو! یہ باتیں سراسر دروغ ہیں
بہتاں ہیں بے ثبوت ہیں اور بے فروغ ہیں

یارو جو مرد آنے کو تھا وہ تو آچکا
یہ راز تم کو شمس و قمر بھی بتا چکا

۲۹۵

اب سال سترہ بھی صدی سے گذر گئے
تم میں سے ہائے سوچنے والے کدھر گئے

تھوڑے نہیں نشاں جو دکھائے گئے تمہیں
کیا پاک راز تھے جو بتائے گئے تمہیں

پر تم نے اُن سے کچھ بھی اُٹھایا نہ فائدہ
مُنہ پھیر کر ہٹا دیا تم نے یہ مائدہ

بخلوں سے یارو باز بھی آؤ گے یا نہیں
خو اپنی پاک صاف بناؤ گے یا نہیں

باطل سے میل دل کی ہٹاؤ گے یا نہیں
حق کی طرف رجوع بھی لاؤ گے یا نہیں

اب عذر کیا ہے کچھ بھی بتاؤ گے یا نہیں
مخفی جو دل میں ہے وہ سُناؤ گے یا نہیں

آخر خدا کے پاس بھی جاؤ گے یا نہیں
اُس وقت اُس کو مُنہ بھی دکھاؤ گے یا نہیں

تم میں سے جس کو دین و دیانت سے ہے پیار
اب اُس کا فرض ہے کہ وہ دل کرکے اُستوار

لوگوں کو یہ بتائے کہ وقتِ مسیح ہے
اب جنگ اور جہاد حرام اور قبیح ہے

ہم اپنا فرض دوستو اب کر چکے ادا
اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائیگا خدا

عربی زبان میں ایک خط

اہلِ اسلام پنجاب اور ہندوستان اور عرب اور فارس وغیرہ ممالک کی طرف جہاد کی ممانعت کے بارے میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اعلموا ایہا المسلمون رحمکم اللہ ان اللّٰہ الذی تولی الاسلام۔ وکفل امورہ العظام۔ جعل دینہ ھٰذا وصلۃ الی حکمہ وعلومہ۔ ووضع المعارف فی ظاھرہٖ ومکتومہٖ۔ فمن الحکم التی اودع ھٰذا الدین لیزید ھدی المھتدین۔ ھو الجھاد الذی امر بہ فی صدر زمن الاسلام۔ ثم نھی عنہ فی ھٰذہ الایام۔ والسرّ فیہ انہ تعالٰی اذن للذین یقاتلون فی اول زمن الملّۃ دفعًا لصول الکفرۃ۔ وحفظا للدین ونفوس الصحبۃ ثم انقلب امر الزمان عند عھد الدولۃ البرطانیۃ۔ وحصل الامن✢ للمسلمین وما بقی حاجۃ السیوف والاسنۃ۔ فعند ذالک اثم المخالفون المجاھدین۔ وسلکوھم مسلک الظالمین السفاکین۔ ولبس اللہ علیھم سرّ الغزاۃ والغازین۔ فنظروا الی محاربات الدین کلھا بنظر الزرایۃ۔ ونسبوا کل من غزا الی الجبر والطغیان والغوایۃ۔

✢ نوٹ :۔ لاشک انا نعیش تحت ھٰذہ السلطنۃ البرطانیۃ بالحریۃ التامۃ وحفظت اموالنا ونفوسنا وملّتنا واعراضنا من ایدی الظالمین بحمایۃ ھٰذہ الدولۃ۔ فوجب علینا شکر من عمّنا بنوالہ۔ وسقانا کأس الراحۃ باثر خصالہ ووجب ان نری اعداءہ صقال العضب ونوقد لہ لا علیہ نار الغضب۔ منہ

فاقتضت مصالح الله ان یضع الحروب والجہاد ویرحم العباد وقد مضت سنتہ ھٰذہ فی شیع الاولین۔ فان بنی اسرائیل قد طعن فیھم لجہادھم من قبل فبعث الله المسیح فی اٰخر زمن موسٰی واری ان الزارین کانوا خاطئین۔ ثم بعثنی ربی فی اٰخر زمن نبینا المصطفٰی وجعل مقدار ھٰذا الزمن کمقدار زمن کان بین موسٰی وعیسٰی وان فی ذالک لاٰیة لقوم متفکرین۔ والمقصود من بعثی وبعث عیسٰی واحد وھو اصلاح الاخلاق ومنع الجہاد۔ وارأة الاٰیات لتقویة ایمان العباد۔ ولا شک ان وجوہ الجہاد معدومة فی ھٰذا الزمن وھٰذہ البلاد۔ فالیوم حرام علی المسلمین ان یحاربوا للدین۔ وان یقتلوا من کفر بالشرع المتین۔ فان الله صرح حرمة الجہاد عند زمان الامن والعافیة وندد الرسول الکریم بانہ من المناھی عند نزول المسیح فی الامة۔ ولا یخفی ان الزمان قد بدل احوالہ تبدیلا صریحًا وترک طورًا قبیحًا ولا یوجد فی ھٰذا الزمان ملک یظلم مسلمًا لاسلامہ۔ ولا حاکم یجور لدینہ فی احکامہ۔ فلاجل ذالک بدل الله حکمہ فی ھٰذا الاوان۔ ومنع ان یحارب للدین او تقتل نفس لاختلاف الادیان۔ وامر ان یتم المسلمون حججھم علی الکفار۔ ویضعوا البراھین موضع السیف البتار۔ ویتوردوا موارد البراھین البالغة ویعلوا تلک البراھین العالیة حتی تطأ اقدامھم کل اساس یقوم علیہ البرھان۔ ولا یفوتھم حجة تسبق الیہ الاذھان۔ ولا سلطان یرغب فیہ الزمان۔ ولا یبقی شبھة یولدھا الشیطان۔ وان یکونوا فی اتمام الحجج مستشفین۔ واراد ان یتصید شوارد الطبائع المتنفرة من مسئلة الجہاد۔ وینزل ماء الاٰی علی القلوب المجدبة کالعہاد۔ ویغسل وسخ الشبھات ودرن الوساوس وسوء الاعتقاد۔ فقدر للاسلام وقتا کاٰبان الربیع وھو وقت المسیح النازل من الرفیع۔ لیجری فیہ ماء الاٰیات کالینابیع۔ و یظھر صدق الاسلام۔ ویبین ان المتروزین کانوا کاذبین۔ وکان ذالک واجبًا

فی علم الله رب العالمين - ليعلم الناس ان تضوّع الاسلام وشيوعته
كان من الله لا من المحاربين - و انّى انا المسيح النازل من السماء - و
انّ وقتى وقت ازالة الظنون واراءة الاسلام كالشمس فى الضياء. ففكروا
ان كنتم عاقلين - وتردن ان الاسلام قد وقعت حِذته اديان كاذبة يسعٰى
لتصديقها - واعين كليلة يجاهد لتبريقها - وان اهلها اخذوا طريق الرفق
والحلم فى دعواتهم واروا التواضع والذل عند ملاقاتهم - وقالوا ان الاسلام
اولغ فى الابدان المدى ليبلغ القوة والعلى - وانا ندعوا الخلق متوا ضعين.
فرأى الله كيدهم من السماء وما اريد من البهتان والازدراء والافتراء. فجلّى
مطلع هٰذا الدين بنور البرهان - وارى الخلق انه هو القائم والشايع
بنور ربّه لا بالسيف والسنان - ومنع ان يقاتل فى هذا الحين - وهو حكيم
يعلّمنا ارتضاع كأس الحكمة والعرفان - ولا يفعل فعلا ليس من مصالح
الوقت والأوان - ويرحم عباده ويحفظ القلوب من الصداء والطبائع من
الطغيان - فانزل مسيحه الموعود والمهدى المعهود - ليعصم قلوب الناس
من وساوس الشيطان وتجارتهم من الخسران - وليجعل المسلمين كرجل هيمن
ما اصطفاه - واصاب ما اصباه - فثبت ان الاسلام لا يستعمل السيف والسهم
عند الدعوة - ولا يضرب الصعدة ولكن يأتى بدلائل تحكى الصعدة فى اعدام
الفرية - وكانت الحاجة قد اشتدت فى زمننا لرفع الالتباس - ليعلم الناس
حقيقة الامر ويعرفوا السرّ كالاكياس - والاسلام مشرب قد احتوى كل نوع
حفارة - والقرآن كتاب جمع كل حلاوة وطلاوة - ولكن الاعداء لا يرون
من الظلم والضيم - وينسابون انسياب الايم - مع ان الاسلام دين خصه
الله بهٰذه الاثرة - وفيه بركات لا يبلغها احد من الملة - وكان الاسلام فى

هٰذا الزمان کمثل معصوم اُثّم وظلم بانواع البهتان۔ وطالت الالسنة علیه و صالوا علٰی حریمه۔ وقالوا مذهب کان قتل الناس خلاصة تعلیمه۔ فبُعثت لیجد الناس ما فقدوا من السعادة الجد۔ و لیخلصوا من الخصم الالدّ۔ و انی ظهرت برقٍ فی الارض وحلل بارقة فی السماء۔ فقیر فی الغبراء وسلطان فی الخضراء۔ فطوبٰی للذی عرفنی او عرف من عرفنی من الاصدقاء وجئتُ اهل الدنیا ضعیفًا نحیفًا کنحافة الصب۔ وغرض القذف والشتم والسبّ۔ ولٰکننی کمیّ قوی فی العالم الاعلٰی۔ ولی عضب مذرب فی الافلاک وملک لایبلٰی۔ وحسام یضاهی البرق صقاله۔ ویمزّق الکذب قتاله۔ ولی صورة فی السماء لایراها الانسان۔ ولا تدرکها العینان۔ وانّنی من اعاجیب الزمان۔ وانی طهّرت وبُدّلت وبُعّدت من العصیان۔ وکذالک یطهّر ویبدّل من احبّنی وجاء بصدق الجنان۔ وان انفاسی هٰذه تریاق سم الخطیّات وسدّ مانع من سوق الخطرات الٰی سوق الشبهات۔ ولایمتنع من الفسق عبدٌ ابدًا الا الذی احبّ حبیب الرحمان۔ او ذهب منه الاطیبان۔ وعطف الشیب شطاطه بعد ما کان کقضیب البان۔ ومن عرف الله او عرف عبده فلا یبقی فیه شیٔ من الحدّ والسنان۔ وینکسر جناحه ولا یبقی بطش فی الکف والبنان۔ ومن خواص اهل النظر انهم یجعلون الحجر کالعقیان۔ فانهم قومٌ لا یشقٰی جلیسهم ولا یرجع رفیقهم بالحرمان۔ فالحمد للّٰه علٰی منّته انه هو المنان۔ ذو الفضل والاحسان۔ واعلموا انی انا المسیح۔ و فی برکات اسیح۔ وکل یوم یزید البرکات ویزداد الاٰیات۔ والنور یبرق علٰی بابی۔ ویأتی زمان یتبرک الملوک فیه اثوابی۔ و ذالک الزمان زمان قریب۔ ولیس من القادر بعجیب +

ﷺ

الاختبار اللطیف لمن کان یعدل او یحیف

ایھا الناس ان کنتم فی شک من امری ۔ ومما اوحی الیّ من ربی۔ فناضلونی فی انباء الغیب من حضرۃ الکبریاء ۔ وان لم تقبلوا ففی استجابۃ الدعاء ۔ و ان لم تقبلوا ففی تفسیر القرآن فی اللسان العربیۃ ۔ مع کمال الفصاحۃ ورعایۃ الملح الادبیۃ ۔ فمن غلب منکم بعد ما ساق ھٰذا المساق ۔ فھو خیر منی ولا مراء ولا شقاق ۔ ثم ان کنتم تُعرضون عن الامرین الاوّلین وتعتذرون وتقولون انا ما اعطینا عین رؤیۃ الغیب ولا من قدرۃ علٰی اجراء تلک العین ۔ فصارعونی فی فصاحۃ البیان مع التزام بیان معارف القرآن واختاروا مستحب نظم الکلام ۔ ولتسعبوا ولا ترھبوا ان کنتم من الادباء الکرام ۔ وبعد ذالک ینظر الناظرون فی تفاضل الانشاء ۔ ویحمدون من یستحق الاحماد والابراد ویلعنون من لعن من السماء ۔ فھل فیکم فارس ھٰذا المیدان ۔ ومالک ذالک البستان ۔ وان کنتم لاتقدرون علی البیان ۔ ولاتکفون حصائد اللسان ۔ فلستم علی شیٔ من الصدق والسداد ولیس فیکم الامادۃ الفساد ۔ اتحمون وطیس الجدال ۔ مع ھٰذہ البرودۃ والجمود والجھل والکلال ۔ موتوا فی غدیر ۔ او بارزونی کقدیر ۔ واروفی عینکم ولا تمشوا کضریر ۔ واتقوا عذاب ملک خبیر ۔ واذکروا اخذ علیم وبصیر ۔ وان لم تنتھوا فیاتی زمان تحضرون عند جلیل کبیر ثم تذوقون ما یذوق المجرمون فی حصیر ۔ وان کنتم تدّعون المھارۃ فی طرق الاشرار ۔ ومکائد الکفار ۔ فکیدوا کل کید الی قوۃ الاظفار ۔ وقلّبوا امری ان کان عندکم ذرّۃ من الاقتدار ۔ واحکموا تدبیرکم دعا قبوا دبیرکم ۔ واجمعوا کبیرکم

وصغیرکم واستعملوا دقاریرکم۔ وادعوا لهذا الامر مشاهیرکم۔ وکل من کان من المحتالین۔ واسجدوا علی عتبة کل قریع زمن وجابر زمن یمدّکم بالمال والعقیان ثم انهضوا بذالك المال وهدّمونی من البنیان ان کنتم علی هدّ هیکل الله قادرین۔ واعلموا ان الله یخزیکم عند قصد الشرّ۔ ویحفظنی من الضرّ۔ ویتم امرہ وینصر عبدہ ولا تضرونه شیئًا ولا تموتون حتی یریکم ما اری من قبلکم کل من عاد اولیاءہ من النبیین والمرسلین والمامورین واٰخر امرنا نصر من الله وفتح مبین۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد لله رب العالمین۔

المشتهر مرزا غلام احمد مسیح موعود از قادیان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نحمدہٗ ونصلّی

بجواب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی

اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ثُمَّ کَفَرْتُمْ بِہٖ[1]

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ[2]

ناظرین کو یاد ہو گا کہ مَیں نے اپنے اشتہار مورخہ ۲۰؍ جولائی ۱۹۰۰ء میں پیر مہر علی صاحب گولڑوی کو اس بنا پر ایک اعجازی مقابلہ کی دعوت کی تھی کہ اگر وہ دوسرے علماء پنجاب اور ہندوستان کی طرح میرے دعویٰ کے مکذّب ہیں اور میری وہ تیس[3] سے زیادہ کتابیں جو مَیں نے اپنے دعویٰ کے اثبات میں تالیف کرکے ملک میں شائع کی ہیں وہ ثبوت اُن کے لئے کافی نہیں ہے اور نیز وہ تمام مناظرات اور مباحثات جو اُن کے ہم عقیدہ علماء سے آج تک ہوتے رہے وہ بھی اُن کے نزدیک نظری ہیں تو اب آخری فیصلہ یہ ہے کہ وہ سنّتِ قدیمہ اکابر اسلام کے رُو سے اس طرح پر ایک مباہلہ کی صورت* پر مجھ سے مقابلہ کرلیں کہ قرآن شریف کی چالیس آیتیں قرعہ اندازی کے ذریعہ سے نکال کر اور یہ دُعا کرکے کہ جو شخص حق پر ہے اُس کو اِس

* اس قسم کا مقابلہ گو حقیقی طور پر مباہلہ نہیں کیونکہ اس میں لعنت نہیں اور کسی کے لئے عذاب کی درخواست نہیں۔ اِسی لئے ہم نے اس کا نام اعجازی مقابلہ رکھا۔ تاہم مباہلہ کے اغراض نرم طور پر اس میں موجود ہیں جو خدا کے فیصلہ کے لئے کافی ہیں۔ منہ

[1] حٰمٓ سجدۃ: ۵۳ [2] الانعام: ۲۲

مقابلہ میں فوری عزت حاصل ہو۔اور جو ناحق پر ہے اس کو فوری خذلان نصیب ہو۔ اور پھر آمین کہکر دونوں فریق یعنی مَیں اور پیر مہر علی شاہ صاحب زبان عربی فصیح اور بلیغ میں اُن چالیس آیات کی تفسیر لکھیں جو بیس ورق سے کم نہ ہو۔ اور جو شخص ہم دونوں میں سے فصاحتِ زبان عربی اور معارف قرآنی کے رُو سے غالب رہے وہی حق پر سمجھا جائے۔ اور اگر پیر صاحب موصوف اس مقابلہ سے کنارہ کش ہوں تو دوسرے مولوی صاحبان مقابلہ کریں بشرطیکہ چالیس سے کم نہ ہوں۔ تا عام لوگوں پر اُن کے مغلوب ہونے کا کچھ اثر پڑ سکے اور اُن کی وقعت گھٹانے کی گنجائش کم ہو جائے لیکن افسوس بلکہ ہزار افسوس کہ پیر مہر علی شاہ صاحب نے میری اس دعوت کو جس سے مسنون طور پر حق کھلتا تھا اور خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے فیصلہ ہو جاتا تھا ایسے صریح ظلم سے ٹال دیا ہے جس کو بجز ہٹ دھرمی کچھ نہیں کہہ سکتے اور ایک اشتہار شائع کیا کہ ہم اوّل نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کے رد سے بحث کرنے کے لئے حاضر ہیں اس میں اگر تم مغلوب ہو تو ہماری بیعت کر لو۔ اور پھر بعد اس کے ہمیں وہ اعجازی مقابلہ بھی منظور ہے۔ اب ناظرین سوچ لیں کہ اس جگہ کس قدر جھوٹ اور فریب سے کام لیا گیا ہے کیونکہ جبکہ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کے رُو سے مغلوب ہونے کی حالت میں میرے لئے بیعت کرنے کا حکم لگایا گیا ہے تو پھر مجھے اعجازی مقابلہ کے لئے کونسا موقع دیا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ غالب ہونے کی حالت میں تو مجھے خود ضرورت اعجازی مقابلہ کی باقی نہیں رہے گی۔ اور مغلوب ہونے کی حالت میں بیعت کرنے کا حکم میری نسبت صادر کیا گیا۔ اب ناظرین بتلادیں کہ جس مقابلہ اعجازی کے لئے مَیں نے بلایا تھا اس کا موقع کونسا رہا۔ پس یہ کس قدر فریب ہے کہ پیر جی صاحب نے پیر کہلا کر اپنی جان بچانے کے لئے اس کو استعمال کیا ہے، پھر اس پر ایک اور جھوٹ یہ ہے کہ آپ اپنے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ ہم نے آپ کی دعوت کو منظور کر لیا ہے۔ ناظرین انصاف کریں کہ کیا یہی طریق منظوری ہے جو انہوں نے پیش کیا ہے؟ منظوری تو اس حالت میں ہوتی کہ وہ بغیر کسی حیلہ بازی کے میری درخواست کو منظور

کر لیتے۔ مگر جبکہ آپ نے ایک اور درخواست پیش کر دی اور یہ لکھ دیا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ قرآن اور حدیث کے رُو سے مباحثہ ہو۔ اور اگر منصف لوگ جو اُنہی کی جماعت میں سے ہونگے یہ رائے ظاہر کریں کہ پیر صاحب اس مباحثہ میں غالب رہے تو پھر بیعت کر لو۔ اب بتلاؤ کہ جب منقولی مباحثہ پھر ہی بیعت تک نوبت پہنچ گئی۔ تو میری درخواست کے منظور کرنے کے کیا معنے ہوئے۔ وہ تو بات ہی معرض التوا میں رہی۔ کیا اسی کو منظوری کہتے ہیں؟ کیا مَیں پیر صاحب کا مرید بن کر پھر تفسیر لکھنے میں انکا مقابلہ بھی کرونگا یا غالب ہونے کی حالت میں میرا حق نہیں ہوگا کہ مَیں اُن سے بیعت لوں۔ اور میرے لئے پھر اعجازی مقابلہ کی ضرورت رہے گی مگر اُن کے لئے نہیں۔ اور پھر قابل شرم دھوکا جو اس اشتہار میں دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ بیان نہیں کیا گیا کہ ہماری اس دعوت سے اصل غرض کیا تھی۔ ابھی مَیں بیان کر چکا ہوں۔ کہ اصل غرض اس اشتہار سے یہ تھی کہ جب کہ نقلی مباحثات سے مخالف علماء راہ راست پر نہیں آئے اور ان مباحثات کے ہوتے ہوئے بھی دس سال سے کچھ زیادہ گذر گئے اور اس عرصہ میں مَیں نے چھتیس[۳۶] کتابیں تالیف کر کے قوم میں شائع کیں اور ایک سو سے زیادہ اشتہار شائع کیا اور ان تمام تحریروں کی پچاس ہزار سے زیادہ کاپی ملک میں پھیلائی گئی اور نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ سے اعلیٰ درجہ کا ثبوت دیا گیا لیکن ان تمام دلائل اور مباحثات سے انہوں نے کچھ بھی فائدہ نہ اٹھایا تو آخر خدا تعالیٰ سے امر پا کر سنّت انبیاء علیہم السلام یہ علاج اس میں دیکھا کہ ایک فوری مباہلہ کے رنگ میں اعجازی مقابلہ کیا جائے۔ لیکن اب پیر صاحب مجھے اسی پہلے مقام کی طرف کھینچتے ہیں اور اسی سوراخ میں پھر میرا ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں جس میں بجز سانپوں کے مَیں نے کچھ نہیں پایا اور جس کی نسبت میں اپنی کتاب انجام آتھم میں مولویوں کی سخت دلی کو دیکھکر تحریری وعدہ کر چکا ہوں کہ آئندہ ہم ان کے ساتھ مباحثات مذکورہ نہیں کرینگے پیر صاحب نے کسی جگہ ہاتھ پڑتا نہ دیکھکر اس غریق کی طرح جو گھاس پات پر ہاتھ مارتا ہے مباحثہ کا بہانہ پیش کر دیا۔ یہ خیال میری نسبت کر کے کہ اگر وہ مباحثہ نہیں

کرینگے تو ہم عوام میں فتح کا نقارہ بجائیں گے۔ اور اگر مباحثہ کرینگے تو کہدینگے کہ اس شخص نے خدا تعالیٰ کے ساتھ عہد کرکے پھر توڑا۔ ہم پیر صاحب سے فتویٰ پوچھتے ہیں کہ کیا آپ اپنے نفس کے لئے یہ جائز رکھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے ساتھ عہد کرکے پھر توڑ دیں؟ پھر ہم سے آپ نے کیونکر توقع رکھی؟ اور اب منقولی مباحثات کی حاجت ہی کیا تھی؟ خدا تعالیٰ کے کلام سے حضرت مسیح کا فوت ہونا ثابت ہوگیا۔ ایماندار کے لئے صرف ایک آیت فلمّا توفّیتنی اس بات پر دلیل کافی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے کیونکہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کے تیئیس مقامات میں لفظ توفّی کو قبض رُوح کے موقعہ پر استعمال کیا۔ اوّل سے آخر تک قرآن شریف میں کسی جگہ لفظ توفی کا ایسا نہیں جس کے بجز قبض روح اور مارنے کے اَور معنے ہوں۔ اور پھر ثبوت پر ثبوت یہ کہ صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے متوفیک کے معنے ممیتک لکھے ہیں۔ ایسا ہی تفسیر فوز الکبیر میں بھی یہی معنے مندرج ہیں۔ اور کتاب عینی تفسیر بخاری میں اس قول کا اسناد بیان کیا ہے۔ اب اس نص قطعی سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کے بگڑنے سے پہلے ضرور مرچکے ہیں۔ اور احادیث میں جہاں کہیں توفی کا لفظ کسی صیغہ میں آیا ہے اس کے معنے مارنا ہی آیا ہے جیسا کہ محدثین پر پوشیدہ نہیں اور علم لغت میں یہ مسلّم اور مقبول اور متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جہاں خدا فاعل اور انسان مفعول بہ ہے وہاں بجز مارنے کے اور کوئی معنے توفی کے نہیں آتے۔ تمام دواوین عرب اس پر گواہ ہیں۔ اب اس سے زیادہ ترک انصاف کیا ہوگا کہ قرآن بلند آواز سے فرما رہا ہے کوئی نہیں سُنتا۔ حدیث گواہی دے رہی ہے کوئی پروا نہیں کرتا۔ علم لغت عرب شہادت ادا کر رہا ہے کوئی اس کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ دواوین عرب اس لفظ کے محاورات بتلا رہے ہیں کسی کے کان کھڑے نہیں ہوتے۔ پھر قرآن شریف میں صرف یہی آیت تو نہیں کہ حضرت مسیح کی موت پر دلالت کرتی ہے۔ تیس۳۰ آیتیں جن کا ذکر ازالہ اوہام میں موجود ہے یہی گواہی دیتی ہیں جیسا کہ آیت فیھا تحیون[1] یعنی زمین پر ہی تم زندگی بسر کروگے

[1] الاعراف : ۲۶

اب دیکھو اگر کوئی آسمان پر جا کر بھی کچھ حصہ زندگی کا بسر کرسکتا ہے تو اس سے اس آیت کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اسی کی مؤید یہی دوسری آیت کہ ولکم فی الارض مستقر[1] یعنی تمہارا قرارگاہ زمین ہی رہے گی۔ اب اس سے زیادہ خدا تعالیٰ کیا بیان فرماتا؟ پھر ایک اور آیت حضرت عیسٰی کی موت پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کانا یاکلان الطعام[2] یعنی حضرت مسیح اور حضرت مریم جب زندہ تھے تو روٹی کھایا کرتے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر ترکِ طعام کی دو وجہیں ہوتیں تو اللہ تعالیٰ اس کا ذکر علیحدہ علیحدہ کر دیتا کہ مریم تو بوجہ فوت ہونے کے طعام سے مہجور ہوگئی اور عیسٰی کسی اور وجہ سے کھانا چھوڑ بیٹھا بلکہ دونوں کو ایک ہی آیت میں شامل کرنا اتحاد امرواقعہ پر دلیل ہے تا معلوم ہو کہ دونوں مرگئے۔ پھر ایک اور آیت حضرت عیسٰی کی موت پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت حیًا[3] یعنی خدا نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں نماز پڑھتا رہوں اور زکوٰۃ دوں۔ اب بتلاؤ کہ آسمان پر وہ زکوٰۃ کس کو دیتے ہیں؟ اور پھر ایک اور آیت ہے جو بڑی صراحت سے حضرت عیسٰی کی موت پر دلالت کر رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اموات غیر احیاء[4] یعنی جسقدر باطل معبودوں کی لوگ زمانۂ حال میں پرستش کر رہے ہیں۔ وہ سب مرچکے ہیں اُن میں سے کوئی زندہ باقی نہیں۔ اب بتلاؤ کیا اب بھی کچھ خدا کا خوف پیدا ہوا یا نہیں؟ یا نعوذ باللہ خدا نے غلطی کی جو سب باطل معبودوں کو مُردہ قرار دیا۔ اور پھر ان سب کے بعد وہ عظیم الشان آیت ہے جس پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا۔ اور ایک لاکھ سے زیادہ صحابی نے اس بات کو مان لیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور کل گذشتہ نبی فوت ہو چکے ہیں اور وہ یہ آیت ہے۔ وما محمدٌ الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم[5]۔ اسجگہ خلت کے معنے خدا تعالیٰ نے آپ فرما دیئے کہ موت یا قتل۔ پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے محل استدلال میں جمیع انبیائے گذشتہ کی موت پر اس آیت کو پیش کرکے

[1] البقرۃ : ۳۷ [2] المائدۃ : ۷۶ [3] مریم : ۳۲ [4] النحل : ۲۲ [5] اٰل عمران : ۱۴۵

اور صحابہ نے ترک مقابلہ اور تسلیم کا طریق اختیار کر کے ثابت کر دیا کہ یہ آیت موت مسیح اور تمام گذشتہ انبیاء علیہم السلام پر قطعی دلیل ہے اور اس پر تمام اصحاب رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا ایک فرد بھی باہر نہ رہا۔ جیسا کہ مَیں نے اس بات کو مفصّل طور پر رسالہ تحفہ غزنویہ میں لکھ دیا ہے پھر اس کے بعد تیرہ سو برس تک کبھی کسی مجتہد اور مقبول امام پیشوائے انام نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ حضرت مسیح زندہ ہیں۔ بلکہ امام مالک نے صاف شہادت دی کہ فوت ہو گئے ہیں۔ اور امام ابن حزم نے صاف شہادت دی کہ فوت ہو گئے ہیں اور تمام کامل مکمل ملہمین میں سے کبھی کسی نے یہ الہام نہ سُنایا کہ خدا کا یہ کلام میرے پر نازل ہوا ہے کہ عیسیٰ بن مریم برخلاف تمام نبیوں کے زندہ آسمان پر موجود ہے۔ الغرض جبکہ مَیں نے نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ اور اقوال آئمہ اربعہ اور وحی اولیائے اُمت محمدیہ اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم میں بجز موت مسیح کے اور کچھ نہ پایا تو بنظرِ تکمیل لوازم تقویٰ انبیائے سابقین علیہم السلام کے قصص کی طرف دیکھا کہ کیا قرون گذشتہ میں اس کی کوئی نظیر بھی موجود ہے کہ کوئی آسمان پر چلا گیا ہو اور دوبارہ واپس آیا ہو۔ تو معلوم ہُوا کہ حضرت آدم سے لیکر اس وقت تک کوئی نظیر نہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف بھی آیت قل سبحان ربّی ہل کنت الّا بشرًا رسولًا[1] میں اسی کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔ یعنی جب کفار بدبخت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اقتراحی معجزہ مانگا کہ ہم تب تجھے قبول کرینگے کہ جب ہمارے دیکھتے دیکھتے آسمان پر چڑھ جائے اور دیکھتے دیکھتے اُتر آوے۔ تو آپ کو حکم آیا کہ قل سبحان ربّی ہل کنت الّا بشرًا رسولًا[1] یعنی ان کو کہدے کہ میرا خدا اس بات سے پاک ہے کہ اپنی سنّتِ قدیمہ اور دائمی قانونِ قدرت کے برخلاف کوئی بات کرے۔ مَیں تو صرف رسول اور انسان ہوں اور جسقدر رسول دنیا میں آئے ہیں اُن میں سے کسی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہیں ہوئی کہ اس کو بجسم عنصری آسمان پر لے گیا ہو۔ اور پھر آسمان سے اتارا ہو۔ اور اگر عادت ہے تو تم خود ہی اس کا ثبوت دو کہ فلاں نبی بجسم عنصری آسمان پر اٹھایا گیا تھا اور پھر اتارا گیا۔ تب مَیں بھی آسمان پر جاؤنگا اور تمہارے روبرو اُترونگا۔

[1] بنی اسرائیل : ۹۴

اور اگر کوئی نظیر تمہارے پاس نہیں تو پھر کیوں ایسے امر کی نسبت مجھ سے تقاضا کرتے ہو جو رسولوں کے ساتھ سنّت اللہ نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ سکھلایا ہوا ہوتا کہ حضرت مسیح زندہ بجسمہ العنصری آسمان پر چلے گئے ہیں تو ضرور وہ اس وقت اعتراض کرتے اور کہتے کہ یا حضرت آپ کیوں آسمان پر کسی رسول کا بجسم عنصری جانا سنت اللہ کے برخلاف بیان فرماتے ہیں حالانکہ آپ ہی نے تو ہمیں بتلایا تھا کہ حضرت مسیح آسمان پر زندہ بجسمہ العنصری چلے گئے ہیں۔ ایسا ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کسی نے اعتراض نہ کیا کہ قرآن میں کیوں تحریف کرتے ہو تمام گذشتہ انبیاء کہاں فوت ہوئے ہیں۔ اور اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اُسوقت عذر کرتے کہ نہیں صاحب میرا منشاء تمام انبیاء کا فوت ہونا تو نہیں ہے مَیں تو بدل اس پر ایمان رکھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ بجسمہ العنصری آسمان پر چڑھ گئے ہیں۔ اور کسی وقت اُتریں گے تو صحابہ جواب دیتے کہ اگر آپ کا یہی اعتقاد ہے تو پھر آپ نے اس آیت کو پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیالات کا ردّ کیا کیا؟ کیا آپ کے کان بہرے ہیں کیا آپ سُنتے نہیں کہ عمر بلند آواز سے کیا کہہ رہا ہے؟ حضرت وہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم مرے نہیں زندہ ہیں۔ اور پھر دنیا میں آئیں گے۔ اور منافقوں کو قتل کریں گے اور وہ آسمان کی طرف ایسا ہی زندہ اٹھائے گئے ہیں جیسے کہ عیسیٰ بن مریم اٹھایا گیا تھا۔ آپ نے آیت تو پڑھ لی مگر اس آیت میں اس خیال کا ردّ کہاں ہے۔ لیکن صحابہ جو عقلمند اور زیرک اور پاک نبی کے ہاتھ سے صاف کئے گئے تھے اور عربی تو اُن کی مادری زبان تھی اور کوئی تعصب درمیان نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے آیت موصوفہ بالا کے سُنتے ہی سمجھ لیا کہ خلت کے معنے موت ہیں۔ جیسا کہ خود خدا تعالیٰ نے فقرہ افائن مات او قتل[1] میں تشریح کر دی ہے۔ اس لئے انہوں نے بلا توقف اپنے خیالات سے رجوع کر لیا۔ اور ذوق میں آکر اور آنحضرت کے فراق کے درد سے بھر کر بعض نے اس مضمون کو ادا کرنے کے لئے شعر بھی بنائے۔ جیسا کہ حسّان بن ثابت نے بطور مرثیہ یہ دو بیت کہے ؎

[1] آل عمران : ۱۴۵

کنت السواد لناظری فعمی علیک الناظر ۔ من شاء بعدک فلیمت فعلیک کنت احاذر
یعنی اے میرے پیارے نبی! تُو تو میری آنکھوں کی پتلی تھی اور میرے دیدوں کا نور تھا۔ پس
مَیں تو تیرے مرنے سے اندھا ہوگیا۔ اب تیرے بعد میں دوسروں کی موت کا کیا غم کروں۔
عیسٰی مرے یا موسیٰ مرے۔ کوئی مرے مجھے تو تیرا ہی غم تھا۔ دیکھو عشق و محبت اسے کہتے ہیں
جب صحابہ کو معلوم ہوگیا کہ وہ نبی افضل الانبیاء جن کی زندگی کی اشد ضرورت تھی عمر طبعی
سے پہلے ہی فوت ہوگئے تو وہ اس کلمہ سے سخت بیزار ہوگئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
تو مر جائیں مگر کسی دوسرے کو زندہ رسول کہا جائے۔ افسوس ہے آجکل کے مسلمانوں پر کہ پادریوں
کے ہاتھ سے اس بحث میں سخت ذلیل بھی ہوتے ہیں اور لاجواب اور کھسیانے ہو کر بحث کو
ترک بھی کر دیتے ہیں مگر اس عقیدہ سے باز نہیں آتے کہ زندہ رسول فقط عیسٰی علیہ السلام ہے
جو آسمان کے تخت پر بیٹھا ہوا دوبارہ آنے سے محمدی ختمِ نبوت کو داغ لگانا چاہتا ہے۔
افسوس کہ یہ علماء اس بات کو خوب سمجھتے ہیں کہ حضرت سید الرسل و سید الانبیاء صلی اللہ
علیہ وسلم کو ایک مردہ رسول قرار دینا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ایک زندہ رسول ماننا اس
میں جناب خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی بڑی ہتک ہے اور یہی وہ جھوٹا عقیدہ ہے جس کی
شامت کی وجہ سے کئی لاکھ مسلمان اس زمانہ میں مرتد ہو چکے ہیں اور اصطباغ لئے ہوئے
گرجاؤں میں بیٹھے ہوئے ہیں مگر پھر بھی یہ لوگ اس باطل عقیدہ سے باز نہیں آتے۔ بلکہ
میری مخالفت کی وجہ سے اَور بھی اس میں اصرار کرتے اور حد سے بڑھتے جاتے ہیں۔ بلکہ
بعض نابکار مولوی یہ بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عیسٰی مسیح سے نسبت ہی
کیا ہے وہ تو از قسم ملائکہ تھا نہ انسان۔ اور صاف اور صریح اور روشن دلائل حضرت مسیح
کی موت پر پیش کئے گئے ان کو میرے بغض سے مانتے نہیں۔ اور ان کی اُس ہندو کی مثال
ہے کہ ایک ایسے موقع پر جہاں صرف مسلمان رہتے تھے سخت بھوکا اور قریب الموت ہوگیا
مگر مسلمانوں کے کھانے جو نہایت نفیس اور لذیذ موجود تھے جن کو اُس ہندو کے کبھی باپ دادے

بھی نہیں دیکھا تھا ان میں سے کچھ نہ کھایا یہاں تک کہ بھوک سے مرگیا۔ اور اس لئے نہ کھایا کہ مسلمانوں کے ہاتھ اُن کھانوں سے چُھو گئے تھے۔ اسی طرح ان لوگوں کا حال ہے کہ جن دلائل قاطعہ کو اُن کے خیال میں میرے ہاتھوں نے چُھوا اُن سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے۔ مگر میں بار بار کہتا ہوں کہ ہندو مت بنو۔ یہ دلائل میرے نہیں ہیں اور نہ میرے ہاتھ ان کو چھوئے ہیں بلکہ یہ تو سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ شوق سے ان کو استعمال کرو۔ دیکھو کس قدر نصوص قرآنیہ حضرت مسیح کی وفات پر گواہی دے رہے ہیں۔ نصوص حدیثیہ گواہی دے رہے ہیں۔ صحابہ کا اجماع گواہی دے رہا ہے۔ ائمہ اربعہ کی شہادت گواہی دے رہی ہے۔ سنّتِ قدیمہ جو مؤید بآیت لن تجد لسنّة الله تبديلًا[1] ہے گواہی دے رہی ہے پھر بھی اگر نہ مانو تو سخت بدنصیبی ہے۔ قرآن اور حدیث اور اجماع صحابہ اور نظیر سنّتِ قدیمہ کے بعد کونسا شک باقی ہے۔ افسوس یہ بھی نہیں سوچتے کہ دوبارہ نزول کا مقدمہ حضرت مسیح کی عدالت سے پہلے فیصلہ پاچکا ہے اور ڈگری ہماری تائید میں ہوئی ہے۔ اور حضرت مسیح نے یہودیوں کے اس خیال کو کہ ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں آئیگا ردّ کر دیا ہے۔ اور مجاز اور استعارہ کے طور پر اس پیشگوئی کو قرار دے دیا ہے اور مصداق ایلیا کا حضرت یوحنا یعنی یحییٰ کو ٹھیرایا ہے۔ دیکھو حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ فیصلہ کس قدر تمہارے مسئلہ متنازعہ فیہ کو صاف کر رہا ہے۔ سچ کی یہی نشانی ہے کہ اس کی کوئی نظیر بھی ہوتی ہے اور جھوٹ کی یہ نشانی ہے کہ اُس کی نظیر کوئی نہیں ہوتی۔ بھلا بتلاؤ کہ مثلاً دو فریق میں ایک امر متنازعہ فیہ ہے اور منجملہ ان کے ایک فریق نے اپنی تائید میں ایک نبی معصوم کے فیصلہ کی نظیر پیش کر دی اور دوسرا نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے اب ان دونوں میں سے احق بالامن کون ہے؟ بینوا وتوجروا۔ یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ بجز خدا تعالیٰ کے تمام انبیاء کے افعال اور صفات نظیر رکھتے ہیں تا کسی نبی کی کوئی خصوصیت منجر بہ شرک نہ ہو جائے۔ اب بتلاؤ کہ ایک طرف تو نصاریٰ حضرت مسیح کی اسقدر لمبی زندگی کو اُن کی خدائی پر دلیل ٹھہراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب دنیا میں بجز اُن کے

[1] الفتح : ۲۴

کوئی بھی زندہ نبی موجود نہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مردہ سمجھتے ہیں مگر مسیح کو ایسا زندہ کہ خدا تعالیٰ کے پاس بیٹھا ہوا خیال کرتے ہیں اور دوسری طرف آپ لوگ بھی حضرت عیسیٰ کو زندہ کہکر اور قرآن اور حدیث اور اجماع صحابہ کو خاک میں پھینک کر نصاریٰ سے ہاں میں ہاں ملا رہے ہو۔ اب سوچ لو کہ اس حالت میں اُمت محمدیہ پر کیا اثر پڑے گا۔ تم نے تو اپنے مُنہ سے اپنے تئیں لاجواب کر دیا۔ اور کچے عذر تو اَور بھی مخالف کی بات کو قوت دیتے ہیں۔ غرض تمہارے لاجواب ہو جانے سے ہزاروں انسان مر گئے اور مسجدیں خالی ہو گئیں اور نصاریٰ کے گرجا بھر گئے۔ اے رحم کے لائق مولویو! کبھی تو مسجدوں کے حجروں سے نکل کر اس انقلاب پر نظر ڈالو جو اسلام پر آ گیا۔ خود غرضی کو دُور کیجیئے۔ برائے خدا ایک نظر دیکھیئے کہ اسلام کی کیا حالت ہے۔ خدا نے جو مجھے بھیجا اور یہ امور مجھے سکھلائے یہی آسمانی حربہ ہے جس کے بغیر باطل کا دفع کرنا ممکن ہی نہیں۔ اب ہر ایک مرتد کا گناہ آپ لوگوں کی گردن پر ہے۔ جب آپ لوگ ہی قبول کریں کہ حضرت مسیح زندہ رسول اور حضرت خاتم الانبیاء مردہ رسول ہیں تو پھر لوگ مرتد ہوں یا نہ ہوں؟ پھر فرض کے طور پر اگر یہ واقعہ دوبارہ دنیا میں آنے کا صحیح تھا تو کیا وجہ کہ آپ لوگ اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کر سکتے۔ بغیر نظیر کے تو ایسی خصوصیت سے شرک کو قوت ملتی ہے اور ہرگز خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ نصاریٰ کو ملزم کرنے کے لئے صرف ایلیا نبی کے آسمان پر جانے اور دوبارہ آنے کی نظیر ہو سکتی تھی اور بے شک اس نظیر سے کچھ کام بن سکتا تھا۔ لیکن ان معنوں کو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ ہی ردّ کر دیا اور فرمایا کہ ایلیا سے مُراد یوحنا نبی ہے جو اس کی خُو اور طبیعت پر آیا ہے۔ اب تک یہودی شور مچا رہے ہیں کہ ملاکی نبی کی کتاب میں ایلیا کے دوبارہ آنے کی صاف اور صریح لفظوں میں خبر دی گئی تھی کہ وہ مسیح سے پہلے آئیگا مگر حضرت مسیح نے ناحق اپنے تئیں سچا مسیح بنانے کے لئے اِس کھلے کھلے نص کی تاویل کر دی۔ اور اس تاویل میں وہ متفرد ہیں کسی

ٹ

اور نبی یا ولی یا فقیہہ نے ہرگز یہ تاویل نہیں کی۔ اور ایلیا سے یحیٰی نبی مراد نہیں لیا بلکہ ظاہر آیت کو مانتے چلے آئے اور حضرت ایلیا کے دوبارہ آسمان سے نازل ہونے کے منتظر رہے۔ سو یہ ایک جھوٹ ہے جو عیسیٰ نے محض خود غرضی سے بولا۔ اب بتلاؤ یہودی اس الزام میں سچے ہیں یا جھوٹے؟ وہ تو اپنے تئیں سچے کہتے ہیں۔ انکی یہ حجت ہے کہ خدا کی کتاب میں کسی مثیل ایلیا کے آنے کی ہمیں خبر نہیں دی گئی۔ خبر یہی دی گئی کہ خود ایلیا ہی دوبارہ دنیا میں آ جائیگا۔ مگر حضرت مسیح کا یہ عذر ہے کہ میں حَکَم ہو کر آیا ہوں اور خدا سے علم رکھتا ہوں نہ اپنی طرف سے۔ اس لئے میرے معنے صحیح ہیں۔ اور واقعی امر یہ ہے کہ اگر یہ قبول نہ کیا جائے کہ حضرت مسیح خدا کی طرف سے علم پا کر کہتے ہیں تو منطوق آیت بلاشبہ یہودیوں کے ساتھ ہے✝۔ اسی وجہ سے وہ لوگ اب تک روتے چیختے اور حضرت مسیح کو سخت گالیاں دیتے ہیں کہ اپنے تئیں مسیح موعود قرار دینے کے لئے تحریف سے کام لیا۔ چنانچہ ایک فاضل یہودی کی ایک کتاب اسی پیشگوئی کے بارے میں میرے پاس موجود ہے جس کا خلاصہ اسجگہ لکھا گیا۔ جو چاہے دیکھ لے میں دکھا سکتا ہوں۔ اس کتاب کا مؤلف نہایت درجہ کے دعوے سے تمام لوگوں کے سامنے اپیل کرتا ہے کہ دیکھو عیسیٰ کیسا عمدًا اپنے تئیں مسیح موعود قرار دینے کے لئے جھوٹ اور افترا سے کام لے رہا ہے۔ اور پھر یہ مؤلف کہتا ہے کہ خدا کے سامنے ہمارے لئے یہ عذر کافی ہے کہ ملاکی کی کتاب میں یہ صاف لکھا ہے کہ مسیح موعود سے پہلے ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں آئے گا مگر یہ شخص جو عیسیٰ بن مریم ہے یہ نص کتاب اللہ کے ظاہر الفاظ سے انحراف کر کے ایلیا سے مثیل ایلیا مراد لیتا ہے اس لئے کاذب ہے اور چونکہ ایلیا

✝ فقرہ رافعک الیؐ[۱] اور بل رفعہ اللہ الیہ[۲] کے یہ معنے کیوں کئے جاتے ہیں کہ حضرت مسیح آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔ ان لفظوں کے تو یہ معنے نہیں۔ اور اگر کسی حدیث نے یہ تشریح کی ہے تو وہ حدیث تو پیش کرنی چاہیئے۔ ورنہ یہودیوں کی طرح ایک تحریف ہے۔ منہ

[۱] آل عمران: ۵۶ [۲] النساء: ۱۵۹

اب تک آسمان سے نہیں اُترا تو یہ کیونکر مسیح بن کر آ گیا۔ اور ممکن نہیں جو الہامی کتابیں جھوٹ ہوں
اب بتلاؤ کہ آپ لوگ حضرت عیسیٰ سے تو اتنی محبت رکھتے ہیں کہ آپ لوگوں کی نظر میں نعوذ باللہ
سیّد الاصفیاء و اصفی الاصفیاء حضرت خاتم الانبیاء تو مردہ رسول مگر مسیح زندہ رسول اور
باوصف اسقدر اطراء حضرت مسیح کے یہودیوں کا پہلو آپ لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے۔
بھلا تبلاؤ کہ آپ لوگوں کے بیان میں جو آخری مسیح موعود کے بارے میں ہے اور یہودیوں کے
بیان میں جو ان کے اس زمانہ کے مسیح موعود کے بارے میں ہے فرق کیا ہے۔ کیا یہ دونوں عقیدے
ایک ہی صورت کے نہیں ہیں؟ اور کیا میرا جواب اور حضرت عیسیٰ کا جواب ایک ہی طرز کا نہیں
ہے؟ پھر اگر تقویٰ ہے تو اس قدر ہنگامہ محشر کیوں برپا کر رکھا ہے اور یہودیوں کی وکالت
کیوں اختیار کرلی؟ کیا یہ بھی ضروری تھا کہ جب میں نے اپنے آپ کو مسیح کے رنگ میں
ظاہر کیا تو اس طرف سے آپ لوگوں نے جواب دینے کے وقت فی الفور یہودیوں کا رنگ
اختیار کر لیا۔ بھلا اگر بقول حضرت مسیح ایلیا کے دوبارہ نزول کے یہ معنے ہوئے کہ ایک اور
شخص بروزی طور پر اُسکی خو اور طبیعت پر آئیگا تو پھر آپ کا کیا حق ہے کہ اس نبوی فیصلہ
کو نظر انداز کر کے آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اب خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی آ جائیگا۔ گویا
خدا تعالیٰ کو ایلیا نبی کے دوبارہ بھیجنے میں تو کوئی کمزوری پیش آ گئی تھی مگر مسیح کے بھیجنے میں
پھر خدائی قوت اس میں عود کر آئی۔ کیا اس کی کوئی نظیر بھی موجود ہے کہ بعض آدمی
آسمان پر بجسمہ العنصری جاکر پھر دنیا میں آتے رہے ہیں کیونکہ حقیقتیں نظیروں کے ساتھ ہی کھلتی ہیں
چنانچہ جب لوگوں کو حضرت عیسیٰ کے بے پدر ہونے پر اشتباہ ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے دلوں
کو مطمئن کرنے کے لئے حضرت آدم کی نظیر پیش کر دی۔ مگر حضرت عیسیٰ کے دوبارہ آنے کے لئے
کوئی نظیر پیش نہ کی۔✝ نہ حدیث میں نہ قرآن میں۔ حالانکہ نظیر کا پیش کرنا دو وجہ سے ضروری

✝ بعض نادان کہتے ہیں کہ یہ بھی تو عقیدہ اہل اسلام کا ہے کہ الیاس اور خضر زمین پر زندہ موجود ہیں۔

تھا۔ ایک اس غرض سے کہ تا حضرت عیسیٰ کا زندہ آسمان کی طرف اُٹھائے جانا اُن کی ایک خصوصیت ٹھہر کر منجر الی الشرک نہ ہو جائے اور دوسرے اس لئے کہ تا اس بارے میں سنت اللہ معلوم ہو کر ثبوت اس امر کا پایۂ کمال کو پہنچ جائے۔ سو جہاں تک ہمیں علم ہے خدا اور رسول نے اس کی نظیر پیش نہیں کی۔ اگر گولڑوی صاحب کو کشف کے ذریعے سے اس کی نظیر معلوم ہو گئی ہے تو پھر اس کو پیش کرنا چاہیئے۔ غرض حضرت مسیح علیہ السلام کی موت قرآن اور حدیث اور اجماع صحابہ اور اکابر ائمہ اربعہ اور اہل کشوف کے کشوف سے ثابت ہے اور اس کے سوا اور بھی دلائل ہیں۔ جیساکہ مرہم عیسیٰ جو ہزار طبیب سے زیادہ اس کو اپنی اپنی کتابوں میں لکھتے چلے آئے ہیں جن کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مرہم جو زخموں اور خون جاری کے لئے نہایت مفید ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تیار کی گئی تھی۔ اور واقعات سے ثابت ہے کہ نبوت کے زمانہ میں صرف ایک ہی صلیب کا حادثہ اُن کو پیش آیا تھا۔ کسی اور سقطہ یا ضربہ کا واقعہ نہیں ہوا۔ پس بلاشبہ وہ مرہم انہی زخموں کے لئے تھی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب سے زندہ بچ گئے اور مرہم کے استعمال سے شفا پائی۔ اور پھر اسجگہ وہ حدیث جو کنز العمال میں لکھی ہے حقیقت کو اور بھی ظاہر کرتی ہے۔ یعنی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح کو اس ابتلاء کے زمانہ میں جو صلیب کا ابتلاء تھا حکم ہوا کہ کسی اور ملک

حاشیہ: اور ادریس آسمان پر۔ مگر ان کو معلوم نہیں کہ علمائے محققین ان کو زندہ نہیں سمجھتے کیونکہ بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ آج سے ایک سو برس گذرنے پر زمین پر کوئی زندہ نہیں رہے گا۔ پس جو شخص خضر اور الیاس کو زندہ جانتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کا مکذّب ہے اور ادریس کو اگر آسمان پر زندہ مانیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ وہ آسمان پر ہی مرینگے کیونکہ اُن کا دوبارہ زمین پر آنا نصوص سے ثابت نہیں اور آسمان پر مرنا آیت فیھا تموتون کے منافی ہے۔ منہ

۹۰

کی طرف چلا جا کہ یہ شریر یہودی تیری نسبت بد ارادے رکھتے ہیں۔ اور فرمایا کہ ایسا کر جو ان ملکوں سے دُور نکل جا تا تجھ کو شناخت کر کے یہ لوگ دُکھ نہ دیں۔ اب دیکھو۔ اس حدیث اور مرہم عیسیٰ کا نسخہ اور کشمیر کے قبر کے واقعہ کو باہم ملا کر کیسی صاف اصلیت اس مقولہ کی ظاہر ہو جاتی ہے۔ کتاب سوانح یوز آسف جس کی تالیف کو ہزار سال سے زیادہ ہو گیا ہے اس میں صاف لکھا ہے کہ ایک نبی یوز آسف کے نام سے مشہور تھا اور اس کی کتاب کا نام انجیل تھا۔ اور پھر اُسی کتاب میں اُس نبی کی تعلیم لکھی ہے۔ اور وہ تعلیم مسئلہ تثلیث کو الگ رکھ کر بعینہٖ انجیل کی تعلیم ہے۔ انجیل کی مثالیں اور بہت سی عبارتیں اُس میں بعینہٖ درج ہیں۔ چنانچہ پڑھنے والے کو کچھ بھی اس میں شک نہیں رہ سکتا کہ انجیل اور اس کتاب کا مؤلف ایک ہی ہے اور طرفہ تر یہ کہ اس کتاب کا نام بھی انجیل ہی ہے۔ اور استعارہ کے رنگ میں یہودیوں کو ایک ظالم باپ قرار دے کر ایک لطیف قصہ بیان کیا ہے جو عمدہ نصائح سے پُر ہے۔ اور مدت ہوئی کہ یہ کتاب یورپ کی تمام زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے اور یورپ کے ایک حصہ میں یوز آسف کے نام پر ایک گرجا بھی طیار کیا گیا ہے۔ اور جب میں نے اس قصہ کی تصدیق کے لئے ایک معتبر مرید اپنا جو خلیفہ نورالدین کے نام سے مشہور ہیں کشمیر سری نگر میں بھیجا تو انہوں نے کئی مہینے رہ کر بڑی آہستگی اور تدبّر سے تحقیقات کی۔ آخر ثابت ہو گیا کہ فی الواقعہ صاحب قبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں۔ جو یوز آسف کے نام سے مشہور ہوئے۔ یوز کا لفظ یسوع کا بگڑا ہوا یا اس کا مخفف ہے اور آسف حضرت مسیح کا نام تھا جیسا کہ انجیل سے ظاہر ہے جس کے معنے ہیں یہودیوں کے متفرق فرقوں کو تلاش کرنے والا یا اکٹھے کرنے والا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کشمیر کے بعض باشندے اس قبر کا نام عیسیٰ صاحب کی قبر بھی کہتے ہیں۔ اور اُنکی پورانی تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ ایک نبی شہزادہ ہے جو بلادِ شام کی طرف سے آیا تھا۔ جس کو تخمیناً اُنیس سو[۱۹۰۰] برس آئے ہوئے گذر گئے اور ساتھ اس کے بعض شاگرد تھے۔ اور وہ کوہ سلیمان پر عبادت کرتا رہا۔ اور اُس کی عبادت گاہ پر ایک کتبہ تھا جس کے یہ لفظ تھے کہ یہ ایک شہزادہ نبی ہے جو بلادِ شام

کی طرف سے آیا تھا۔ نام اس کا یوذ ہے۔ پھر وہ کتبہ سکھوں کے عہد میں محض تعصب اور عناد سے
مٹایا گیا۔ اب وہ الفاظ اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے۔ اور وہ قبر بنی اسرائیل کی قبروں کی طرح ہے۔
اور بیت المقدس کی طرف مُنہ ہے اور قریباً سرینگر کے پانسو آدمی نے اس محضر نامہ پر بدیں مضمون دستخط
اور مہریں لگائیں کہ کشمیر کی پُرانی تاریخ سے ثابت ہے کہ صاحب قبر ایک اسرائیلی نبی تھا اور شہزادہ
کہلاتا تھا۔ کسی بادشاہ کے ظلم کی وجہ سے کشمیر میں آگیا تھا۔ اور بہت بڈھا ہو کر فوت ہُوا اور اُس کو
عیسیٰ صاحب بھی کہتے ہیں اور شہزادہ نبی بھی اور یوذ آسف بھی۔ اب بتلاؤ کہ اس قدر تحقیقات کے
بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرنے میں کسر کیا رہ گئی۔ اور اگر باوجود اس بات کے کہ اتنی شہادتیں
قرآن اور حدیث اور اجماع اور تاریخ اور نسخہ مرہم عیسیٰ اور وجود قبر سری نگر میں اور معراج میں
زمرۂ اموات دیکھے جانا۔ اور عمر ایک سو بیس سال مقرر ہونا اور حدیث سے ثابت ہونا کہ واقعہ
صلیب کے بعد وہ کسی اور ملک کی طرف چلے گئے تھے اور اسی سیاحت کی وجہ سے اُن کا نام
نبی سیاح مشہور تھا۔ یہ تمام شہادتیں اگر ان کے مرنے کو ثابت نہیں کرتیں تو پھر ہم کہہ سکتے ہیں کہ
کوئی نبی بھی فوت نہیں ہُوا۔ سب بجسم عنصری آسمان پر جا بیٹھے ہیں۔ کیونکہ اس قدر شہادتیں اُنکی
موت پر ہمارے پاس موجود نہیں۔ بلکہ حضرت موسیٰ کی موت خود مشتبہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ
اُن کی زندگی پر یہ آیت قرآنی گواہ ہے یعنی یہ کہ فلا تکن فی مریة من لقائه[1]۔ اور ایک حدیث
بھی گواہ ہے کہ موسیٰ ہر سال دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ خانہ کعبہ کے حج کرنے کو آتا ہے۔
اے بزرگو! اب اس ماتم سے کچھ فائدہ نہیں۔ اب تو حضرت مسیح پر انا للّٰہ پڑھو وہ تو بیشک
فوت ہو گئے۔ وہ حدیث صحیح نکلی کہ مسیح کی عمر ایک سو بیس برس ہوگی نہ ہزار دو ہزار برس۔ اب خدا سے
ڈرنے کا وقت ہے کج بحثی کا وقت نہیں کیونکہ ثبوت انتہا تک پہنچ گیا ہے۔ اور یہ خیال کہ
قرآن شریف میں اُن کی نسبت بل رفعه الله اليه[2] آیا ہے اور بل دلالت کرتا ہے کہ وہ مع
جسم آسمان پر اُٹھائے گئے۔ یہ خیال نہایت ذلیل خیال اور بچوں کا سا خیال ہے۔ اس قسم کا رفع تو
بلعم کی نسبت بھی مذکور ہے۔ یعنی لکھا ہے کہ ہم نے ارادہ کیا تھا کہ بلعم کا رفع کریں مگر وہ

۱؎ السجدۃ:۲۴ ۲؎ النساء:۱۵۹

زمین کی طرف جھک گیا۔ ظاہر ہے کہ مسیح کیلئے جو لفظ رفع میں استعمال کئے گئے وہی لفظ بلعم کی نسبت استعمال کئے گئے۔ مگر کیا خدا کا ارادہ تھا کہ بلعم کو مع جسم آسمان پر پہنچا دے بلکہ صرف اُس کی رُوح کا رفع مراد تھا۔ اے حضرات! خدا سے خوف کرو۔ رفع جسمانی تو یہودیوں کے الزام میں معرض بحث میں ہی نہیں تمام جھگڑا تو رفع روحانی کے متعلق ہے کیونکہ یہود نے حضرت مسیح کو صلیب پر کھینچکر بموجب نص توریت کے یہ خیال کر لیا تھا کہ اب اس کا رفع روحانی نہیں ہوگا اور وہ نعوذ باللہ خدا کی طرف نہیں جائیگا بلکہ ملعون ہو کر شیطان کی طرف جائیگا۔ یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے کہ جو شخص خدا کی طرف بلایا جاتا ہے اس کو مرفوع کہتے ہیں اور جو شیطان کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے اس کو ملعون کہتے ہیں۔ سو یہی وہ یہودیوں کی غلطی تھی جس کا قرآن شریف نے بحیثیت حَکَم ہونے کے فیصلہ کیا اور فرمایا کہ مسیح صلیب پر قتل نہیں کیا گیا اور فعل صلیب پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا اس لئے مسیح رفع روحانی سے محروم نہیں ہو سکتا۔ علاوہ اِس کے صاف ظاہر ہے کہ علم طبعی کی رو سے جس کے مسائل مشہودہ محسوسہ ہیں ہمیشہ جسم معرضِ تحلیل و تبدیل میں ہے۔ ہر آن اور ہر سیکنڈ میں ذراتِ جسم بدلتے رہتے ہیں جو اس وقت ہیں وہ ایک منٹ کے بعد نہیں۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ جس جسم کے رفع کا آیت رَافِعُكَ اِلَيَّ میں وعدہ ہُوا تھا وہی جسم زمانہ آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ تک موجود تھا۔ پس لازم آیا کہ جو وعدہ رَافِعُكَ اِلَيَّ میں ایک خاص جسم کی نسبت دیا گیا تھا وہ پورا نہیں ہُوا۔ کیونکہ ایفائے وعدہ کے وقت تو اور جسم تھا اور پہلا جسم تحلیل پا چکا تھا۔ اور خود یہ خیال غلط ہے کہ جب کسی کو مخاطب کیا جائے۔ اور یہ کہا جائے کہ یا ابراہیم اور یا عیسٰی اور یا موسٰی اور یا محمد (علیہم السلام) تو اس کے ساتھ معیت جسم شرط ہوتی ہے اور کچھ حصہ خطاب کا جسم کے ساتھ بھی متعلق ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اگر مثلاً ایک نبی کا ہاتھ کٹ جائے یا پیر کٹ جائے تو پھر اس لائق نہ رہے کہ یا عیسٰی یا یا موسٰی اس کو کہا جائے کیونکہ ایک حصہ جسم کا جسکو خطاب کیا گیا ہے اُس کے ساتھ نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے مُردہ انبیاء کا قرآن شریف میں ذکر اسی طرح کیا ہے جیسے اس حالت میں ذکر کیا تھا جبکہ وہ جسم کے ساتھ زندہ تھے۔ پس اگر ایسے خطاب کے لئے جسم کی شرط ہے تو مثلاً یہ کہنا کیونکر جائز ہے کہ ان ابراھیم لاوّاہ حلیم[1]۔ غرض حضرت مسیح علیہ السلام کی موت

[1] التوبہ : ۱۱۴

کا بخوبی فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور اب ایسے ایسے بیہودہ عذر کرنا اُس غرق ہونے والے کی مانند ہے جو موت سے بچنے کے لئے گھاس پات کو ہاتھ مارتا ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ نیک نیّتی سے سیدھی راہ کو نہیں سوچتے۔ اس بحث میں سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ حضرت مسیح کچھ انوکھے رسول نہیں تھے اُن کے قتل کے بارے میں اس قدر جھگڑا کیوں برپا کیا گیا۔ اور کیوں بار بار اس بات پر زور دیا گیا کہ وہ مصلوب نہیں ہوئے بلکہ خدا نے انکو اپنی طرف اُٹھا لیا نہ شیطان کی طرف۔ اگر اس جھگڑے سے صرف اس قدر غرض تھی کہ یہودیوں پر ظاہر کیا جائے کہ وہ قتل نہیں ہوئے تو یہ تو ایک بیہودہ اور سراسر لغو غرض ہے۔ اس غرض کو اس رفع اعتراض سے کیا تعلق کہ خدا نے مسیح کو اپنی طرف جو مقامِ اعزاز ہے اُٹھا لیا شیطان کی طرف ردّ نہیں کیا جو مقامِ ذلّت ہے۔ ظاہر ہے کہ محض قتل ہونے سے نبی کی شان میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا میں یہ بات داخل ہے کہ مَیں دوست رکھتا ہوں کہ خدا کی راہ میں قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں تو پھر یہ بات قبول کے لائق ہے کہ قتل ہونے میں کوئی ہتکِ عزّت نہیں ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے یہ دُعا نہ کرتے۔ تو پھر اس قدر حضرت مسیح کی نسبت الزامِ قتل کا دفع اور ذب اور یہ کہنا کہ وہ قتل نہیں ہوا اور ہرگز صلیب سے قتل نہیں ہوا بلکہ ہم نے اپنی طرف اُٹھا لیا اس سے مطلب کیا نکلا۔ اگر مسیح قتل نہیں ہوا تو کیا یحیٰی نبی بھی قتل نہیں ہوا۔ اُس کو خدا نے کیوں اپنی طرف مع جسم عنصری نہ اٹھایا۔ کیا وجہ کہ اِس جگہ غیرتِ الٰہی نے جوش نہ مارا اور اُس جگہ جوش مارا۔ اور اگر خدا نے کسی کو جسم کے ساتھ آسمان پر اُٹھانا ہے تو اُس کے لئے تو یہ الفاظ چاہئیں کہ جسم کے ساتھ آسمان پر اُٹھایا گیا نہ یہ کہ خدا کی طرف اُٹھایا گیا۔ یاد رہے کہ قرآن شریف بلکہ تمام آسمانی کتابوں نے دو طرفیں مقرر کی ہیں۔ ایک خدا کی طرف اور اس کی نسبت یہ محاورہ ہے کہ فلاں شخص خدا کی طرف اُٹھایا گیا۔ اور دوسری طرف بمقابل خدا کی طرف کے شیطان کی طرف ہے۔ اس کی نسبت قرآن میں اخلد الی الارض[1] کا محاورہ ہے۔ یہ کس قدر ظلم ہے کہ رفع الی اللہ جو ایک روحانی امر اخلاد الی الشیطان کے مقابل پر تھا اس سے آسمان پر مع جسم جانا سمجھا گیا اور خیال کیا گیا کہ خدا نے

[1] الاعراف : ۱۷۷

مسیح کو مع جسم کے آسمان پر اُٹھا لیا۔ بھلا اس کارروائی سے حاصل کیا ہؤا اور اس سے کونسا الزام یہودیوں پر آیا اور آسمان پر مع جسم کیوں پہنچایا گیا۔ کس ضرورت نے حکیم مطلق سے یہ فعل کرایا؟ اگر قتل سے بچانا تھا تو خدا تعالیٰ زمین پر بھی بچا سکتا تھا۔* جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غارِ ثور میں کفار کے قتل سے بچا لیا۔ اب اگر آہستگی اور تحمل سے سُنو تو ہم بتلاتے ہیں کہ اس تمام جھگڑے کی اصلیت کیا ہے؟ بزرگو! خدا تم پر رحم کرے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں کو غور سے دیکھنے اور اُن کے تاریخی واقعات پر نظر ڈالنے سے جو تواتر کے اعلیٰ درجہ پر پہنچے ہوئے ہیں۔ جن سے کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا یہ حال معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں اوائل حال میں تو بے شک یہودی ایک مسیح کے منتظر تھے تا وہ انکو غیر قوموں کی حکومت سے نجات بخشے۔ اور جیسا کہ ان کی کتابوں کی پیشگوئیوں کے ظاہر الفاظ سے سمجھا جاتا ہے داؤد کے تخت کو اپنی بادشاہی سے پھر قائم کرے۔ چنانچہ اس انتظار کے زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام نے دعویٰ کیا

* اگر آسمان پر پہنچانے سے یہ غرض تھی کہ وہ بہشت میں پہنچ جائیں اور لذّاتِ اُخروی سے حظ اٹھاویں تو یہ غرض بھی تو پوری نہیں ہوئی کیونکہ اُخروی لذّات سے حظ اٹھانے کے لئے اوّل مرنا ضروری ہے تو گویا اس جہان کے اغراض سے بھی جس کے لئے بھیجے گئے تھے ناکام رہے۔ اور وہ اصلاح جو اصل مقصود تھی وہ نہ کر سکے اور قوم ضلالت سے پھر گئی اور آسمان پر جا کر بھی کچھ لذّت اور راحت نہ اٹھائی۔ آپ آسمان پر بے فائدہ بیٹھے ہیں۔ نہ اُس مقام پر ڈیرہ لگانے سے اپنے نفس کو کچھ فائدہ اور نہ امت کو کچھ نفع۔ کیا انبیاء علیہم السلام کی طرف جو دنیا کی اصلاح کر کے پھر خدا کو جا ملتے ہیں ایسے امور منسوب ہو سکتے ہیں؟ اوّل یہ تو سوچنا چاہیئے کہ رفع الی اللہ جو جامع لذاتِ اُخروی ہے بغیر موت کے کب ممکن ہے۔ یہ تخلف وعدہ کیسا ہؤا؟ کہ رفع الی اللہ کا وعدہ کیا گیا اور پھر بٹھایا گیا دوسرے آسمان پر۔ کیا خدا دوسرے آسمان پر ہے؟ اور کیا حضرت ابراہیم اور موسیٰ خدا سے اوپر رہتے ہیں؟ منہ

کہ وہ مسیح میں ہوں اور میں ہی داؤد کے تخت کو دوبارہ قائم کرونگا۔ سو یہودی اس کلمہ سے اوائل حال میں بہت خوش ہوئے اور صدہا عوام الناس بادشاہت کی اُمید سے آپ کے معتقد ہو گئے اور بڑے بڑے تاجر اور رئیس بیعت میں داخل ہوئے۔ لیکن کچھ تھوڑے دنوں کے بعد حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ظاہر کر دیا کہ میری بادشاہت اِس دنیا کی نہیں ہے۔ اور میری بادشاہت آسمان کی ہے تب اُن کی وہ سب اُمیدیں خاک میں مِل گئیں اور انکو یقین ہو گیا کہ یہ شخص دوبارہ تخت داؤد کو قائم نہیں کرے گا۔ بلکہ وہ کوئی اَور ہو گا۔ پس اسی دن سے بغض اور کینہ ترقی ہونا شروع ہوا۔ اور ایک جماعت کثیر مرتد ہو گئی۔ پس ایک تو یہی وجہ یہودیوں کے ہاتھ میں تھی کہ یہ شخص نبیوں کی پیشگوئی کے موافق بادشاہ ہو کر نہیں آیا۔ پھر کتابوں پر غور کرنے سے ایک اَور وجہ یہ بھی پیدا ہوئی کہ ملاکی نبی کی کتاب میں لکھا تھا کہ مسیح بادشاہ جس کی یہودیوں کو انتظار تھی وہ نہیں آئیگا جب تک ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں نہ آئے۔ چنانچہ انہوں نے یہ عذر حضرت مسیح کے سامنے پیش بھی کیا۔ لیکن آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اسجگہ ایلیا سے مراد مثیل ایلیا ہے یعنی یحیٰی۔ افسوس کہ اگر جیسا کہ اُن کی نسبت احیائے موتٰی کا گمان باطل کیا جاتا ہے وہ حضرت ایلیا کو زندہ کر کے دکھلا دیتے۔ تو اس قدر جھگڑا نہ پڑتا۔ اور نص کے ظاہری الفاظ کی رُو سے حجت پوری ہو جاتی۔ غرض یہودی اُن کے بادشاہ نہ ہونے کی وجہ سے اُن کی نسبت شک میں پڑ گئے تھے اور ملاکی نبی کی کتاب کی رو سے یہ دوسرا شک پیدا ہوا۔ پھر کیا تھا سب کے سب تکفیر اور گالیوں پر آ گئے اور یہودیوں کے علماء نے اُن کے لئے ایک کفر کا فتویٰ تیار کیا اور ملک کے تمام علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے اس فتوے پر اتفاق کر لیا اور مہریں لگا دیں۔ مگر پھر بھی بعض عوام الناس میں سے جو تھوڑے ہی آدمی تھے حضرت مسیح کے ساتھ رہ گئے۔ اُن میں سے بھی یہودیوں نے ایک کو کچھ رشوت دیکر اپنی طرف پھیر لیا۔ اور دن رات یہ مشورے ہونے لگے کہ توریت کے نصوصِ صریحہ سے اس شخص کو کافر ٹھیرانا چاہیئے تا عوام بھی یکدفعہ بیزار ہو جائیں اور اِس کے بعض نشانوں کو دیکھ کر دھوکا نہ کھا دیں۔ چنانچہ

یہ بات قرار پائی کہ کسی طرح اس کو صلیب دی جائے پھر کام بن جائیگا۔ کیونکہ توریت میں لکھا ہے کہ جو لکڑی پر لٹکایا جائے وہ لعنتی ہے یعنی وہ شیطان کی طرف جاتا ہے نہ خدا کی طرف۔ سو یہودی لوگ اس تدبیر میں لگے رہے اور جو شخص اس ملک کا حاکم قیصر روم کی طرف سے تھا اور بادشاہ کی طرح قائم مقام قیصر تھا اس کے حضور میں جھوٹی مخبریاں کرتے رہے کہ یہ شخص درپردہ گورنمنٹ کا بدخواہ ہے۔ آخر گورنمنٹ نے مذہبی فتنہ اندازی کے بہانہ سے پکڑ ہی لیا مگر چاہا کہ کچھ تنبیہہ کر کے چھوڑ دیں۔ مگر یہود صرف اس قدر پر کب راضی تھے۔ انہوں نے شور مچایا کہ اِس نے سخت کفر بکا ہے قوم میں بلوہ ہو جائے گا مفسدہ کا اندیشہ ہے اس کو ضرور صلیب ملنی چاہیئے۔ سو رومی گورنمنٹ نے یہودیوں کے بلوہ سے اندیشہ کر کے اور کچھ مصلحت ملکی کو سوچکر حضرت مسیح کو اُن کے حوالے کر دیا کہ اپنے مذہب کے رو سے جو چاہو کرو اور پیلاطوس گورنر قیصر جس کے ہاتھ میں یہ سب کارروائی تھی اس کی بیوی کو خواب آئی کہ اگر یہ شخص مر گیا تو پھر اس میں تمہاری تباہی ہے۔ اِس لئے اس نے اندرونی طور پر پوشیدہ کوشش کر کے مسیح کو صلیبی موت سے بچا لیا مگر یہود اپنی حماقت سے یہی سمجھتے رہے کہ مسیح صلیب پر مر گیا۔ حالانکہ حضرت مسیح خدا تعالیٰ کا حکم پاکر جیسا کہ کنز العمال کی حدیث میں ہے اس ملک سے نکل گئے۔ اور وہ تاریخی ثبوت جو ہمیں ملے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ نصیبین سے ہوتے ہوئے پشاور کی راہ سے پنجاب میں پہنچے اور چونکہ سرد ملک کے باشندے تھے اس لئے اس ملک کی شدّت گرمی کا تحمّل نہ کر سکے لہٰذا کشمیر میں پہنچ گئے اور سری نگر کو اپنے وجود باجود سے شرف بخشا۔ اور کیا تعجب کہ انہی کے زمانہ میں یہ شہر آباد بھی ہوا ہو۔ بہرحال سری نگر کی زمین مسیح کے قدم رکھنے کی جگہ ہے۔ غرض حضرت مسیح تو سیاحت کرتے کرتے کشمیر تو پہنچ گئے* لیکن یہودی اس زعم باطل میں گرفتار رہے کہ گویا حضرت مسیح بذریعہ صلیب

ص۱۱۱

* - ہر ایک نبی کے لئے ہجرت مسنون ہے اور مسیح نے بھی اپنی ہجرت کی طرف انجیل میں اشارہ

قتل کئے گئے۔ کیونکہ جس طرز سے حضرت مسیح صلیب سے بچائے گئے تھے اور پھر مرہم عیسٰی سے زخم اچھے کئے گئے تھے اور پھر پوشیدہ طور پر سفر کیا گیا تھا۔ یہ تمام امور یہودیوں کی نظر سے پوشیدہ تھے۔ ہاں حواریوں کو اس راز کی خبر تھی۔ اور گلیل کی راہ میں حواری حضرت مسیح سے ایک گاؤں میں اکٹھے ہی رات رہے تھے اور مچھلی بھی کھائی تھی۔ باایں ہمہ جیسا کہ انجیل سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے حواریوں کو حضرت مسیح نے تاکید سے منع کر دیا تھا کہ میرے اس سفر کا حال کسی کے پاس مت کہو۔ سو حضرت مسیح کی یہی وصیت تھی کہ اس راز کو پوشیدہ رکھنا اور کیا مجال تھی کہ وہ اس خبر کو افشا کر کے نبی کے راز اور امانت میں خیانت کرتے۔ اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت مسیح کا نام سیاحت کرنے والا نبی رکھا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ حضرت مسیح نے اکثر حصۂ دنیا کا سیر کیا ہے اور یہ حدیث کتاب کنز العمال میں موجود ہے اور اسی بنا پر لغتِ عرب کی کتابوں میں مسیح کی وجہ تسمیہ بہت سیاحت کرنے والا بھی لکھا ہے* غرض یہ قولِ نبوی

* ۔ دیکھو لسان العرب مسیح کے لفظ میں۔ منہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ

فرمایا ہے اور کہا کہ نبی بے عزت نہیں ..... مگر اپنے وطن میں۔ مگر افسوس ہمارے مخالفین اس بات پر بھی غور نہیں کرتے کہ حضرت مسیح نے کب اور کس ملک کی طرف ہجرت کی بلکہ زیادہ تر تعجب اِس بات سے ہے کہ وہ اس بات کو تو مانتے ہیں کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ مسیح نے مختلف ملکوں کی بہت سیاحت کی ہے بلکہ ایک وجہ تسمیہ اسم مسیح کی یہ بھی لکھتے ہیں۔ لیکن جب کہا جائے کہ وہ کشمیر میں بھی گئے تھے تو اس سے انکار کرتے ہیں حالانکہ جس حالت میں انہوں نے مان لیا کہ حضرت مسیح نے اپنے نبوت کے ہی زمانہ میں بہت ملکوں کی سیاحت بھی کی تو کیا وجہ کہ کشمیر جانا اُن پر حرام تھا؛ کیا ممکن نہیں کہ کشمیر میں بھی گئے ہوں اور وہیں وفات پائی ہو۔ اور پھر جب صلیبی واقعہ کے بعد ہمیشہ زمین پر سیاحت کرتے رہے تو آسمان پر کب گئے؟ اس کا کچھ بھی جواب نہیں دیتے۔ منہ

کہ مسیح سیاح نبی ہے تمام سربستہ راز کی کنجی تھی اور اسی ایک لفظ سے آسمان پر جانا اور اب تک زندہ ہونا سب باطل ہوتا تھا مگر اس پر غور نہیں کی گئی۔ اور اس بات پر غور کرنے سے واضح ہوگا کہ جبکہ عیسٰی مسیح نے زمانۂ نبوت میں یہودیوں کے ملک سے ہجرت کر کے ایک زمانہ دراز اپنی عمر کا سیاحت میں گذارا تو آسمان پر کس زمانہ میں اُٹھائے گئے اور پھر اتنی مدت کے بعد ضرورت کیا پیش آئی تھی؟ عجیب بات ہے یہ لوگ کیسے پیچ میں پھنس گئے۔ ایک طرف یہ اعتقاد ہے کہ صلیبی فتنہ کے وقت کوئی اور شخص سولی مل گیا اور حضرت مسیح بلا توقف دوسرے آسمان پر جا بیٹھے اور دوسری طرف یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ صلیبی حادثہ کے بعد وہ اسی دنیا میں سیاحت کرتے رہے اور بہت سا حصہ عمر کا سیاحت میں گذارا۔ عجب اندھیر ہے کوئی سوچتا نہیں کہ پیلاطوس کے ملک میں رہنے کا زمانہ تو بالاتفاق ساڑھے تین برس تھا اور دُور دراز ملکوں کے یہودیوں کو بھی دعوت کرنا مسیح کا ایک فرض تھا۔ پھر وہ اس فرض کو چھوڑ کر آسمان پر کیوں چلے گئے۔ کیوں ہجرت کر کے بطور سیاحت اس فرض کو پورا نہ کیا؟ عجیب تر امر یہ ہے کہ حدیثوں میں جو کنز العمال میں ہیں اسی بات کی تصریح موجود ہے کہ یہ سیر و سیاحت اکثر ملکوں کا حضرت مسیح نے صلیبی فتنہ کے بعد ہی کیا ہے اور یہی معقول بھی ہے کیونکہ ہجرت انبیاء علیہم السلام میں سنّت الٰہی یہی ہے کہ وہ جب تک نکالے نہ جائیں ہرگز نہیں نکلتے۔ اور بالاتفاق مانا گیا ہے کہ نکالنے یا قتل کرنے کا وقت صرف فتنۂ صلیب کا وقت تھا۔ غرض یہودیوں نے بوجہ صلیبی موت کے جو اُن کے خیال میں تھی حضرت مسیح کی نسبت یہ نتیجہ نکالا کہ وہ نعوذ باللہ ملعون ہو کر شیطان کی طرف گئے نہ خدا کی طرف۔ اور اُن کا رفع خدا کی طرف نہیں ہوا بلکہ شیطان کی طرف ہبوط ہوا۔ کیونکہ شریعت نے دو طرفوں کو مانا ہے۔ ایک خدا کی طرف اور وہ اونچی ہے جس کا مقام انتہائی عرش ہے۔ اور دوسری شیطان کی اور وہ بہت نیچی ہے اور اس کا انتہا زمین کا پاتال ہے۔ غرض یہ تینوں شریعتوں کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ مومن مر کر خدا کی طرف جاتا ہے اور اُس کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں جیسا کہ آیت ارجعی الی ربک[1] اس کی شاہد ہے اور کافر نیچے کی طرف جو شیطان کی طرف ہے

ص۱۲۱

[1] الفجر: ۲۹

جاتا ہے۔ جیسا کہ آیت لا تفتح لهم ابواب السماء[1] اس کی گواہ ہے۔ خدا کی طرف جانے کا نام رفع ہے اور شیطان کی طرف جانے کا نام لعنت ہے۔ اِن دونوں لفظوں میں تقابل اضداد ہے۔ نادان لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ اگر رفع کے معنے مع جسم اٹھانا ہے تو اس کے مقابل کا لفظ کیا ہوا۔ جیسا کہ رفع رُوحانی کے مقابل پر لعنت ہے۔ یہود نے خوب سمجھا تھا کہ بوجہ صلیب حضرت مسیح کے ملعون ہونے کے قائل ہو گئے۔ اور نصارٰی نے بھی لعنت کو مان لیا۔ مگر یہ تاویل کی کہ ہمارے گناہوں کے لئے مسیح پر لعنت پڑی۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ نصارٰی نے لعنت کے مفہوم پر توجہ نہیں کی کہ کیسا ناپاک مفہوم ہے جو رفع کے مقابل پر پڑا ہے جس سے انسان کی رُوح پلید ہو کر شیطان کی طرف جاتی ہے اور خدا کی طرف نہیں جا سکتی۔ اِسی غلطی سے انہوں نے اس بات کو قبول کر لیا کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے ہیں۔ اور کفارہ کے پہلو کو اپنی طرف سے تراش کر یہ پہلو اُن کی نظر سے چھپ گیا کہ یہ بات بالکل غیر ممکن ہے کہ نبی کا دل ملعون ہو کر خدا کو ردّ کر دے اور شیطان کو اختیار کرے۔ مگر حواریوں کے وقت میں یہ غلطی نہیں ہوئی بلکہ اُن کے بعد عیسائیت کے بگڑنے کی یہ پہلی اینٹ تھی۔ اور چونکہ حواریوں کو تاکیداً یہ وصیت کی گئی تھی کہ میرے سفر کا حال ہرگز بیان مت کرو۔ اس لئے وہ اصل حقیقت کو ظاہر نہ کر سکے اور ممکن ہے کہ توریہ کے طور پر انہوں نے یہ بھی کہہ دیا ہو کہ وہ تو آسمان پر چلے گئے تا یہودیوں کا خیال دوسری طرف پھیر دیں۔ غرض انہی وجوہ سے حواریوں کے بعد نصارٰی صلیبی اعتقاد سے سخت غلطی میں مبتلا ہو گئے مگر ایک گروہ اُن میں سے اس بات کا مخالف بھی رہا اور قرائن سے انہوں نے معلوم کر لیا کہ مسیح کسی اور ملک میں چلا گیا صلیب پر نہیں مرا اور نہ آسمان پر گیا۔٭ بہرحال جبکہ یہ مسئلہ نصارٰی پر مشتبہ ہو گیا اور یہودیوں نے صلیبی موت کی عام شہرت دے دی تو عیسائی چونکہ اصل حقیقت سے بےخبر تھے وہ بھی اس اعتقاد میں یہودیوں کے

٭ اِس گروہ کا ایک فرقہ اب تک نصارٰی میں پایا جاتا ہے جو حضرت مسیح کے آسمان پر جانے سے منکر ہیں۔ منہ

[1] الاعراف : ۴۱

پیرو ہوگئے مگر قدر قلیل۔ اِس لئے اُن کا بھی یہی عقیدہ ہوگیا کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے تھے اور اس عقیدہ کی حمایت میں بعض فقرے انجیلوں میں بڑھائے گئے جن کی وجہ سے انجیلوں کے بیانات میں باہم تناقض پیدا ہوگیا۔ چنانچہ انجیلوں کے بعض فقروں سے تو صاف سمجھا جاتا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ اور بعض میں لکھا ہے کہ مر گیا۔ اِسی سے ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے یہ فقرے پیچھے سے ملا دیئے گئے ہیں۔ اب قصّہ کوتاہ یہ کہ یہودیوں نے صلیب کی وجہ سے اس بات پر اصرار شروع کیا کہ عیسیٰ ابن مریم ایماندار اور صادق آدمی نہیں تھا اور نہ نبی تھا۔ اور نہ ایمانداروں کی طرح اس کا خدا کی طرف رفع ہُوا بلکہ شیطان کی طرف گیا اور اس پر یہ دلیل پیش کی کہ وہ صلیبی موت سے مرا ہے اس لئے ملعون ہے یعنی اس کا رفع نہیں ہُوا۔ اِس کے بعد رفتہ رفتہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آگیا اور چھ سَو برس اِس قصّہ کو گذر گیا۔ اور چونکہ عیسائیوں میں علم نہیں تھا اور کفارہ کا ایک منصوبہ بنانے کا شوق بھی اُن کو محرک ہُوا لہٰذا وہ بھی لعنت اور عدم رفع کے قائل ہوگئے اور خیال نہ کیا کہ لعنت کے مفہوم کو یہ بات لازمی ہے کہ انسان خدا کی درگاہ سے بالکل راندہ ہو جائے اور پلید دل ہو کر شیطان کی طرف چلا جائے اور محبّت اور وفا کے تمام تعلق ٹوٹ جائیں اور دل پلید اور سیاہ اور خدا کا دشمن ہو جائے۔ جیسا کہ شیطان کا دل ہے۔ اسی لئے لعین شیطان کا نام ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ خدا کا ایسا مقبول بندہ جیسا کہ مسیح ہے اُس کا دل لعنت کی کیفیت کے نیچے آسکے۔ اور نعوذ باللہ شیطانی مناسبت سے شیطان کی طرف کھینچا جائے۔ غرض یہ دونوں قومیں بھول گئیں۔ یہودیوں نے ایک پاک نبی کو ملعون کہکر خدا کے غضب کی راہ اختیار کی ✝۔ اور عیسائیوں نے اپنے پاک نبی اور مرشد اور ہادی کے دل کو بوجہ لعنت کے مفہوم کے

✝ اسجگہ یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ سورۃ فاتحہ میں جو آیا ہے کہ غیرِ المغضوب علیہم ولا الضالین[۱] وہ اسی معرکہ کی طرف اشارہ ہے یعنی یہود نے خدا کے پاک اور مقدس نبی کو عمداً محض شرارت سے

[۱] الفاتحۃ: ۸

ناپاک اور خدا سے پھرا ہوا قرار دے کر ضلالت کی راہ اختیار کی اس لئے ضروری ہوا کہ قرآن بحیثیت حَکَم* ہونے کے اس امر کا فیصلہ کرے۔ پس یہ آیات بطور فیصلہ ہیں کہ ماقتلوہ وما صلبوہ ولٰکن شُبّہ لھم۔[1] بل رفعہ اللّٰہ الیہ[2] یعنی یہ سرے سے بات غلط ہے کہ یہودیوں نے بذریعہ صلیب حضرت عیسٰی علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔ اس لئے اس کا نتیجہ بھی غلط ہے کہ حضرت مسیح کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوا اور نعوذ باللہ شیطان کی طرف گیا ہے۔ بلکہ خدا نے اپنی طرف اُس کا رفع کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہود اور نصاریٰ میں رفع جسمانی کا کوئی جھگڑا نہ تھا

* حَکَم اور حاکم میں یہ فرق ہے کہ حَکَم کا فیصلہ ناطق ہوتا ہے۔ اسکے بعد کوئی اپیل نہیں مگر مجرد لفظ حاکم اس مضمون پر حاوی نہیں۔ منہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ

لعنتی ٹھیرا کر خدا تعالیٰ کا غضب اپنے پر نازل کیا اور مغضوب علیہم ٹھیرے حالانکہ اُن کو پتہ بھی لگ گیا تھا کہ حضرت مسیح قبر میں نہیں رہے اور وہ پیشگوئی اُن کی پوری ہوئی کہ یونس کی طرح میرا حال ہوگا یعنی زندہ ہی قبر میں جاؤنگا اور زندہ ہی نکلوں گا۔ اور نصاریٰ گو حضرت مسیح سے محبت کرتے تھے مگر محض اپنی جہالت سے انہوں نے بھی لعنت کا داغ حضرت مسیح کے دل کی نسبت قبول کر لیا اور یہ نہ سمجھا کہ لعنت کا مفہوم دل کی ناپاکی سے تعلق رکھتا ہے اور نبی کا دل کسی حالت میں ناپاک اور خدا کا دشمن اور اس سے بیزار نہیں ہو سکتا پس اس سورۃ میں بطور اشارت مسلمانوں کو یہ سکھلایا گیا ہے کہ یہود کی طرح آنے والے مسیح موعود کی تکذیب میں جلدی نہ کریں اور حیلہ بازی کے فتوے تیار نہ کریں اور اس کا نام لعنتی نہ رکھیں ورنہ وہی لعنت اُلٹ کر اُن پر پڑے گی۔ ایسا ہی عیسائیوں کی طرح نادان دوست نہ بنیں اور ناجائز صفات اپنے پیشوا کی طرف منسوب نہ کریں۔ پس بلاشبہ اس سورۃ میں مخفی طور پر میرا ذکر ہے اور ایک لطیف پیرایہ میں میری نسبت یہ ایک پیشگوئی ہے اور دُعا کے رنگ میں مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ ایسا زمانہ تم پر بھی آئیگا۔ اور تم بھی حیلہ جوئی سے مسیح موعود کو لعنتی ٹھیراؤ گے کیونکہ یہ بھی حدیث ہے کہ اگر یہودی سوسمار کے سوراخ میں داخل ہوئے ہیں تو مسلمان بھی داخل ہونگے۔ یہ عجیب خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ قرآن شریف کی پہلی سورۃ میں ہی جس کو پنجوقت مسلمان پڑھتے ہیں میرے آنے کی نسبت پیشگوئی کر دی۔ فالحمد للہ علٰی ذالک۔ منہ

[1] النساء: ۱۵۸ [2] النساء: ۱۵۹

اور نہ یہود کا یہ اعتقاد تھا کہ جس کا رفع جسمانی نہ ہو وہ مومن نہیں ہوتا اور ملعون ہوتا ہے اور خدا کی طرف نہیں جاتا بلکہ شیطان کی طرف جاتا ہے۔ خود یہود قائل ہیں کہ حضرت موسیٰ کا رفع جسمانی نہیں ہوا حالانکہ وہ حضرت موسیٰ کو تمام اسرائیلی نبیوں سے افضل اور صاحب الشریعت سمجھتے ہیں۔ اب تک یہود زندہ موجود ہیں اُن کو پُوچھ کر دیکھ لو کہ انہوں نے حضرت مسیح کے مصلوب ہونے سے کیا نتیجہ نکالا تھا؟ کیا یہ کہ اُن کا رفع جسمانی نہیں ہوا یا یہ کہ اُن کا رفع روحانی نہیں ہوا اور وہ نعوذ باللہ اوپر کو خدا کی طرف نہیں گئے بلکہ نیچے کو شیطان کی طرف گئے۔ بڑی حماقت انسان کی یہ ہے کہ وہ ایسی بحث شروع کر دے جس کو اصل تنازع سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ بمبئی کلکتہ میں صدہا یہودی رہتے ہیں بعض اہل علم اور اپنے مذہب کے فاضل ہیں۔ اُن سے بذریعہ خط دریافت کر کے پُوچھ لو کہ انہوں نے حضرت مسیح پر کیا الزام لگایا تھا اور صلیبی موت کا کیا نتیجہ نکالا تھا۔ کیا عدم رفع جسمانی یا عدم رفع روحانی غرض حضرت مسیح کے رفع کا مسئلہ بھی قرآن شریف میں بے فائدہ اور بغیر کسی محرک کے بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ اِس میں یہود کے اُن خیالات کا ذبّ اور دفع مقصود ہے جن میں وہ حضرت مسیح کے رفع روحانی کے منکر ہیں۔ بھلا اگر تنزل کے طور پر ہم مان بھی لیں کہ یہ لغو حرکت نعوذ باللہ خدا تعالیٰ نے اپنے لئے پسند کی کہ مسیح کو مع جسم اپنی طرف کھینچ لیا اور اپنے نفس پر جسم اور جسمانی ہونے کا اعتراض بھی وارد کر لیا کیونکہ جسم جسم کی طرف کھینچا جاتا ہے پھر بھی طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چونکہ قرآن شریف یہود اور نصاریٰ کی غلطیوں کی اصلاح کرنے آیا ہے اور یہود نے یہ ایک بڑی غلطی اختیار کی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ ملعون قرار دیا اور اُن کے رُوحانی رفع سے انکار کیا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ مر کر خدا کی طرف نہیں گیا۔ بلکہ شیطان کی طرف گیا تو اس الزام کا دفع اور ذبّ قرآن میں کہاں ہے جو اصل منصب قرآن کا تھا کیونکہ جس حالت میں آیت رَافِعُكَ اِلَیَّ اور آیت بل رفعه الله الیه جسمانی رفع کیلئے خاص ہو گئیں تو رُوحانی رفع کا بیان کسی اَور آیت میں ہونا چاہیئے اور یہود اور نصاریٰ کی غلطی دُور کرنے کے لئے کہ جو عقیدۂ لعنت کے متعلق ہے ایسی آیت کی ضرورت ہے کیونکہ جسمانی

رفع لعنت کے مقابل پر نہیں بلکہ جیسا کہ لعنت بھی ایک روحانی امر ہے ایسا ہی رفع بھی ایک امرِ روحانی ہونا چاہیئے۔ پس وہی مقصود بالذات امر تھا۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ جو امر تصفیہ کے متعلق تھا وہ اعتراض تو بدستور گلے پڑا رہا۔ اور خدا نے خواہ نخواہ ایک غیر متعلق بات جو یہود کے عقیدہ اور باطل استنباط سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتی یعنی رفع جسمانی۔ اس کا قصہ بار بار قرآن شریف میں لکھ مارا۔ گویا سوال دیگر اور جواب دیگر۔ ظاہر ہے کہ رفع جسمانی یہود اور نصاریٰ اور اہلِ اسلام تینوں فرقوں کے عقائد کے رو سے مدار نجات نہیں + ۔ بلکہ کچھ بھی نجات اِس پر موقوف نہیں تو پھر کیوں خدا نے اس کو بار بار ذکر کرنا شروع کر دیا۔ یہود کا یہ کب مذہب ہے کہ بغیر جسمانی رفع کے نجات نہیں ہو سکتی اور نہ سچا نبی ٹھیر سکتا ہے۔ پھر اس لغو ذکر سے فائدہ کیا ہؤا؟ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ جو تصفیہ کے لائق امر تھا جس کے عدم تصفیہ سے ایک سچا نبی جھوٹا ٹھیرتا ہے بلکہ نعوذ باللہ کافر بنتا ہے اور لعنتی کہلاتا ہے اس کا تو قرآن نے کچھ ذکر نہ کیا اور ایک بے ہودہ قصہ رفع جسمانی کا جس سے کچھ بھی فائدہ نہیں شروع کر دیا * ۔ غرض حضرت مسیح

۱۶۵

+ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اُس رفع سے منکر تھے جو ہر ایک مومن کیلئے مدار نجات ہے کیونکہ مسلمانوں کی طرح اُن کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ جان نکلنے کے بعد ہر ایک مومن کی رُوح کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں اور اس کیلئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں مگر کافر پر آسمان کے دروازے بند ہوتے ہیں اس لئے اس کی رُوح نیچے شیطان کی طرف پھینک دی جاتی ہے جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں بھی شیطان کی طرف ہی جاتا تھا لیکن مومن اپنی زندگی میں اوپر کی طرف جاتا ہے۔ اس لئے مرنے کے بعد بھی خدا کی طرف اس کا رفع ہوتا ہے اور ارجعی الٰی ربّک کی آواز آتی ہے۔ منہ

* رفع جسمانی کا خیال اُس وقت نصاریٰ کے دل میں پیدا ہؤا جبکہ اُن کا ارادہ ہؤا کہ حضرت مسیح کو خدا بنا دیں اور دنیا کا منجی قرار دیں ورنہ نصاریٰ بھی خود اس بات کے قائل ہیں کہ نجات کے لئے تو صرف روحانی رفع کافی ہے پس افسوس کہ جس امر کو نصاریٰ حضرت مسیح کی خدائی کے لئے استعمال کرتے ہیں اور انکی ایک خصوصیت ٹھیراتے ہیں وہی امر مسلمانوں نے بھی اپنے عقیدہ میں داخل کر لیا ہے۔ اگر مسلمان یہ جواب دیں کہ ہم تو ادریس کو بھی مسیح کی طرح آسمان پر [۱] ـــــ عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ دوسرا جھوٹ ہے کیونکہ جیسا کہ تفسیر فتح البیان میں لکھا ہے کہ اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے کہ ادریس آسمان پر زندہ بجسم عنصری نہیں ورنہ ماننا پڑے گا کہ وہ بھی کسی دن زمین پر مرنے کے لئے آئیگا۔ تو اب خواہ نخواہ رفع جسمانی میں مسیح کی خصوصیت ماننی پڑی اور قبول کرنا پڑا کہ اس کا جسم غیر فانی ہے اور خدا کے پاس بیٹھا ہؤا ہے اور یہ صریح باطل ہے۔ منہ

([۱] معلوم ہوتا ہے کہ کاتب کی غلطی سے یہاں کچھ لفظ رہ گیا ہے جو غالباً "رہنے" کا لفظ ہے۔ شمس)

کی موت اور رفع جسمانی[1] پر یہ دلائل ہیں جو ہم نے بہت بسط سے اپنی کتابوں میں بیان کئے ہیں - اور اب تک ہمارے مخالف عدم جواب کی وجہ سے ہمارے مدیون ہیں - پھر اس میں اب ہم پیر مہر علی شاہ یا کسی اور پیر صاحب یا مولوی صاحب سے کیا بحث کریں - ہم تو باطل کو ذبح کر چکے اب ذبح کے بعد کیوں اپنے ذبیحہ پر بے فائدہ چھری پھیریں - اے حضرات ! ان امور میں اب بحثوں کا وقت نہیں - اب تو ہمارے مخالفوں کے لئے ڈرنے اور توبہ کرنے کا وقت ہے کیونکہ جہاں تک اس دنیا میں ثبوت ممکن ہے اور جہاں تک حقائق اور دعاوی کو ثابت کیا جاتا ہے اسی طرح ہم نے حضرت مسیح کی موت اور اُن کے رفع روحانی کو ثابت کر دیا ہے - فماذا بعد الحق الا الضلال[2]۔

اب موتِ مسیح کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ مسیح موعود کا اسی اُمت میں سے آنا کن نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ اور دیگر قرائن سے ثابت ہے - سو وہ دلائل ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں - غور سے سنو شاید خدائے رحیم ہدایت کرے -

منجملہ ان دلائل کے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں جو آنے والا مسیح جس کا اِس اُمت کے لئے وعدہ دیا گیا ہے وہ اسی اُمت میں سے ایک شخص ہوگا - بخاری اور مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں امامکم منکم اور امّکم منکم لکھا ہے - جس کے یہ معنے ہیں کہ وہ تمہارا امام ہوگا اور تم ہی میں سے ہوگا چونکہ یہ حدیث آنے والے عیسٰی کی نسبت ہے اور اسی کی تعریف میں اِس حدیث میں حَکَم اور عدل کا لفظ بطور صفت موجود ہے جو اس فقرہ سے پہلے ہے اس لئے امام کا لفظ بھی اسی کے حق میں ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اس جگہ منکم کے لفظ سے صحابہ کو خطاب کیا گیا ہے اور وہی مخاطب تھے - لیکن ظاہر ہے کہ اُن میں سے تو کسی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا - اس لئے منکم کے لفظ سے کوئی ایسا شخص مراد ہے جو خدا تعالیٰ کے علم میں قائم مقام صحابہ ہے اور وہ وہی ہے جس کو اس آیت مفصلہ ذیل میں قائم مقام صحابہ کیا گیا ہے یعنی یہ کہ وآخرین منھم لمّا یلحقوا بھم[3] کیونکہ اس آیت نے ظاہر کیا ہے کہ وہ

[1] سہوِ کاتب معلوم ہوتا ہے - لفظ "رفع روحانی" چاہیئے - (مصحح)
[2] یونس: ۳۳
[3] الجمعہ: ۴

رسول کریم کی رُوحانیت سے تربیت یافتہ ہے اور اسی معنے کے رُو سے صحابہ میں داخل ہے۔ اور
اِس آیت کی تشریح میں یہ حدیث ہے لوکان الایمان معلّقًا بالثریا لنالہ رجل من فارس
اور چونکہ اس فارسی شخص کی طرف وہ صفت منسوب کی گئی ہے جو مسیح موعود اور مہدی سے مخصوص ہے یعنی
زمین جو ایمان اور توحید سے خالی ہو کر ظلم سے بھر گئی ہے پھر اس کو عدل سے پُر کرنا۔ لہٰذا یہی شخص
مہدی اور مسیح موعود ہے اور وہ میں ہوں۔ اور جس طرح کسی دوسرے مدعی مہدویت کے وقت میں
کسوف خسوف رمضان میں آسمان پر نہیں ہوا۔ ایسا ہی تیرہ سو برس کے عرصہ میں کسی نے خدا تعالیٰ کے
الہام سے علم پاکر یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس پیشگوئی لنالہ رجل من فارس کا مصداق میں ہوں۔ اور
پیشگوئی اپنے الفاظ سے بتلا رہی ہے کہ یہ شخص آخری زمانہ میں ہوگا جبکہ لوگوں کے ایمانوں میں بہت
ضعف آجائیگا۔ اور فارسی الاصل ہوگا اور اس کے ذریعہ سے زمین پر دوبارہ ایمان قائم کیا جائیگا
اور ظاہر ہے کہ صلیبی زمانہ سے زیادہ تر ایمان کو صدمہ پہنچانے والا اور کوئی زمانہ نہیں۔ یہی زمانہ ہے
جس میں کہہ سکتے ہیں کہ گویا ایمان زمین پر سے اُٹھ گیا جیسا کہ اِس وقت لوگوں کی عملی حالتیں اور
انقلاب عظیم جو بدی کی طرف ہوا ہے اور قیامت کے علامات صغریٰ جو مدت سے ظہور میں آچکی
ہیں صاف بتلا رہی ہیں۔ اور نیز آیت واٰخرین منھم میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جیسے صحابہ کے
زمانہ میں زمین پر شرک پھیلا ہوا تھا ایسا ہی اُس زمانہ میں بھی ہوگا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اس
حدیث اور اس آیت کو باہم ملانے سے یقینی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ پیشگوئی مہدی آخرالزمان اور
مسیح آخرالزمان کی نسبت ہے۔ کیونکہ مہدی کی تعریف میں یہ لکھا ہے کہ وہ زمین کو عدل سے بھر دیگا
جیسا کہ وہ ظلم اور جور سے بھری ہوئی تھی۔ اور مسیح آخرالزمان کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دوبارہ
ایمان اور امن کو دنیا میں قائم کر دے گا اور شرک کو محو کرے گا اور ملل باطلہ کو ہلاک کر دے گا۔ پس
ان حدیثوں کا مآل بھی یہی ہے کہ مہدی اور مسیح کے زمانہ میں وہ ایمان جو زمین پر سے اُٹھ گیا۔ اور
ثریا تک پہنچ گیا تھا پھر دوبارہ قائم کیا جائیگا۔ اور ضرور ہے کہ اوّل زمین ظلم سے پُر ہو جائے اور
ایمان اُٹھ جائے کیونکہ جبکہ لکھا ہے کہ تمام زمین ظلم سے بھر جائیگی تو ظاہر ہے کہ ظلم اور ایمان

ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ ناچار ایمان اپنے اصلی مقر کی طرف جو آسمان ہے چلا جائیگا۔ غرض تمام زمین کا ظلم سے بھر جانا اور ایمان کا زمین پر سے اُٹھ جانا۔ اس قسم کی مصیبتوں کا زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد ایک ہی زمانہ ہے جس کو مسیح کا زمانہ یا مہدی کا زمانہ کہتے ہیں۔ اور احادیث نے اس زمانہ کو تین پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ رجل فارسی کا زمانہ۔ مہدی کا زمانہ۔ مسیح کا زمانہ۔ اور اکثر لوگوں نے قلتِ تدبّر سے ان تین ناموں کی وجہ سے تین علیحدہ علیحدہ شخص سمجھ لئے ہیں۔ اور تین قومیں اُن کے لئے مقرر کی ہیں۔ ایک فارسیوں کی قوم۔ دوسری بنی اسرائیل کی قوم۔ تیسری بنی فاطمہ کی قوم۔ مگر یہ تمام غلطیاں ہیں۔ حقیقت میں یہ تینوں ایک ہی شخص ہے جو تھوڑے تھوڑے تعلق کی وجہ سے کسی قوم کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ مثلاً ایک حدیث سے جو کنز العمال میں موجود ہے سمجھا جاتا ہے کہ اہل فارس یعنی بنی فارس بنی اسحاق میں سے ہیں۔ پس اس طرح پر وہ آنے والا مسیح اسرائیلی ہوا۔ اور بنی فاطمہ کے ساتھ انتہائی تعلق رکھنے کی وجہ سے جیسا کہ مجھے حاصل ہے فاطمی بھی ہوا پس گویا وہ نصف اسرائیلی ہوا اور نصف فاطمی ہوا جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے۔ ہاں میرے پاس فارسی ہونے کے لئے بجز الہام الٰہی کے اور کچھ ثبوت نہیں لیکن یہ الہام اس زمانہ کا ہے کہ جب اس دعویٰ کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ یعنی آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں لکھا گیا ہے اور وہ یہ ہے خذوا التوحید التوحید یا ابناء الفارس یعنی توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو اے فارس کے بیٹو۔ اور پھر دوسری جگہ یہ الہام ہے۔ ان الذین صدّوا عن سبیل اللہ ردّ علیھم رجل من فارس شکر اللہ سعیہ۔ یعنی جو لوگ خدا کی راہ سے روکتے تھے ایک شخص فارسی الاصل نے اُن کا ردّ لکھا۔ خدا نے اُس کی کوشش کا شکریہ کیا۔ ایسا ہی ایک اور جگہ براہین احمدیہ میں یہ الہام ہے۔ لو کان الایمان معلّقًا بالثریّا لنالہ رجل من فارس ✠

ص ۱۹

✠ چونکہ تیرہ سو برس تک خدا کے الہام کے امر سے اس پیشگوئی کے مصداق ہونے کا کسی نے دعویٰ نہیں کیا اور ممکن نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی جھوٹی ہو اس لئے جس شخص نے یہ دعویٰ کیا اور دعویٰ بھی قبل از اعتراض پیش آمدہ۔ اس کا ردّ کرنا گویا پیشگوئی کی تکذیب ہے۔ منہ

یعنی اگر ایمان ثریا پر اٹھایا جاتا اور زمین سراسر بے ایمانی سے بھر جاتی تب بھی یہ آدمی جو فارسی الاصل ہے اس کو آسمان پر سے لے آتا۔ اور بنی فاطمہ ہونے میں یہ الہام ہے۔ الحمد للّٰہ الذی جعل لکم الصہر+ والنسب. اشکر نعمتی رئیت خدیجتی۔ یعنی تمام حمد اور تعریف اس خدا کے لئے جس نے تمہیں فخر دامادی سادات اور فخر علو نسب جو دونوں مماثل و مشابہ ہیں عطا فرمایا یعنی تمہیں سادات کا داماد ہونے کی فضیلت عطا کی اور نیز بنی فاطمہ امہات میں سے پیدا کر کے تمہارے نسب کو عزت بخشی اور میری نعمت کا شکر کر کہ تو نے میری خدیجہ کو پایا* یعنی بنی اسحاق کی وجہ سے ایک تو آبائی عزت تھی اور دوسری بنی فاطمہ ہونے کی عزت اس کے ساتھ ملحق ہوئی۔ اور سادات کی دامادی کی طرف اس عاجز کی بیوی کی طرف اشارہ ہے جو سیدہ

+ الہام الحمد للّٰہ الذی جعل لکم الصہر والنسب سے ایک لطیف استدلال میرے بنی فاطمہ ہونے پر پیدا ہوتا ہے کیونکہ صہر اور نسب اس الہام میں ایک ہی جعل کے نیچے رکھے گئے ہیں اور ان دونوں کو قریباً ایک ہی وجہ کا امر قابل حمد ٹھیرایا گیا ہے۔ اور یہ صریح دلیل اس بات پر ہے کہ جس طرح صہر یعنی دامادی کو بنی فاطمہ سے تعلق ہے اسی طرح نسب میں بھی فاطمیت کی آمیزش والدات کی طرف سے ہے اور صہر کو نسب پر مقدم رکھنا اسی فرق کے دکھلانے کیلئے ہے کہ صہر میں خالص فاطمیت ہے اور نسب میں اس کی آمیزش۔ منہ

* یہ الہام براہین میں درج ہے۔ اس میں بطور پیشگوئی اشارۃً یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ تمہاری شادی جو سادات میں مقدر ہے مزدوری طور پر ہونے والی ہے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو خدیجہ کے نام سے یاد کیا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ایک بڑے خاندان کی ماں ہو جائیگی۔ اس جگہ یہ عجیب لطیفہ ہے کہ خدا نے ابتدائے سلسلۂ سادات میں سادات کی ماں ایک فارسی عورت مقرر کی جس کا نام شہر بانو تھا۔ اور دوسری مرتبہ ایک فارسی خاندان کی بنیاد ڈالنے کے لئے ایک سیدہ عورت مقرر کی جس کا نام نصرت جہان بیگم ہے۔ گویا فارسیوں کے ساتھ یہ عوض معاوضہ کیا کہ پہلے ایک بیوی فارسی الاصل سید کے گھر میں آئی اور پھر آخری زمانہ میں ایک بیوی سیدہ فارسی مرد کے ساتھ بیاہی گئی اور عجیب تر یہ کہ دونوں کے نام بھی باہم ملتے ہیں۔ اور جس طرح سادات کا خاندان پھیلانے کے لئے وعدہ الٰہی تھا اس جگہ بھی براہین احمدیہ کے الہام میں اس خاندان کے پھیلانے کا وعدہ ہے اور وہ یہ ہے :۔ "سبحان اللّٰہ تبارک وتعالٰی زاد مجدک ینقطع اٰباءک ویبدء منک"۔ فالحمد للّٰہ علٰی ذالک۔ منہ

سنادی سادات دہلی میں سے ہیں - میردرد کے خاندان سے تعلق رکھنے والے - اسی فاطمی تعلق کی طرف اس کشف میں اشارہ ہے جو آج سے تیس برس پہلے براہین احمدیہ میں شائع کیا گیا جس میں دیکھا تھا کہ حضرات پنج تن سید الکونین حسنین فاطمۃ الزہراء اور علی رضی اللہ عنہ عین بیداری میں آئے - اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کمال محبت اور مادرانہ عطوفت کے رنگ میں اس خاکسار کا سر اپنی ران پر رکھ لیا اور عالم خاموشی میں ایک غمگین صورت بنا کر بیٹھے رہے - اسی روز سے مجھ کو اس خونی آمیزش کے تعلق پر یقین کلی ہوا - فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک -

غرض میرے وجود میں ایک حصہ اسرائیلی ہے اور ایک حصہ فاطمی - اور میں دونوں مبارک پیوندوں سے مرکب ہوں - اور احادیث اور آثار کو دیکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ آنیوالے مہدی آخر الزمان کی نسبت یہی لکھا ہے کہ وہ مرکب الوجود ہوگا - ایک حصہ بدن کا اسرائیلی اور ایک حصہ محمدی - کیونکہ خدا تعالیٰ نے چاہا کہ جیسا کہ آنے والے مسیح کے منصبی کاموں میں بیرونی اور اندرونی اصلاح کی ترکیب ہے یعنی یہ کہ وہ کچھ مسیحی رنگ میں ہے اور کچھ محمدی رنگ میں کام کرے گا ایسا ہی اس کی سرشت میں بھی ترکیب ہے - غرض اس حدیث اماکم منکم سے ثابت ہے کہ آنے والا مسیح ہرگز اسرائیلی نبی نہیں ہے بلکہ اسی امت میں سے ہے جیسا کہ ظاہر نص یعنی اماکم منکم اسی پر دلالت کرتا ہے اور اس تکلف اور تاویل کے لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آکر اُمتی بن جائیں گے اور نبی نہیں رہیں گے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے - اور عبارت کا حق ہے کہ قبل وجود قرینہ اس کو ظاہر پر حمل کیا جائے ورنہ یہودیوں کی طرح ایک تحریف ہوگی - غرض یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ بنی اسرائیلی دنیا میں آکر مسلمانوں کا جامہ پہن لیگا اور امتی کہلائیگا یہ ایک غیر معقول تاویل ہے جو قوی دلائل چاہتی ہے - تمام نصوص حدیثیہ اور قرآنیہ کا یہ حق ہے کہ اُن کے معنے ظاہر عبارت کے رُو سے کئے جائیں اور ظاہر پر حکم کیا جائے جبتک کہ کوئی قرینہ صارفہ پیدا نہ ہو - اور بغیر قرینہ قویہ صارفہ ہرگز خلاف ظاہر معنے نہ کئے جائیں اور اماکم منکم کے ظاہری معنی یہی ہیں جو وہ امام اسی امت محمدیہ میں پیدا ہوگا -

اب اس کے برخلاف اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ حضرت عیسیٰ بنی اسرائیلی جس پر انجیل نازل ہوئی تھی وہی دنیا میں دوبارہ آکر امتی بن جائیں گے تو یہ ایک نیا دعویٰ ہے جو ظاہر نص کے برخلاف ہے اس لئے قوی ثبوت کو چاہتا ہے۔ کیونکہ دعویٰ بغیر دلیل کے قابل پذیرائی نہیں اور ایک دوسرا قرینہ اس پر یہ ہے کہ صحیح بخاری میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہلاتی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ سُرخ رنگ لکھا ہے جیسا کہ عام طور پر شامی لوگوں کا ہوتا ہے ایسا ہی اُن کے بال بھی خمدار لکھے ہیں۔ مگر آنے والے مسیح کا رنگ ہر ایک حدیث میں گندم گوں لکھا ہے۔ اور بال سیدھے لکھے ہیں اور تمام کتاب میں یہی التزام کیا ہے کہ جہاں کہیں حضرت عیسیٰ نبی علیہ السلام کے حلیہ لکھنے کا اتفاق ہؤا ہے تو ضرور بالالتزام اُسکو احمر یعنی سُرخ رنگ لکھا ہے۔ اور اس احمر کے لفظ کو کسی جگہ چھوڑا نہیں۔ اور جہاں کہیں آنیوالے مسیح کا حلیہ لکھنا پڑا ہے تو ہر ایک جگہ بالالتزام اس کو آدم یعنی گندم گوں لکھا ہے۔ یعنی امام بخاری نے جو لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھے ہیں جس میں ان دونوں مسیحوں کا ذکر ہے وہ ہمیشہ اس قاعدہ پر قائم رہے ہیں جو حضرت عیسیٰ نبی اسرائیلی کے لئے احمر کا لفظ اختیار کیا ہے اور آنے والے مسیح کی نسبت آدم یعنی گندم گوں کا لفظ اختیار کیا ہے پس اس التزام سے جسکو کسی جگہ صحیح بخاری کی حدیثوں میں ترک نہیں کیا گیا بجز اس کے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عیسیٰ ابن مریم نبی اسرائیلی اَور تھا۔ اور آنیوالا مسیح جو اسی امت میں سے ہوگا اَور ہے۔ ورنہ اس بات کا کیا جواب ہے کہ تفریقِ حُلیتین کا پورا التزام کیوں کیا گیا۔ ہم اس بات کے ذمہ دار نہیں ہیں اگر کسی اور محدث نے اپنی ناواقفی کی وجہ سے احمر کی جگہ آدم اور آدم کی جگہ احمر لکھ دیا ہو مگر امام بخاری جو حافظ حدیث اور اوّل درجہ کا نقاد ہے اُس نے اِس بارے میں کوئی ایسی حدیث نہیں لی جس میں مسیح بنی اسرائیلی کو آدم لکھا گیا ہو یا آنیوالے مسیح کو احمر لکھا گیا ہو۔ بلکہ امام بخاری نے نقل حدیث کے وقت اِس شرط کو عمدًا لیا ہے اور برابر اوّل سے آخر تک اس کو ملحوظ رکھا ہے پس جو حدیث امام بخاری کی

شرط کے مخالف ہو وہ قبول کے لائق نہیں۔

اور منجملہ ان دلائل کے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعود اسی امت میں سے ہوگا قرآن شریف کی یہ آیت ہے۔ کنتم خیر امّة اخرجت للناس[1]۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم بہتر ین امت ہو جو اس لئے نکالی گئی ہو کہ تا تم تمام دجّالوں اور دجال معہود کا فتنہ فرو کر کے اور اُن کے شر کو دفع کر کے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچاؤ۔ واضح رہے کہ قرآن شریف میں الناس کا لفظ بمعنی دجال معہود بھی آتا ہے۔ اور جس جگہ ان معنوں کو قرینہ قویّہ متعین کرے تو پھر اور معنے کرنا معصیت ہے۔ چنانچہ قرآن شریف کے ایک اور مقام میں الناس کے معنے دجّال ہی لکھا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ لخلق السمٰوٰت والارض اکبر من خلق الناس[2]۔ یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں اسرار اور عجائبات پُر ہیں دجّال معہود کی طبائع کی بناوٹ اس کے برابر نہیں۔ یعنی گو وہ لوگ اسرار زمین و آسمان کے معلوم کرنے میں کتنی ہی جانکاہی کریں اور کیسی ہی طبع وقّاد لاویں پھر بھی ان کی طبیعتیں ان اسرار کے انتہا تک پہنچ نہیں سکتیں۔ یاد رہے کہ اسجگہ بھی مفسرین نے النّاس سے مراد دجّال معہود ہی لیا ہے دیکھو تفسیر معالم وغیرہ۔ اور قرینہ قویّہ اس پر یہ ہے کہ لکھا ہے کہ دجّال معہود اپنی ایجادوں اور صنعتوں سے خدا تعالیٰ کے کاموں پر ہاتھ ڈالے گا اور اس طرح پر خدائی کا دعویٰ کرے گا اور اس بات کا سخت حریص ہوگا کہ خدائی باتیں جیسے بارش برسانا اور پھل لگانا اور انسان وغیرہ حیوانات کی نسل جاری رکھنا اور سفر اور حضر اور صحت کے سامان فوق العادت طور پر انسان کے لئے مہیا کرنا ان تمام باتوں میں قادر مطلق کی طرح کارروائیاں کرے۔ اور سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت میں ہو جائے اور کوئی بات اس کے آگے انہونی نہ رہے اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ اور خلاصہ مطلب آیت یہ ہے کہ زمین آسمان میں جسقدر اسرار رکھے گئے ہیں جن کو دجّال بذریعہ علم طبعی اپنی قدرت میں کرنا چاہتا ہے وہ اسرار اُس کے اندازۂ جودت طبع اور مبلغ علم سے بڑھ کر ہیں۔ اور جیسا کہ آیت ممدوحہ میں النّاس کے لفظ سے

[1] آل عمران: ۱۱۱ [2] المومن: ۵۸

ص ۲۱

دجال مراد ہے۔ ایسا ہی آیت اخرجت للنّاس میں بھی الناس کے لفظ سے دجّال ہی مراد ہے۔ کیونکہ تقابل کے قرینہ سے اس آیت کے یہ معنے معلوم ہوتے ہیں کہ کنتم خیر الناس اخرجت لشرّ الناس۔ اور شرّ الناس سے بلاشبہ گروہ دجّال مراد ہے۔ کیونکہ حدیث نبوی سے ثابت ہے کہ آدم سے قیامت تک شرانگیزی میں دجّال کی مانند نہ کوئی ہوا اور نہ ہوگا اور یہ ایک ایسی محکم اور قطعی دلیل ہے کہ جس کے دونوں حصّے یقینی اور قطعی اور عقائد مسلّمہ میں سے ہیں۔ یعنی جیسا کہ کسی مسلمان کو اس بات سے انکار نہیں کہ یہ اُمت خیر الامم ہے اسی طرح اس بات سے بھی انکار نہیں کہ گروہ دجّال شرّ الناس ہے۔ اور اس تقسیم پر یہ دو آیتیں بھی دلالت کرتی ہیں جو سورۃ لم یکن میں ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ ان الذین کفروا من اھل الکتاب و المشرکین فی نار جھنم خالدین فیھا اولٰئک ھم شرّ البریّة ۞ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّالحات اولٰئک ھم خیر البریّة[1]۔ دیکھو اس آیت کے رو سے ایک ایسے گروہ کو شرّ البریہ کہا گیا ہے جس میں سے گروہ دجّال ہے۔ اور ایسے گروہ کو خیر البریہ کہا گیا ہے جو امتِ محمدیہ ہے۔ بہرحال آیت خیر امّة کا لفظ النّاس کے ساتھ مقابلہ ہوکر قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ النّاس سے مراد دجّال ہے اور یہی ثابت کرنا تھا۔ اور اس مقصد پر ایک یہ بھی بزرگ قرینہ ہے کہ خدا کی عادت حکیمانہ یہی چاہتی ہے کہ جس نبی کے عہدِ نبوت میں دجّال پیدا ہو۔ اُسی نبی کی امّت کے بعض افراد اس فتنہ کو فرو کرنے والے ہوں۔ نہ یہ کہ فتنہ تو پیدا ہووے عہدِ نبوتِ محمدیہ میں اور کوئی گذشتہ نبی اس کے فرو کرنے کے لئے نازل ہو اور یہی قدیم سے اور جب سے کہ شریعتوں کی بنیاد پڑی سنّت اللہ ہے کہ جس کسی نبی کے عہد نبوت میں کوئی مفسد فرقہ پیدا ہوا اُسی نبی کے بعض جلیل الشان وارثوں کو اس فساد کے فرو کرنے کے لئے حکم دیا گیا۔ ہاں اگر یہ فتنہ دجّال کا حضرت مسیح کے عہد نبوت میں ہوتا تو اُن کا حق تھا کہ خود وہ یا کوئی اُن کے حواریوں اور خلیفوں میں سے اس فتنہ کو فرو کرتا مگر یہ کیا اندھیر کی بات ہے کہ یہ اُمت کہلاوے تو خیر الامم مگر خدا تعالیٰ کی نظر میں اسقدر نالائق

ص ۲۲

[1] البیّنة : ۷، ۸

اور نیکی ہو کہ جب کسی فتنہ کے دُور کرنے کا موقع آوے تو اس کے دُور کرنے کیلئے کوئی شخص باہر سے مامور ہو اور اس اُمت میں کوئی ایسا لائق نہ ہو کہ اس فتنہ کو دُور کر سکے۔ گویا اس امت کی اس صورت میں وہ مثال ہوگی مثلاً کوئی گورنمنٹ ایک نیا ملک فتح کرے جس کے باشندے جاہل اور نیم وحشی ہوں تو آخر اس گورنمنٹ کو مجبوری سے یہ کرنا پڑے کہ اس ملک کے مالی اور دیوانی اور فوجداری کے انتظام کے لئے باہر سے لائق آدمی طلب کرکے معزز عہدوں پر ممتاز کرے۔ سو ہرگز عقل سلیم قبول نہیں کر سکتی کہ جس امت کے ربانی علماء کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل یعنی میری امت کے علماء اسرائیلی پیغمبروں کی طرح ہیں۔ اخیر پر ان کی یہ ذلت ظاہر کرے کہ دجّال جو خدائے عظیم القدرت کی نظر میں کچھ بھی چیز نہیں اس کے فتنہ کے فرو کرنے کے لئے اُن میں مادۂ لیاقت نہ پایا جائے۔ اسلئے ہم اسی طرح پر جیسا کہ آفتاب کو دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ آفتاب ہے اس آیت کنتم خیر امۃ اخرجت للناس[1] کو پہچانتے ہیں اور اس کے یہی معنے کرتے ہیں کہ کنتم خیر امۃ اخرجت لشر الناس الذی ھو الدجال المعھود - یاد رہے کہ ہر ایک اُمت سے ایک خدمت دینی لی جاتی ہے اور ایک قسم کے دشمن کے ساتھ اس کا مقابلہ پڑتا ہے سو مقدر تھا کہ اس اُمت کا دجّال کے ساتھ مقابلہ پڑیگا۔ جیسا کہ حدیث نافع بن عقبہ سے مسلم میں صاف لکھا ہے کہ تم دجّال کے ساتھ لڑو گے اور فتح پاؤ گے۔ اگرچہ صحابہ دجّال کے ساتھ نہیں لڑے مگر حسب منطوق اٰخرین منھم مسیح موعود اور اس کے گروہ کو صحابہ قرار دیا[*]۔ اب دیکھو اس حدیث میں بھی لڑنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[*] عن نافع بن عقبۃ قال قال رسول اللّٰہ صلعم تغزون جزیرۃ العرب فیفتحھا اللّٰہ ثم فارس فیفتحھا اللّٰہ ثم تغزون الروم فیفتحھا اللّٰہ ثم تغزون الدجال فیفتحھا اللّٰہ - رواہ مسلم- مشکوٰۃ شریف باب الملاحم صفحہ ۴۶۲ مطبع مجتبائی دہلی - منہ -

[1] اٰل عمران : ۱۱۱

اپنے صحابہ کو (جو امت ہیں) قرار دیا۔ اور یہ نہ کہا کہ مسیح بنی اسرائیلی اُترے گا۔ اور نزول کا لفظ محض اجلال اور اکرام کے لئے ہے۔ اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چونکہ اس پُر فساد زمانہ میں ایمان ثریا پر چلا جائے گا اور تمام پیری مریدی اور شاگردی استادی اور افادہ استفادہ معرضِ زوال میں آجائے گا اس لئے آسمان کا خدا ایک شخص کو اپنے ہاتھ سے تربیت دیکر بغیر توسط زمینی سلسلوں کے زمین پر بھیجے گا جیسے کہ بارش آسمان سے بغیر توسط انسانی ہاتھوں کے نازل ہوتی ہے۔

اور منجملہ دلائل قویّہ قطعیہ کے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں جو مسیح موعود اسی اُمتِ محمدیہ میں سے ہوگا قرآن شریف کی یہ آیت ہے۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم[1] الخ یعنی خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے جو ایماندار ہیں اور نیک کام کرتے ہیں وعدہ فرمایا ہے۔ جو ان کو زمین پر اُنہی خلیفوں کی مانند جو اُن سے پہلے گذر چکے ہیں خلیفے مقرر فرمائیگا۔ اس آیت میں پہلے خلیفوں سے مُراد حضرت موسیٰ کی امت میں سے خلیفے ہیں جن کو خدا تعالےٰ نے حضرت موسیٰ کی شریعت کو قائم کرنے کے لئے پے در پے بھیجا تھا۔ اور خاص کر کسی صدی کو ایسے خلیفوں سے جو دین موسوی کے مجدّد تھے خالی نہیں جانے دیا تھا اور قرآن شریف نے ایسے خلیفوں کا شمار کرکے ظاہر فرمایا ہے کہ وہ بارہ ہیں اور تیرھواں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو موسوی شریعت کا مسیح موعود ہے۔ اور اس مماثلت کے لحاظ سے جو آیت ممدوحہ میں کَمَا کے لفظ سے مستنبط ہوتی ہے ضروری تھا کہ محمدی خلیفوں کو موسوی خلیفوں سے مشابہت ومماثلت ہو۔ سو اسی مشابہت کے ثابت اور متحقق کرنے کے لئے خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں بارہ موسوی خلیفوں کا ذکر فرمایا جن میں سے ہر ایک حضرت موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور تیرھواں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جو موسیٰ کی قوم کا خاتم الانبیاء تھا مگر درحقیقت موسیٰ کی قوم میں سے نہیں تھا۔ اور پھر خدا نے محمدی سلسلہ کے خلیفوں کو موسوی

[1] النور : ۵۶

سلسلہ کے خلیفوں سے مشابہت دیکر صاف طور پر سمجھا دیا کہ اس سلسلہ کے آخر میں بھی ایک مسیح ہے اور درمیان میں بارہؔ خلیفے ہیں تا موسوی سلسلہ کے مقابل پر اسجگہ بھی چودؔہ کا عدد پورا ہو۔ ایسا ہی سلسلہ محمدی خلافت کے مسیح موعود کو چودھویں صدی کے سر پر پیدا کیا کیونکہ موسوی سلسلہ کا مسیح موعود بھی ظاہر نہیں ہوا تھا جب تک کہ سن موسوی کے حساب سے چودھویں صدی نے ظہور نہیں کیا تھا۔ ایسا کیا گیا تا دونوں مسیحوں کا مبدء سلسلہ سے فاصلہ باہم مشابہ ہو اور سلسلہ کے آخری خلیفہ مجدّد کو چودھویں صدی کے سر پر ظاہر کرنا تکمیل نور کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ مسیح موعود اسلام کے قمر کا متمم نور ہے اسلئے اس کی تجدید چاند کی چودھویں رات سے مشابہت رکھتی ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں کہ لیظھرہٗ علی الدین کلّہٖ[1] کیونکہ اظہار تام اور اتمام نور ایک ہی چیز ہے۔ اور یہ قول کہ لیظھرہٗ علی الادیان کلّہا الاظہار مساوی اس قول سے ہے کہ لیتم نورہٗ کل الاتمام اور پھر دوسری آیت میں اس کی اَور بھی تصریح ہے اور وہ یہ ہے۔ یریدون لیطفئوا نور اللّٰہ بافواھھم واللّٰہ متم نورہٖ ولو کرہ الکافرون[2]۔ اس آیت میں تصریح سے سمجھایا گیا ہے کہ مسیح موعود چودھویں صدی میں پیدا ہوگا۔ کیونکہ اتمام نور کے لئے چودھویں رات مقرر ہے۔ غرض جیسا کہ قرآن شریف میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ بن مریم کے درمیان بارہ خلیفوں کا ذکر فرمایا گیا اور اُن کا عدد بارہ ظاہر کیا گیا اور یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ وہ تمام بارؔہ کے بارؔہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھے مگر تیرھواں خلیفہ جو آخری خلیفہ ہے یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنے باپ کے رُو سے اس قوم میں سے نہیں تھا کیونکہ اس کا کوئی باپ نہ تھا جس کی وجہ سے وہ حضرت موسیٰ سے اپنی شاخ ملا سکتا۔ یہی تمام باتیں سلسلہ خلافتِ محمدیہ میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی حدیث متفق علیہ سے ثابت ہے کہ اس سلسلہ میں بھی درمیانی خلیفے بارہ ہیں اور تیرھواں جو خاتم ولایت محمدیہ ہے وہ محمدی قوم میں سے نہیں ہے یعنی قریش میں سے نہیں۔ اور یہی چاہیئے تھا کہ بارہ خلیفے تو حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی قوم میں سے

[1] الصف: ۱۰ [2] الصف: ۹

۲۴

ہونے اور آخری خلیفہ اپنے آباؤ اجداد کے رُو سے اس قوم میں سے نہ ہوتا تا تحقق مشابہت اکمل اور اتم طور پر ہو جاتا۔ سو الحمد للہ والمنّۃ کہ ایسا ہی ظہور میں آیا کیونکہ بخاری اور مسلم میں یہ حدیث متفق علیہ ہے جو جابر بن سمرہ سے ہے اور وہ یہ ہے۔ لایزال الاسلام عزیزًا الی اثنی عشر خلیفۃ کلھم من قریش۔ یعنی بارہ خلیفوں کے ہوتے تک اسلام خوب قوت اور زور میں رہے گا۔ مگر تیرھواں خلیفہ جو مسیح موعود ہے اُس وقت آئیگا جبکہ اسلام غلبۂ صلیب اور غلبہ دجالیّت سے کمزور ہو جائیگا۔ اور وہ بارہ خلیفے جو غلبۂ اسلام کے وقت آتے رہیں گے وہ سب کے سب قریش میں سے ہونگے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم میں سے ہونگے۔* مگر مسیح موعود جو اسلام کے ضعف کے وقت آئیگا وہ قریش کی

* الفاظ حدیث یہ ہیں۔ عن جابر بن سمرۃ قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لایزال الاسلام عزیزًا الی اثنی عشر خلیفۃ کلھم من قریش متفق علیہ مشکوٰۃ شریف باب مناقب قریش۔ یعنی اسلام بارہ خلیفوں کے ظہور تک غالب رہے گا اور وہ تمام خلیفے قریش میں سے ہونگے اس جگہ یہ دعویٰ نہیں ہو سکتا کہ مسیح موعود بھی انہی بارہ میں داخل ہے کیونکہ متفق علیہ یہ امر ہے کہ مسیح موعود اسلام کی قوت کے وقت نہیں آئیگا بلکہ اس وقت آئیگا جبکہ زمین پر نصرانیت کا غلبہ ہوگا جیسا کہ یکسر الصلیب کے فقرہ سے مستنبط ہوتا ہے۔ پس ضرور ہے کہ مسیح کے ظہور سے پہلے اسلام کی قوت جاتی رہے اور مسلمانوں کی حالت پر ضعف طاری ہو جائے۔ اور اکثر ان کے دوسری طاقتوں کے نیچے اسی طرح محکوم ہوں جیسا کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے ظہور کے وقت یہودیوں کی حالت ہو رہی تھی۔ چونکہ حدیثوں میں مسیح موعود کا خاص طور پر تذکرہ تھا اس لئے بارہ خلیفوں سے اس کو الگ دکھا گیا۔ کیونکہ مقدّر ہے کہ وہ نزولِ شدائد و مصائب کے بعد آوے۔ اور اس وقت آوے جبکہ اسلام کی حالت میں ایک صریح انقلاب پیدا ہو جائے۔ اور اسی طرز سے حضرت عیسٰے علیہ السلام آئے تھے۔ یعنی ایسے وقت میں جبکہ یہودیوں میں ایک صریح زوال کی علامت پیدا ہو گئی تھی۔ پس اس طریق سے حضرت موسٰی کے خلیفے بھی تیرہ۱۳ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفے بھی تیرہ۱۳۔ اور جیسا کہ حضرت موسٰے سے حضرت عیسٰے علیہ السلام چودھویں جگہ تھے ایسا ہی ضرور تھا کہ اسلام کا مسیح موعود بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے چودھویں جگہ پر ہو اسی مشابہت سے مسیح موعود کا چودھویں صدی میں ظاہر ہونا ضروری تھا۔ منہ

قوم میں سے نہیں ہوگا۔ کیونکہ ضرور تھا کہ جیسا کہ موسوی سلسلہ کا خاتم الانبیاء اپنے باپ کی رو سے حضرت موسیٰ کی قوم میں سے نہیں ہے ایسا ہی محمدی سلسلہ کا خاتم الاولیاء قریش میں سے نہ ہو اور اسی جگہ سے قطعی طور پر اس بات کا فیصلہ ہوگیا کہ اسلام کا مسیح موعود اسی امت میں سے آنا چاہیئے۔ کیونکہ جبکہ نصِ قطعی قرآنی یعنی کَمَا کے لفظ سے ثابت ہوگیا کہ سلسلہ استخلاف محمدی کا سلسلہ استخلاف موسوی سے مماثلت رکھتا ہے جیسا کہ اُسی کَمَا کے لفظ سے ان دو نبیوں یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلت ثابت ہے جو آیت کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا[1] سے سمجھی جاتی ہے تو یہ مماثلت اسی حالت میں قائم رہ سکتی ہے جبکہ محمدی سلسلہ کے آنے والے خلیفے گزشتہ خلیفوں کا عین نہ ہوں بلکہ غیر ہوں ✝ وجہ یہ کہ مشابہت اور مماثلت میں من وجہٍ مغایرت ضروری ہے اور کوئی چیز اپنے نفس کے مشابہ نہیں کہلا سکتی۔ پس اگر فرض کرلیں کہ آخری خلیفہ سلسلہ محمدیہ کا جو تقابل کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابل پر واقع ہوا ہے جس کی

ص۲۵

✝ جبکہ بوجہ کَمَا کے لفظ کے جو آیت کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ[2] میں موجود ہے محمدی سلسلہ کے خلیفوں کی نسبت وجوبًا و قطعًا مان لیا گیا ہے کہ وہ وہی خلیفے نہیں ہیں جو موسوی سلسلہ کے خلیفے تھے ہاں اُن خلیفوں سے مشابہ ہیں۔ اور نیز ساتھ اس کے واقعات نے بھی ظاہر کردیا ہے کہ وہ لوگ پہلے خلیفوں کے عین نہیں ہیں بلکہ غیر ہیں۔ تو پھر آخری خلیفہ اس سلسلہ محمدیہ کی نسبت جو مسیح موعود ہے کیوں یہ گمان کیا جاتا ہے کہ وہ پہلے مسیح کا عین ہے! کیا وہ کَمَا کے لفظ کے نیچے نہیں ہے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ حسب منشاء کَمَا کے لفظ کے محمدی سلسلہ کا مسیح اسرائیلی مسیح کا غیر ہونا چاہیئے نہ عین۔ عین سمجھنا تو قرآن کے منطوق نص پر صریح حملہ ہے بلکہ قرآن شریف کی صریح تکذیب ہے اور نیز ایک بے جا تحکم کہ بارہ خلیفوں کو تو حسب منشاء کَمَا کے لفظ کے اسرائیلی خلیفوں کا غیر سمجھنا اور پھر مسیح موعود کو جو سلسلہ موسویہ کے مقابل پر سلسلہ محمدیہ کا آخری خلیفہ ہے پہلے مسیح کا عین قرار دے دینا۔ وھٰذہٖ نکتۃ مبتکرۃ وحجّۃ باھرۃ ودرّۃ من دُرَرٍ تفرّدت بھا فخذوھا بقوّۃ واشکروا اللّٰہ بانابۃٍ ولا تکونوا من المحرومین۔ منہ

[1] المزمل : ۱۶ [2] النور : ۵۶

نسبت یہ ماننا ضروری ہے کہ وہ اس اُمت کا خاتم الاولیاء ہے✲ جیسا کہ سلسلہ موسویہ کے خلیفوں میں حضرت عیسٰی خاتم الانبیاء ہے۔ اگر درحقیقت وہی عیسٰی علیہ السلام ہے جو دوبارہ آنے والا ہے تو اس سے قرآن شریف کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ قرآن جیسا کہ کَمَا کے لفظ سے مستنبط ہوتا ہے دونوں سلسلوں کے تمام خلیفوں کو من وجہ مغائر قرار دیتا ہے اور یہ ایک نص قطعی ہے کہ اگر ایک دنیا اس کے مخالف اکٹھی ہو جائے۔ تب بھی وہ اس نص واضح کو ردّ نہیں کر سکتی کیونکہ جب پہلے سلسلہ کا عین ہی نازل ہو گیا تو وہ مغائرت فوت ہو گئی اور لفظ کَمَا کا مفہوم باطل ہو گیا۔ پس اس صورت میں تکذیب قرآن شریف لازم ہوئی۔ وھٰذا باطل وکلّما یستلزم الباطل فھو باطل۔

یاد رہے کہ قرآن شریف نے آیت کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ[1] میں وہی کَمَا استعمال کیا ہے جو آیت کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا[2] میں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص یہ دعوٰی کرے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسٰی ہو کر نہیں آئے بلکہ یہ خود موسٰی بطور تناسخ آ گیا ہے۔ یا یہ دعوٰی کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعوٰی صحیح نہیں ہے کہ توریت کی اس پیشگوئی کا میں مصداق ہوں۔ بلکہ اس پیشگوئی کے معنے یہ ہیں کہ خود موسٰی ہی آ جائے گا جو بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہے۔ تو کیا اس فضول دعوٰی کا یہ جواب نہیں دیا جائیگا کہ قرآن شریف میں ہرگز بیان نہیں فرمایا گیا کہ خود موسٰی آئیگا بلکہ کَمَا کے لفظ سے مثیل موسٰی کی طرف اشارہ فرمایا ہے پس یہی جواب ہماری طرف سے ہے کہ اسجگہ بھی سلسلہ خلفاء محمدی کے لئے کَمَا کا لفظ موجود ہے

✲ شیخ محی الدین ابن عربی اپنی کتاب فصوص میں مہدی خاتم الاولیاء کی ایک علامت لکھتے ہیں کہ اس کا خاندان چینی حدود میں سے ہوگا۔ اور اس کی پیدائش میں یہ ندرت ہوگی کہ اس کے ساتھ ایک لڑکی بطور توام پیدا ہوگی۔ یعنی اس طرح پر خدا اناث کا مادہ اس سے الگ کر دے گا۔ سو اسی کشف کے مطابق اس عاجز کی ولادت ہوئی ہے اور اسی کشف کے مطابق میرے بزرگ چینی حدود سے پنجاب میں پہنچے ہیں۔ منہ

[1] النور: ۵۶ [2] المزمّل: ۱۶

اور یہ نص قطعی کلام الٰہی کی آفتاب کی طرح چمک کر ہمیں بتلا رہی ہے کہ سلسلہ خلافت محمدی کے تمام خلیفے خلفاء موسوی کے مثیل ہیں۔ اسی طرح آخری خلیفہ جو خاتم ولایت محمدیہ ہے جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے وہ حضرت عیسیٰ سے جو خاتم سلسلۂ نبوت موسویہ ہے مماثلت اور مشابہت رکھتا ہے۔ مثلاً دیکھو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت یوشع بن نون سے کیسی مشابہت ہے کہ انہوں نے ایسا ایک ناتمام کام لشکر اسامہ اور انبیاء کاذبین کے مقابلہ کا پورا کیا جیسا کہ حضرت یوشع بن نون نے پورا کیا۔ اور آخری خلیفہ سلسلہ موسوی کا یعنی حضرت عیسیٰ جیسا کہ اس وقت آیا جبکہ گلیل اور پیلاطوس کے علاقہ سے سلطنت یہود کی جاتی رہی تھی۔ ایسا ہی سلسلہ محمدیہ کا مسیح ایسے وقت میں آیا کہ جب ہندوستان کی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل چکی۔

تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ آیا یہ امر ثابت ہے یا نہیں کہ آنیوالا مسیح موعود اسی زمانہ میں آنا چاہیئے جس میں ہم ہیں۔ سو دلائل مفصلہ ذیل سے صاف طور پر کھل گیا ہے کہ ضرور ہے کہ وہ اسی زمانہ میں آوے:۔

(۱) اوّل دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہلاتی ہے لکھا ہے کہ مسیح موعود کسر صلیب کے لئے آئیگا۔ اور ایسے وقت میں آئیگا کہ جب ملک میں ہر ایک پہلو سے بے اعتدالیاں قول اور فعل میں پھیلی ہوئی ہونگی۔ سو اب اس نتیجہ تک پہنچنے کے لئے غور سے دیکھنے کی بھی حاجت نہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ عیسائیت کا اثر لاکھوں انسانوں کے دلوں پر پڑ گیا ہے۔ اور ملک اباحت کی تعلیموں سے متاثر ہوتا جاتا ہے۔ صدہا آدمی ہر ایک خاندان میں سے نہ صرف دین اسلام سے ہی مرتد ہو گئے ہیں بلکہ جناب سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن بھی ہو گئے ہیں۔ اور اب تک صدہا کتابیں دین اسلام کے ردّ میں تالیف بھی ہو چکی ہیں۔ اور اکثر وہ کتابیں توہین اور گالیوں سے پُر ہیں۔ اور اس مصیبت کے وقت جب ہم گزشتہ زمانہ کی طرف

۲۶

دیکھتے ہیں تو ہمیں ایک قطعی فیصلہ کے طور پر یہ رائے ظاہر کرنی پڑتی ہے کہ تیرہ سو برس کی بارہ صدیوں میں سے کوئی بھی ایسی صدی اسلام کے معتر نہیں گذری کہ جیسے تیرھویں صدی گذری ہے اور یا جو اَب گذر رہی ہے۔ لہٰذا عقل سلیم اس بات کی ضرورت کو مانتی ہے کہ ایسے پُرخطر زمانہ کے لئے جس میں عام طور پر زمین میں بہت جوش مخالفت کا پھوٹ پڑا ہے اور مسلمانوں کی اندرونی زندگی بھی ناگفتہ بہ حالت تک پہنچ گئی ہے۔ کوئی مصلح صلیبی فتنوں کا فرد کرنے والا اور اندرونی حالت کو پاک کرنے والا پیدا ہو۔ اور تیرھویں صدی کے پورے سو برس کے تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ ان زہریلی ہواؤں کی اصلاح جو بڑے زور شور سے چل رہی ہیں اور عام وبا کی طرح ہر ایک شہر اور گاؤں سے کچھ کچھ اپنے قبضہ میں لا رہی ہیں ہر ایک معمولی طاقت کا کام نہیں۔ کیونکہ یہ مخالفانہ تاثیرات اور ذخیرہ اعتراضات خود ایک معمولی طاقت نہیں بلکہ زمین نے اپنے وقت پر ایک جوش مارا ہے اور اپنے تمام زہروں کو بڑی قوت کے ساتھ اُگلا ہے اس لئے اس زہر کی مدافعت کے لئے آسمانی طاقت کی ضرورت ہے کیونکہ لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔ سو اس دلیل سے روشن ہو گیا کہ یہی زمانہ مسیح موعود کے ظہور کا زمانہ ہے۔ یہ بات بڑی صریح الفہم ہے جس کو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ جس حالت میں علت غائی مسیح کے آنے کی کسر صلیب ہے۔ اور آجکل مذہب صلیب اُس جوانی کے جوشوں میں ہے جس سے بڑھ کر اُس کی قوتوں کا نشوونما اور اس کے حملوں کا طریق ہیبت نما ہونا ممکن نہیں*۔ تو پھر اگر

---

* اس وجہ سے اس سے زیادہ سختی ممکن نہیں کہ جس قدر اسلام پر ابتلاء آنا تھا آ گیا اب اس سے زیادہ اس اُمت مرحومہ پر ابتلاء نہیں آسکتا۔ کیونکہ اگر اس سے زیادہ مخالفت کی کامیابی ہو جائے تو قرآن قویہ صاف گواہی دے رہے ہیں کہ اسلام کا بکلّی استیصال ہو جائے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ اس درجہ کے ابتلاء پر مسیح کاسر الصلیب آجاتا اور اس سے زیادہ اسلام کو خفت نہ اٹھانی پڑتی۔ منہ

اس وقت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدافعت نہ ہوتی تو پھر اس کے بعد کس وقت کی انتظار تھی؟ اور نیز جبکہ مسیح موعود کا صدی کے سر پر ہی آنا ضروری ہے اور چودھویں صدی میں سے سترہ برس گذر گئے تو اس صورت میں اگر اب تک مسیح نہیں آیا تو ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ کی مرضی ہے کہ اور سَو برس تک یا اس سے بھی زیادہ اسلام کو نشانۂ توہین و تحقیر رکھے۔ لیکن اس کسرِ صلیب سے میری مراد وہ طریق جہاد اور کُشت و خون نہیں جو حال کے اکثر علماء کا مدنظر ہے۔ کیونکہ وہ لوگ تمام خوبیوں کو جہاد اور لڑائی پر ہی ختم کر بیٹھے ہیں۔ اور مَیں اس بات کا سخت مخالف ہوں کہ مسیح یا اَور کوئی دین کے لئے لڑائیاں کرے *

(۲) دوسری دلیل وہ بعض احادیث اَور کشوف اولیائے کرام و علمائے عظام ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مسیح موعود اور مہدی معہود چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہوگا۔ چنانچہ حدیث الآیات بعد المأتین کی تشریح بہت سے متقدمین اور متاخرین نے یہی کی ہے جو مأتین کے لفظ سے وہ مأتین مراد ہیں جو الف کے بعد ہیں۔ یعنی ہزار کے بعد اس طرح پر معنے اس حدیث کے یہ ہوئے کہ مہدی اور مسیح کی پیدائش جو آیاتِ کبریٰ میں سے ہے تیرھویں صدی میں ہوگی اور چودھویں صدی میں اس کا ظہور ہوگا۔ یہی معنے محققین علماء نے کئے ہیں اور انہی قرائن سے انہوں نے حکم کیا ہے کہ مہدی معہود کا تیرھویں صدی میں پیدا ہو جانا ضروری ہے تا چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہو سکے۔ چنانچہ اسی بنا پر اور

* اگر کسی کمزور یا نابینا کے کپڑے پر کوئی پلیدی لگ جائے یا وہ شخص خود کیچڑ میں پھنس جائے تو ہماری انسانی ہمدردی کا یہ تقاضا نہیں ہوسکتا کہ ان مکروہ اسباب کی وجہ سے اس کمزور یا نابینا کو قتل کر دیں بلکہ ہمارے رحم کا یہ تقاضا ہونا چاہیئے کہ ہم خود اٹھ کر محبت کی راہ سے اُس کیچڑ سے اس عاجز کے پَیر باہر نکالیں اور کپڑے کو دھو دیں۔ منہ

۷۵ؔ

نیز کئی اور قرائن کے رُو سے بھی مولوی نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم اپنی کتاب حجج الکرامہ میں لکھتے ہیں کہ میں بلحاظ قرائن تو یہ گمان کرتا ہوں کہ چودھویں صدی کے سر پر مہدیٔ معہود کا ظہور ہوگا۔ اور ان قرائن میں سے ایک یہ ہے کہ تیرھویں صدی میں بہت سے دجّالی فتنے ظہور میں آ گئے ہیں۔ اب دیکھو کہ اس نامی مولوی نے جو بہت سی کتابوں کا مؤلف بھی ہے کیسی صاف گواہی دے دی کہ چودھویں صدی ہی مہدی اور مسیح کے ظاہر ہونے کا وقت ہے اور صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ اپنی کتاب میں اپنی اولاد کو وصیت بھی کرتا ہے کہ اگر میں مسیح موعود کا زمانہ نہ پاؤں تو تم میری طرف سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا السلام علیکم مسیح موعود کو پہنچا دو*۔ مگر افسوس کہ یہ تمام باتیں صرف زبان سے تھیں اور دل انکار سے خالی نہ تھا۔ اگر وہ میرے دعویٔ مسیح موعود ہونے کا زمانہ پاتے تو ظاہر قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے دوسرے بھائیوں علماء سے لعن وطعن اور تکفیر و تکذیب اور تفسیق میں شریک ہو جاتے۔ کیا ان مولویوں نے چودھویں صدی کے آنے پر کچھ غور بھی کی؟ کچھ خوف خدا اور تقویٰ سے بھی کام لیا؟ کونسا حملہ ہے جو نہیں کیا اور کونسی تکذیب اور توہین ہے جو ان سے ظہور میں نہیں آئی اور کونسی گالی ہے جس سے زبان کو روک رکھا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب تک کسی دل کو خدا نہ کھولے کھل نہیں سکتا۔ اور جب تک وہ قادر کریم خود اپنے فضل سے بصیرت

---

* آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسیح موعود کو السلام علیکم پہنچایا یہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک پیشگوئی ہے نہ عوام کی طرح معمولی سلام۔ اور پیشگوئی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بشارت دیتے ہیں کہ جسقدر مخالفین کی طرف سے فتنے اُٹھینگے اور کافر اور دجّال کہیں گے اور عزت اور جان کا ارادہ کرینگے اور قتل کیلئے فتوے لکھینگے خدا ان سب باتوں میں ان کو نامراد رکھے گا اور تمہارے شامل حال سلامتی رہے گی۔ اور ہمیشہ کے لئے عزت اور بزرگی اور قبولیت اور ہر ایک ناکامی سے سلامتی صفحۂ دنیا میں محفوظ رہے گی جیسا کہ السلام علیکم کا مفہوم ہے۔ منہ

عنایت نہ کرے تب تک کوئی آنکھ دیکھ نہیں سکتی ۔ اور پھر ایک ثبوت چودھویں صدی کے متعلق یہ ہے کہ ایک بزرگ نے مدت دراز سے ایک شعر اپنے کشف کے متعلق شائع کیا ہوا ہے جس کو لاکھوں انسان جانتے ہیں۔ اس کشف میں بھی یہی لکھا ہے کہ مہدی معہود یعنی مسیح موعود چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہو گا۔ اور وہ شعر یہ ہے ؎

در سن غاشی ہجری دو قِراں خواہد بود ؎ از پئے مہدی و دجّال نشاں خواہد بود

اس شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ جب چودھویں صدی میں سے گیارہ برس گذریں گے تو آسمان پر خسوف کسوف چاند اور سورج کا ہو گا۔ اور وہ مہدی اور دجال کے ظاہر ہونے کا نشان ہو گا۔ اس شعر میں مؤلف نے دجال کے مقابل پر مسیح نہیں لکھا بلکہ مہدی لکھا ۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ مہدی اور مسیح دونوں ایک ہی ہیں ۔ اب دیکھو کہ یہ پیشگوئی کیسی صفائی سے پوری ہو گئی اور میرے دعویٰ کے وقت رمضان کے مہینہ میں اسی صدی یعنی چودھویں صدی ۱۳۱۱ھ میں خسوف کسوف ہو گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک ۔ ایسا ہی دارقطنی کی ایک حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مہدی معہود چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہو گا۔ وہ حدیث یہ ہے کہ انّ لمھدینا اٰیتین الخ ۔ ترجمہ تمام حدیث کا یہ ہے کہ ہمارے مہدی کے لئے دو نشان ہیں جب سے زمین و آسمان کی بنیاد ڈالی گئی وہ نشان کسی مامور اور مرسل اور نبی کے لئے ظہور میں نہیں آئے۔ اور وہ نشان یہ ہیں کہ چاند کا اپنی مقررہ راتوں میں سے پہلی رات میں اور سورج کا اپنے مقررہ دنوں میں سے بیچ کے دن میں رمضان کے مہینہ میں گرہن ہو گا۔ یعنی انہی دنوں میں جبکہ مہدی اپنا دعویٰ دنیا کے سامنے پیش کرے گا اور دنیا اس کو قبول نہیں کرے گی آسمان پر اس کی تصدیق کے لئے ایک نشان ظاہر ہو گا ۔ اور وہ یہ کہ مقررہ تاریخوں میں جیسا کہ حدیث مذکورہ میں درج ہیں سورج چاند کا رمضان کے مہینہ میں جو نزول کلام الٰہی کا مہینہ ہے گرہن ہو گا اور ظلمت کے دکھلانے سے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ اشارہ ہو گا کہ زمین پر ظلم کیا گیا اور جو خدا کی طرف سے تھا اس کو مفتری سمجھا گیا۔ اب

اس حدیث سے صاف طور پر چودھویں صدی متعین ہوتی ہے کیونکہ کسوف خسوف جو
مہدی کا زمانہ بتلاتا ہے اور مکذبین کے سامنے نشان پیش کرتا ہے وہ چودھویں صدی میں
ہی ہوا ہے۔ اب اس سے زیادہ صاف اور صریح دلیل کونسی ہوگی کہ کسوف خسوف کے
زمانہ کو مہدیٔ معہود کا زمانہ حدیث نے مقرر کیا ہے اور یہ امر مشہود محسوس ہے کہ یہ کسوف
خسوف چودھویں صدی ہجری میں ہی ہوا اور اسی صدی میں مہدی ہونے کے مدعی کی سخت
تکذیب ہوئی۔ پس ان قطعی اور یقینی مقدمات سے یہ قطعی اور یقینی نتیجہ نکلا کہ مہدیٔ معہود
کا زمانہ چودھویں صدی ہے اور اس سے انکار کرنا امورِ مشہودہ محسوسہ بدیہیہ کا انکار ہے
ہمارے مخالف اس بات کو تو مانتے ہیں کہ چاند اور سورج کا گرہن رمضان میں واقع ہو گیا۔
اور چودھویں صدی میں واقع ہوا۔ مگر نہایت ظلم اور حق پوشی کی راہ سے تین عذر پیش کرتے
ہیں۔ ناظرین خود سوچ لیں کہ کیا یہ عذر صحیح ہیں ؟

(۱) اوّل یہ عذر ہے کہ بعض راوی اس حدیث کے ثقات میں سے نہیں ہیں۔ اس کا
جواب یہ ہے کہ اگر درحقیقت بعض راوی مرتبۂ اعتبار سے گرے ہوئے تھے تو یہ اعتراض
دارقطنی پر ہوگا کہ اُس نے ایسی حدیث کو لکھ کر مسلمانوں کو کیوں دھوکا دیا۔ یعنی یہ حدیث
اگر قابلِ اعتبار نہیں تھی تو دارقطنی نے اپنی صحیح میں کیوں اس کو درج کیا؟ حالانکہ وہ
اس مرتبہ کا آدمی ہے جو صحیح بخاری پر بھی تعاقب کرتا ہے اور اس کی تنقید میں کسی کو کلام نہیں
اور اس کی تالیف کو ہزار سال سے زیادہ گذر گیا مگر اب تک کسی عالم نے اس حدیث کو
زیرِ بحث لا کر اس کو موضوع قرار نہیں دیا۔ نہ یہ کہا کہ اس کے ثبوت کی تائید میں کسی دوسرے
طریق سے مدد نہیں ملی بلکہ اس وقت سے جو یہ کتاب ممالکِ اسلامیہ میں شائع ہوئی تمام
علماء و فضلاء متقدمین و متاخرین میں سے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں لکھتے چلے آئے
بھلا اگر کسی نے اکابر محدثین میں سے اس حدیث کو موضوع ٹھہرایا ہے تو اُن میں سے کسی محدث
کا فعل یا قول پیش تو کرو جس میں لکھا ہو کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اور اگر کسی جلیل الشان

محدّث کی کتاب سے اس حدیث کا موضوع ہونا ثابت کرسکو تو ہم فی الفور ایک سَو روپیہ بطور انعام تمہاری نذر کرینگے جس جگہ چاہو امانتاً پہلے جمع کرالو۔ ورنہ خدا سے ڈرو جو میرے بغض کے لئے صحیح حدیثوں کو جو علمائے ربّانی نے لکھی ہیں موضوع ٹھیراتے ہو حالانکہ امام بخاری نے تو بعض روافض اور خوارج سے بھی روایت لی ہے ان تمام حدیثوں کو کیوں صحیح جانتے ہو؟ غرض ناظرین کے لئے یہ فیصلہ کُھلا کُھلا ہے کہ اگر کوئی شخص اس حدیث کو موضوع قرار دیتا ہے تو وہ اکابر محدثین کی شہادت سے ثبوت پیش کرے۔ ہم قطعی وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اس کو ایک سَو روپیہ بطور انعام دے دینگے۔ خواہ یہ روپیہ بھی مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب کے پاس اپنی تسلّی کے لئے بشرائط مذکورہ بالا جمع کرالو۔ اور اگر یہ حدیث موضوع نہیں اور افترا کی تہمت سے اس کا دامن پاک ہے تو تقویٰ اور ایمانداری کا یہی تقاضا ہونا چاہیئے کہ اس کو قبول کرلو۔ محدّثین کا ہرگز یہ قاعدہ نہیں ہے کہ کسی راوی کی نسبت ادنیٰ جرح سے بھی فی الفور حدیث کو موضوع قرار دیا جائے۔ بھلا جن حدیثوں کی رُو سے مہدی خونی کو مانا جاتا ہے وہ کس مرتبہ کی ہیں؟ آیا اُن کے تمام راوی جرح سے خالی ہیں؟ بلکہ جیسا کہ ابن خلدون نے لکھا ہے تمام اہل حدیث جانتے ہیں کہ مہدی کی حدیثوں میں بھی ایک حدیث بھی جرح سے خالی نہیں۔ پھر ان مہدی کی حدیثوں کو ایسا قبول کر لینا کہ گویا اُن کا انکار کفر ہے حالانکہ وہ سب کی سب جرح سے بھری ہوئی ہیں۔ اور ایک ایسی حدیث سے انکار کرنا جو اَور طریقوں سے بھی ثابت ہے اور جو خود قرآن آیت جمع الشمس و القمر[1] میں اس کے مضمون کا مصدّق ہے کیا یہی ایمانداری ہے؟ حدیثوں کے جمع کرنیوالے ہر ایک جرح سے حدیث کو نہیں پھینک دیتے تھے ورنہ ان کے لئے مشکل ہوجاتا کہ اس التزام سے تمام اخبار و آثار کو اکٹھا کر سکتے۔ یہ باتیں سب کو معلوم ہیں۔ مگر اب بُخل جوش مار رہا ہے۔ ماسوا اس کے جبکہ مضمون اس حدیث کا جو غیب کی خبر پر مشتمل ہے پورا ہوگیا تو بموجب آیت کریمہ فلا یظہر علیٰ غیبہ احدًا الّا من ارتضیٰ

[1] القیامۃ : ۱۰

من رسولٍ[1] قطعی اور یقینی طور پر ماننا پڑا کہ یہ حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اور اس کا راوی بھی عظیم الشان ائمہ میں سے ہے۔ یعنی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ۔ تو اب بعد شہادت قرآن شریف کے جو آیت فلا یظھر علٰی غیبہٖ احدًا سے اس حدیث کے منجانب رسول ہونے پر مل گئی ہے پھر بھی اس کو حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نہ سمجھنا کیا یہ دیانت کا طریق ہے؟ اور کیا آپ لوگوں کے نزدیک اس اعلیٰ درجہ کی پیشگوئی پر بجز خدا کے رسولوں کے کوئی اور بھی قادر ہو سکتا ہے؛ اور اگر نہیں ہو سکتا تو کیوں اس بات کا اقرار نہیں کرتے کہ قرآنی شہادت کے رُو سے یہ حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے+۔ اور اگر آپ لوگوں کے نزدیک ایسی پیشگوئی پر کوئی دوسرا بھی قادر ہو سکتا ہے تو پھر آپ اسکی نظیر پیش کریں جس سے ثابت ہو کہ کسی مفتری یا رسول کے سوا کسی اَور نے کبھی یہ پیشگوئی کی ہو کہ ایک زمانہ آتا ہے جس میں فلاں مہینے میں چاند اور سورج کا خسوف کسوف ہوگا اور فلاں فلاں تاریخوں میں ہوگا اور یہ نشان کسی مامور من اللہ کی تصدیق کے لئے ہوگا جسکی تکذیب

+ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف کی گواہی صحت حدیث کسوف خسوف کی نسبت صرف ایک گواہی نہیں ہے بلکہ دو گواہیاں ہیں ایک تو یہ آیت کہ جمع الشمس والقمر[2] جو پیشگوئی کے طور پر تبلا رہی ہے کہ قیامت کے قریب جو مہدی آخر الزمان کے ظہور کا وقت ہے چاند اور سورج کا ایک ہی مہینہ میں گرہن ہوگا۔ اور دوسری گواہی اس حدیث کی صحیح اور مرفوع متصل ہونے پر آیت فلا یظھر علٰی غیبہ احدًا الّا من ارتضٰی من رسولٍ میں ہے کیونکہ یہ آیت علم غیب صحیح اور صاف کا رسولوں پر حصر کرتی ہے جس سے بالضرورت متعین ہوتا ہے کہ ان لمھدینا کی حدیث بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔ منہ

[1] الجن: ۲۷، ۲۸ [2] القیامہ: ۱۰

کی گئی ہوگی۔ اور اس صورت کا نشان اوّل سے آخر تک کبھی دنیا میں ظاہر نہیں ہوا ہوگا۔ اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ آپ ہرگز اس کی نظیر پیش نہیں کرسکیں گے۔ درحقیقت آدم سے لے کر اس وقت تک کبھی اس قسم کی پیشگوئی کسی نے نہیں کی۔ اور یہ پیشگوئی چار پہلو رکھتی ہے (۱) یعنی چاند کا گرہن اس کی مقررہ راتوں میں سے پہلی رات میں ہونا (۲) سورج کا گرہن اس کے مقررہ دنوں میں سے بیچ کے دن میں ہونا (۳) تیسرے یہ کہ رمضان کا مہینہ ہونا (۴) چوتھے مدعی کا موجود ہونا جس کی تکذیب کی گئی ہو۔ پس اگر اس پیشگوئی کی عظمت کا انکار ہے تو دنیا کی تاریخ میں سے اس کی نظیر پیش کرو اور جب تک نظیر نہ مل سکے تب تک یہ پیشگوئی ان تمام پیشگوئیوں سے اوّل درجہ پر ہے جن کی نسبت آیت فلا یظہر علٰی غیبہٖ احدًا[1] کا مضمون صادق آسکتا ہے کیونکہ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ آدم سے آخیر تک اس کی نظیر نہیں۔ پھر جبکہ ایک حدیث دوسری حدیث سے قوت پاکر پایۂ یقین کو پہنچ جاتی ہے تو جس حدیث نے خدا تعالیٰ کے کلام سے قوت پائی ہے اُس کی نسبت یہ زبان پر لانا کہ وہ موضوع اور مردود ہے اُنہی لوگوں کا کام ہے جن کو خدا تعالیٰ کا خوف نہیں ہے۔ اگرچہ بباعث کثرت اور کمال شہرت کے اس حدیث کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک رفع نہیں کیا گیا اور نہ اس کی ضرورت سمجھی گئی مگر خدا نے اپنی دو گواہیوں سے یعنی آیت فلا یظہر الخ اور آیت جمع الشمس والقمر[2] سے خود اس حدیث کو مرفوع متصل بنا دیا۔ سو بلاشبہ قرآنی شہادت سے اب یہ حدیث مرفوع متصل ہے۔ کیونکہ قرآن ایسی تمام پیشگوئیوں کا جو کمال صفائی سے پوری ہو جائیں اس تہمت سے تبریہ کرتا ہے کہ بجز خدا کے رسول کے کوئی اور شخص ان کا بیان کرنیوالا ہے۔ نعوذ باللہ یہ خدا کے کلام کی تکذیب ہے کہ وہ تو صاف لفظوں میں بیان فرماوے کہ میں صریح اور صاف پیشگوئیوں کے کہنے پر بجز اپنے رسول کے کسی کو قدرت نہیں دیتا لیکن اس کے برخلاف کوئی اور یہ دعویٰ کرے کہ ایسی پیشگوئیاں کوئی اور بھی کرسکتا ہے

ص۳۰

[1] الجنّ: ۲۷ [2] القیامہ: ۱۰

جس پر خدا کی طرف سے وحی نازل نہیں ہوئی۔ اور اس طریق سے آیت فلا یظہر علی غیبہ احدًا[1] کی تکذیب کر دیوے۔ غرض جبکہ ان تمام طریقوں سے اس حدیث کی صحت ثابت ہوگئی اور نیز اس کی پیشگوئی اپنے پورے پیرایہ میں وقوع میں بھی آگئی تو اے خدا سے ڈرنے والو! اب مجھے کہنے دو کہ ایسی حدیث سے انکار کرنا جو گیارہ سو برس سے علماء اور خواص اور عوام میں شائع ہو رہی ہے اور امام محمد باقر اس کے راوی ہیں اور تیرہ ۱۳۰۰ سو برس سے یعنی ابتداء سے آجتک کسی نے اس کو موضوع قرار نہیں دیا۔ اور نہ دارقطنی نے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا۔ اور قرآن آیت جمع الشمس والقمر[2] میں اس کا مصدق ہے یعنی اسی گرہن سورج اور چاند کی طرف یہ آیت بھی اشارہ کرتی ہے اور نیز قرآن صاف اور صریح لفظوں میں فرماتا ہے کہ کسی پیشگوئی پر جو صاف اور صریح اور فوق العادت طور پر پوری ہوگئی ہو بجز خدا کے رسول کے اور کوئی شخص قادر نہیں ہو سکتا۔ ایسا انکار جو عنادًا کیا جائے ہرگز کسی ایماندار کا کام نہیں۔

دوسرا اعتراض مخالفین کا یہ ہے کہ یہ پیشگوئی اپنے الفاظ کے مفہوم کے مطابق پوری نہیں ہوئی۔ کیونکہ چاند کا گرہن رمضان کی پہلی رات میں نہیں ہوا بلکہ تیرھویں رات میں ہوا اور نیز سورج کا گرہن رمضان کی پندرھویں تاریخ نہیں ہوا بلکہ ۲۸ تاریخ کو ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس گرہن کے لئے کوئی نیا قاعدہ اپنی طرف سے نہیں تراشا بلکہ اُسی قانونِ قدرت کے اندر اندر گرہن کی تاریخوں سے خبر دی ہے جو خدا نے ابتداء سے سورج اور چاند کے لئے مقرر کر دکھا ہے۔ اور صاف لفظوں میں فرما دیا ہے کہ سورج کا کسوف اس کے دنوں میں سے بیچ کے دن میں ہوگا۔ اور قمر کا خسوف اس کی پہلی رات میں ہوگا۔ یعنی اُن تین راتوں میں سے جو خدا نے قمر کے گرہن کے لئے مقرر فرمائی ہیں پہلی رات میں خسوف ہوگا۔

[1] الجن: ۲۷ [2] القیامہ: ۱۰

سو ایسا ہی وقوع میں آیا۔ کیونکہ چاند کی تیرھویں رات میں جو قمر کی خسوفی راتوں میں سے
پہلی رات ہے خسوف واقع ہو گیا۔ اور حدیث کے مطابق واقع ہوا ورنہ مہینہ کی
پہلی رات میں قمر کا گرہن ہونا ایسا ہی بدیہی محال ہے جس میں کسی کو کلام نہیں وجہ یہ کہ
عرب کی زبان میں چاند کو اسی حالت میں قمر کہہ سکتے ہیں جبکہ چاند تین دن سے زیادہ کا
ہو اور تین دن تک اس کا نام ہلال ہے نہ قمر۔ اور بعض کے نزدیک سات دن تک
ہلال ہی کہتے ہیں۔ چنانچہ قمر کے لفظ میں لسان العرب وغیرہ میں یہ عبارت ہے۔ ھو
بعد ثلٰث لیال الی اٰخر الشھر یعنی چاند کا[1] قمر کے لفظ پر اطلاق تین رات کے بعد ہوتا ہے
پھر جبکہ پہلی رات میں جو چاند نکلتا ہے وہ قمر نہیں ہے اور نہ قمر کی وجہ تسمیہ یعنی شدت
سپیدی و روشنی اس میں موجود ہے تو پھر کیونکر یہ معنے صحیح ہونگے کہ پہلی رات میں قمر
کو گرہن لگیگا۔ یہ تو ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی کہے کہ فلاں جوان عورت پہلی رات میں
ہی حاملہ ہو جائیگی۔ اور اس پر کوئی مولوی صاحب ضد کر کے یہ معنے بتلاویں کہ پہلی
رات سے مراد وہ رات ہے جس رات وہ لڑکی پیدا ہوئی تھی تو کیا یہ معنے صحیح ہونگے؟
اور کیا اُن کی خدمت میں کوئی عرض نہیں کریگا کہ حضرت پہلی رات میں تو وہ جوان عورت
نہیں کہلاتی بلکہ اس کو صبیہ یا بچہ کہیں گے۔ پھر اس کی طرف حمل منسوب کرنا کیا معنے
رکھتا ہے؟ اور اسجگہ ہر ایک عقلمند یہی سمجھے گا کہ پہلی رات سے مراد زفاف کی رات
ہے جبکہ اوّل دفعہ ہی کوئی عورت اپنے خاوند کے پاس جائے۔ اب بتلاؤ کہ اس
فقرے میں اگر کوئی اس طرح کے معنے کرے تو کیا وہ معنے آپ کے نزدیک صحیح ہیں؟
اس بنیاد پر کہ خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے اور کیا آپ ایسا خیال کرینگے کہ وہ جوان عورت
پیدا ہوتے ہی اپنی پیدائش کی پہلی رات میں ہی حاملہ ہو جائے گی۔ اے حضرات!

۳۱

[1] یہ عبارت بوجہ عدم توجہ کاتب کے غلط ہو گئی ہے اصل میں یوں ہونی چاہیے تھی "یعنی چاند پر قمر کے لفظ کا اطلاق"۔ چونکہ طبع اول میں اسی طرح ہے اس لئے اسی کی نقل کرائی گئی ہے (مہدی حسین مصحح)

خدا سے ڈرو۔ جبکہ حدیث میں قمر کا لفظ موجود ہے اور بالاتفاق قمر اُس کو کہتے ہیں جو تین دن کے بعد یا سات دن کے بعد کا چاند ہوتا ہے تو اب ہلال کو کیونکر قمر کہا جائے ظلم کی بھی تو کوئی حد ہوتی ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ جبکہ قمر کے گرہن کے لئے تین راتیں خدا کے قانونِ قدرت میں موجود ہیں اور پہلی رات چاند کے خسوف کی تین راتوں میں سے مہینہ کی تیرھویں رات ہے اور ایسا ہی سورج کے گرہن کے لئے خدا کے قانونِ قدرت میں تین دن ہیں اور بیچ کا دن سورج کے کسوف کے دنوں میں سے مہینہ کی اٹھائیسویں تاریخ ہے تو یہ معنے کیسے صاف اور سیدھے اور سریع الفہم اور قانونِ قدرت پر مبنی ہیں کہ مہدی کے ظہور کی یہ نشانی ہوگی کہ چاند کو اپنے گرہن کی مقررہ راتوں میں سے جو اس کے لئے خدا نے ابتدا سے مقرر کر رکھی ہیں پہلی رات میں گرہن لگ جائیگا یعنی مہینہ کی تیرھویں رات جو گرہن کی مقررہ راتوں میں سے پہلی رات ہے۔ ایسا ہی سورج کو اپنے گرہن کے مقررہ دنوں میں سے بیچ کے دن میں گرہن لگیگا یعنی مہینہ کی اٹھائیسویں تاریخ کو جو سورج کے گرہن کا ہمیشہ بیچ کا دن ہے کیونکہ خدا کے قانونِ قدرت کے رُو سے ہمیشہ چاند کا گرہن تین راتوں میں سے کسی رات میں ہوتا ہے یعنی ۱۳ و ۱۴ و ۱۵۔ ایسا ہی سورج کا گرہن اُس کے تین مقررہ دنوں میں کبھی باہر نہیں جاتا یعنی مہینہ کا ۲۷ و ۲۸ و ۲۹۔ پس چاند کے گرہن کا پہلا دن ہمیشہ تیرھویں تاریخ سمجھا جاتا ہے اور سورج کے گرہن کا بیچ کا دن ہمیشہ مہینہ کی ۲۸ تاریخ۔ عقلمند جانتا ہے۔ اب ایسی صاف پیشگوئی میں بحث کرنا اور یہ کہنا کہ قمر کا گرہن مہینہ کی پہلی رات میں ہونا چاہیئے تھا یعنی جبکہ کنارۂ آسمان پر ہلال نمودار ہوتا ہے یہ کس قدر ظلم ہے۔ کہاں ہیں رونے والے جو اس قسم کی عقلوں کو رو دیں۔ یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ پہلی تاریخ کا چاند جس کو ہلال

کہتے ہیں وہ تو خود ہی مشکل سے نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے ہمیشہ عیدوں پر جھگڑے ہوتے ہیں۔ پس اس غریب بیچارہ کا گرہن کیا ہوگا۔ کیا پدّی کیا پدّی کا شوربا۔ *

تیسرا اعتراض اس نشان کو مٹانے کے لئے یہ پیش کیا گیا ہے کہ کیا ممکن نہیں کہ کسوف خسوف تو اب رمضان میں ہوگیا ہو مگر مہدی جس کی تائید اور شناخت کیلئے خسوف کسوف ہوا ہے وہ پندرھویں صدی میں پیدا ہو یا سولھویں صدی میں یا اس کے بعد کسی اور صدی میں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اے بزرگو! خدا ہی تم پر رحم کرے جبکہ آپ لوگوں کی فہم کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے تو میرے اختیار میں نہیں کہ میں کچھ سمجھا سکوں۔ صاف ظاہر ہے کہ خدا کے نشان اُسکے رسولوں اور ماموروں کی تصدیق اور شناخت کیلئے ہوتے ہیں اور ایسے وقت میں ہوتے ہیں جبکہ اُن کی سخت تکذیب کی جاتی ہے اور ان کو مفتری اور کافر اور فاسق قرار دیا جاتا ہے تب خدا کی غیرت اُن کے لئے جوش مارتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اپنے نشانوں سے صادق کو صادق کرکے دکھلادے۔ غرض ہمیشہ آسمانی نشانوں کے لئے ایک محرک کی ضرورت ہوتی ہے اور جو لوگ بار بار

۳۲

* یاد رہے کہ کسی حدیث کی سچائی پر اس سے زیادہ کوئی یقینی اور قطعی گواہی نہیں ہوسکتی کہ وہ حدیث اگر کسی پیشگوئی پر مشتمل ہے تو وہ پیشگوئی صفائی سے پوری ہو جائے۔ کیونکہ اور سب طریق اثبات صحت حدیث کے ظنی ہیں مگر یہ حدیث کا ایک چمکتا ہوا زیور ہے کہ اس کی سچائی کی روشنی پیشگوئی کے پورا ہونے سے ظاہر ہو جائے۔ کیونکہ کسی حدیث کی پیشگوئی کا پورا ہو جانا اس حدیث کو مرتبۂ ظن سے یقین کے اعلیٰ درجہ تک پہنچا دیتا ہے اور ایسی حدیث کے ہم رتبہ اور یقینی مرتبہ میں ہم پلہ کوئی حدیث نہیں ہوسکتی گو بخاری کی ہو یا مسلم کی۔ اور ایسی حدیث کے سلسلۂ اسناد میں گو بفرض محال ہزار کذّاب اور مفتری ہو اس کی قوت صحت اور مرتبۂ یقین کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا کیونکہ وسائل محسوسہ مشہودہ بدیہیہ سے اُس کی صحت کھل جاتی ہے اور ایسی کتاب کا یہ امر فخر ہو جاتا ہے اور اس کی صحت پر ایک دلیل قائم ہو جاتی ہے جس میں ایسی حدیث ہو پس دارقطنی کا فخر ہے جس کی حدیث ایسی صفائی سے پوری ہوگئی۔ منہ

تکذیب کرتے ہیں وہی محرک ہوتے ہیں۔ نشانوں کی یہی فلاسفی ہے۔ اور یہ کبھی نہیں ہوتا کہ نشان تو آج ظاہر ہو اور جس کی تصدیق اور اس کے مخالفوں کے ذب اور دفع کے لئے وہ نشان ہے وہ کہیں سو یا دو سو یا تین سو یا ہزار برس کے بعد پیدا ہو اور خود ظاہر ہے کہ ایسے نشانوں سے اسکے دعوے کو کیا مدد پہنچے گی۔ بلکہ ممکن ہے کہ اس عرصہ تک اس نشان پر نظر رکھ کر کئی مدعی پیدا ہو جائیں تو اب کون فیصلہ کرے گا کہ کس مدعی کی تائید میں یہ نشان ظاہر ہوا تھا۔ تعجب ہے کہ مدعی کا تو ابھی وجود بھی نہیں اور نہ اس کے دعوے کا وجود ہے اور نہ خدا کی نظر میں کوئی محرک تکذیب کرنے والا موجود ہے بلکہ سو یا دو سو یا ہزار برس کے بعد انتظار ہے تو قبل از وقت نشان کیا فائدہ دے گا اور کس قوم کیلئے ہوگا۔ کیونکہ موجودہ زمانہ کے لوگ تو ایسے نشان سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے جس کے ساتھ مدعی نہیں ہے۔ اور جبکہ نشان کے دیکھنے والے بھی سب خاک میں مل جائیں گے اور کوئی زمین پر زندہ نہیں ہوگا جو یہ کہہ سکے کہ میں نے چاند اور سورج کو بچشم خود گرہن ہوتے دیکھا تو ایسے نشان سے کیا فائدہ مترتب ہوگا۔ جو زندہ مدعی کے زمانہ کے وقت صرف ایک مردہ قصہ کے طور پر پیش کیا جائیگا اور خدا کو کیا ایسی جلدی پڑی تھی کہ کئی سو برس پہلے نشان ظاہر کر دیا اور ابھی مدعی کا نام و نشان نہیں۔ نہ اس کے باپ دادے کا کچھ نام و نشان۔ یہ بھی یاد رکھو کہ یہ عقیدہ اہل سنت اور شیعہ کا مسلّم ہے کہ مہدی جب ظاہر ہوگا تو صدی کے سر پر ہی ظاہر ہوگا۔ پس جبکہ مہدی کے ظہور کے لئے صدی کے سر کی شرط ہے۔ تو اس صدی میں تو مہدی کے پیدا ہونے سے ہاتھ دھو رکھنا چاہیئے کیونکہ صدی کا سر گذر گیا اور اب بات دوسری صدی پر جا پڑی اور اس کی نسبت بھی کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیونکہ جب کہ چودھویں صدی جو حدیث نبوی کا مصداق تھی اور نیز اہل کشف کے کشفوں سے لدی ہوئی تھی خالی گذر گئی تو پندرھویں صدی پر کیا اعتبار رہا۔ پھر جبکہ آنے والے مہدی کے ظہور کے کوئی لچھن نظر نہیں آتے اور کم سے کم سو برس پر بات جا پڑی تو اس بیہودہ نشان خسوف کسوف سے فائدہ کیا ہوا۔ جب اس صدی کے سب لوگ مر جائیں گے اور کوئی

خسوف کسوف کا دیکھنے والا زندہ نہ رہے گا تو اس وقت تو یہ کسوف خسوف کا نشان محض ایک قصہ کے رنگ میں ہو جائے گا اور ممکن ہے کہ اس وقت علمائے کرام اس کو ایک موضوع حدیث کے طور پر سمجھ کر داخل دفتر کر دیں۔ غرض اگر مہدی اور اس کے نشان میں جدائی ڈال دی جائے تو یہ ایک مکروہ بدفالی ہے جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہرگز ارادہ ہی نہیں ہے کہ اس کی مہدویت کو آسمانی نشانوں سے ثابت کرے۔ پھر جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ نشان اس وقت ظاہر ہوتے ہیں جبکہ خدا کے رسولوں کی تکذیب ہوتی تھی اور ان کو مفتری خیال کیا جاتا ہے تو یہ عجیب بات ہے کہ مدعی تو ابھی ظاہر نہیں ہوا اور نہ اس کی تکذیب ہوئی مگر نشان پہلے ہی سے ظاہر ہو گیا۔ اور جب دو تین سو برس کے بعد کوئی پیدا ہوگا اور تکذیب ہوگی تب یہ باسی قصہ کس کام آسکتا ہے کیونکہ خبر معائنہ کے برابر نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ایسے مدعی کی نسبت قطع کر سکتے ہیں کہ درحقیقت فلاں صدی میں خسوف کسوف اُسی کی تصدیق میں ہوا تھا۔ خدا کی ہرگز یہ عادت نہیں کہ مدعی اور اس کے تائیدی نشانوں میں اس قدر لمبا فاصلہ ڈال دے جس سے امر مشتبہ ہو جائے۔ کیا یہ چند لفظ ثبوت کا کام دے سکتے ہیں کہ فلاں صدی میں جو خسوف کسوف ہوا تھا وہ اسی مدعی کی تائید میں ہوا تھا۔ یہ خوب ثبوت ہے جو خود ایک دوسرے ثبوت کو چاہتا ہے۔ غرض یہ دارقطنی کی حدیث مسلمانوں کے لئے نہایت مفید ہے۔ اس نے ایک تو قطعی طور پر مہدیٔ معہود کے لئے چودھویں صدی کا زمانہ مقرر کر دیا ہے اور دوسرے اس مہدی کی تائید میں اس نے ایسا آسمانی نشان پیش کیا ہے جس کے تیرہ سو برس سے کل اہل اسلام منتظر تھے۔ سچ کہو کہ آپ لوگوں کی طبیعتیں چاہتی تھیں کہ میرے مہدویت کے دعویٰ کے وقت میں آسمان پر رمضان کے مہینہ میں خسوف کسوف ہو جائے۔ ان تیرہ سو برسوں میں بہتیرے لوگوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا مگر کسی کے لئے یہ آسمانی نشان ظاہر نہ ہوا۔ بادشاہوں کو بھی

۴۳

جن کو مہدی بننے کا شوق تھا یہ طاقت نہ ہوئی کہ کسی حیلہ سے اپنے لئے رمضان کے مہینہ میں خسوف کسوف کرا لیتے - بیشک وہ لوگ کروڑ ہا روپیہ دینے کو تیار تھے اگر کسی کی طاقت میں بجز خدا تعالیٰ کے ہوتا کہ اُن کے دعوے کے ایام میں رمضان میں خسوف کسوف کر دیتا - مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اُس نے میری تصدیق کے لئے آسمان پر یہ نشان ظاہر کیا ہے اور اُس وقت ظاہر کیا ہے جبکہ مولویوں نے میرا نام دجّال اور کذّاب اور کافر بلکہ اکفر رکھا تھا - یہ وہی نشان ہے جس کی نسبت آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں بطور پیشگوئی وعدہ دیا گیا تھا اور وہ یہ ہے - قل عندی شھادۃ من اللہ فھل انتم مؤمنون - قل عندی شھادۃ من اللہ فھل انتم مسلمون - یعنی ان کو کہدے کہ میرے پاس خدا کی ایک گواہی ہے کیا تم اس کو مانو گے یا نہیں - پھر ان کو کہدے کہ میرے پاس خدا کی ایک گواہی ہے کیا تم اس کو قبول کرو گے یا نہیں - یاد رہے کہ اگرچہ میری تصدیق کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت گواہیاں ہیں اور ایک سو سے زیادہ وہ پیشگوئی ہے جو پوری ہو چکی جن کے لاکھوں انسان گواہ ہیں - مگر اس الہام میں اس پیشگوئی کا ذکر محض تخصیص کے لئے ہے - یعنی مجھے ایسا نشان دیا گیا ہے جو آدم سے لے کر اس وقت تک کسی کو نہیں دیا گیا - غرض میں خانہ کعبہ میں کھڑا ہو کر قسم کھا سکتا ہوں کہ یہ نشان میری تصدیق کے لئے ہے نہ کسی ایسے شخص کی تصدیق کیلئے جس کی ابھی تکذیب نہیں ہوئی اور جس پر یہ شور تکفیر اور تکذیب اور تفسیق نہیں پڑا - اور ایسا ہی میں خانہ کعبہ میں کھڑا ہو کر حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ اس نشان سے صدی کی تعیین ہو گئی ہے - کیونکہ جبکہ یہ نشان چودھویں صدی میں ایک شخص کی تصدیق کے لئے ظہور میں آیا تو متعین ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی کے ظہور کے لئے چودھویں صدی ہی قرار دی تھی - کیونکہ جس صدی کے سر پر یہ پیشگوئی پوری ہوئی

دہی صدی مہدی کے ظہور کے لیئے ماننی پڑی تا دعویٰ اور دلیل میں تفریق اور بُعد پیدا نہ ہو۔ اور پھر اس بات پر ایک اور دلیل ہے جس سے صاف طور پر سمجھا جاتا ہے کہ علماء اسلام کا یقینی طور پر یہی عقیدہ تھا کہ مسیح موعود چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہوگا اور وہ یہ ہے۔ کہ انواع حافظ برخوردار سکنہ موضع چیٹی شیخاں ضلع سیالکوٹ میں جس کی پنجاب میں بڑی قبولیت ہے ایک ہندی شعر ہے جس میں صاف اور صریح طور پر اس بات کا بیان ہے کہ مسیح موعود چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہوگا۔ اور وہ یہ ہے ؎

پچھے اک ہزار دے گذرے تیرے سے سال ۔ عیسیٰ ظاہر ہوسیا کرسی عدل کمال

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب سن ہجری سے تیرہ سو برس گذر جائیں گے تو چودھویں صدی کے سر پر عیسےٰ ظاہر ہو جائے گا۔ جو کامل عدالت کرے گا۔ یعنی دکھلاوے گا کہ صراطِ مستقیم یہ ہے۔ اب دیکھو کہ حافظ صاحب مرحوم نے جو عالم حدیث اور فقہ ہیں اور تمام پنجاب میں بڑی شہرت رکھتے ہیں اور پنجاب میں اپنے زمانہ میں اوّل درجہ کے فقیہ مانے گئے ہیں اور لوگ اُن کو اہل اللہ میں سے شمار کرتے ہیں اور متقی اور راستگو سمجھتے ہیں بلکہ علماء میں وہ ایک خاص عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں کیسے انہوں نے صاف طور پر فرما دیا کہ چودھویں صدی کے سر پر عیسےٰ ظاہر ہوگا۔ اور منصفین کیلئے کافی ثبوت اس بات کا دے دیا ہے کہ حدیث اور اقوال علماء سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعود کے ظاہر ہونے کا وقت چودھویں صدی کا سر ہے۔ دیکھو یہ کیسی صاف گواہیاں ہیں جنکو آپ لوگ قبول نہیں کرتے۔ کیا ممکن تھا کہ حافظ برخوردار صاحب باوجود اس قدر وقعت اور شان اپنی کے جھوٹ بولتے ؟ اور اگر جھوٹ بولتے اور اس قول کا کوئی حدیث ماخذ ثابت نہ کرتے تو کیوں علمائے امت اُن کا پیچھا چھوڑ دیتے۔ پھر ایک اور مشہور بزرگ جو اسی زمانہ میں گذرے ہیں جو کوٹھہ والے کر کے مشہور ہیں۔ اُن کے بعض مرید اب تک زندہ موجود ہیں انہوں نے عام طور پر بیان کیا ہے کہ میاں صاحب کوٹھہ والے نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ مہدی پیدا ہو گیا ہے۔ اور اب اس کا زمانہ ہے اور ہمارا زمانہ جاتا رہا۔ اور

یہ بھی فرمایا کہ اس کی زبان پنجابی ہے۔ تب عرض کیا گیا کہ آپ نام بتلادیں جس نام سے وہ شخص مشہور ہے اور جگہ سے مطلع فرماویں۔ جواب دیا کہ مَیں نام نہیں بتلاؤں گا۔* اَب جسقدر

* ان راویوں میں سے ایک صاحب مرزا صاحب کرکے مشہور ہیں جن کا نام محمد اسمٰعیل ہے اور پشاور محلہ گل بادشاہ کے رہنے والے ہیں۔ سابق انسپکٹر مدارس تھے۔ ایک معزز اور ثقہ آدمی ہیں۔ مجھ سے کوئی تعلق بیعت نہیں ہے۔ ایک مدت دراز تک میاں صاحب کوٹھہ والے کی صحبت میں رہے ہیں۔ انہوں نے مولوی سید سرور شاہ صاحب کے پاس بیان کیا کہ مَیں نے حضرت کوٹھہ والے صاحب سے سُنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ مہدیٔ آخر الزمان پیدا ہو گیا ہے۔ ابھی اس کا ظہور نہیں ہُوا۔ اور جب پُوچھا گیا کہ نام کیا ہے تو فرمایا کہ نام نہیں بتلاؤں گا۔ مگر اس قدر بتلاتا ہوں کہ زبان اس کی پنجابی ہے۔
دوسرے صاحب جو وہ اپنا بلا واسطہ سُننا بیان کرتے ہیں۔ وہ ایک بزرگ معمّر حضرت کوٹھہ والے صاحب کے بیعت کرنے والوں میں سے اور اُن کے خاص رفیقوں میں سے ہیں جن کا نام حافظ نور محمد ہے اور وہ متوطن موضع گڑھی امازئی ہیں۔ اور ان دنوں میں کوٹھہ میں رہا کرتے ہیں۔
اور تیسرے صاحب جو اپنا سُننا بلا واسطہ بیان کرتے ہیں ایک اور بزرگ معمّر سفید ریش ہیں۔ جن کا نام گلزار خاں ہے۔ یہ بھی حضرت کوٹھہ والے صاحب سے بیعت کرنے والے اور متقی پرہیزگار خدا ترس نرم دل اور مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی کے پیر بھائی ہیں ان دونوں بزرگوں کی چشم دید روایت بذریعہ محبی مولوی حکیم محمد یحییٰ صاحب دیگرانی مجھے پہنچی ہے۔ مولوی صاحب موصوف ایک ثقہ اور متقی آدمی ہیں۔ اور حضرت کوٹھہ والے صاحب کے خلیفہ کے خلف الرشید ہیں۔ انہوں نے ۲۳ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء کو میری طرف ایک خط لکھا تھا جس میں ان دونوں بزرگوں کے بیانات اپنے کانوں سے سُن کر مجھے اس سے اطلاع دی ہے خدا تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے آمین۔ اور وہ خط یہ ہے۔
بخدمت شریف حضرت امام الزمان بعد از السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ معروض۔ کہ مَیں موضع کوٹھہ علاقہ یوسف زئی کو گیا تھا اور چونکہ سُنا ہُوا تھا کہ حضرت صاحب مرحوم

۳۰ مَیں نے اس بات کا ثبوت دیا ہے وہ بدیہی طور پر اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ مسیح موعود

حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱

کوٹھہ والے فرماتے تھے کہ مہدیٔ آخر الزمان پیدا ہوگیا ہے مگر ظہور ابھی نہیں ہؤا تو اس بات کا مجھکو بہت خیال تھا کہ اس امر میں تحقیق کروں کہ فی الواقع کس طرح ہے۔ جب مَیں اس دفعہ کوٹھہ کو گیا تو اُن کے مریدوں میں سے جو کوئی باقی ماندہ ہیں ہر ایک سے مَیں نے استفسار کیا۔ ہر ایک یہی کہتا تھا کہ یہ بات مشہور ہے ہم نے فلاں سے سُنا فلاں آدمی نے یوں کہا کہ حضرت صاحب یوں فرماتے تھے۔ مگر دو آدمی ثقہ متدین نے اس طرح کہا کہ ہم نے خود اپنے کانوں سے حضرت کی زبان مبارک سے سُنا ہے اور ہم کو خوب یاد ہے۔ ایک حرف بھی نہیں بھولا۔ اب مَیں ہر ایک کا بیان بعینہٖ عرض خدمت کرتا ہوں۔ (۱) ایک صاحب حافظ قرآن نور محمد نام اصل متوطن گڑھی امازئی حال مقیم کوٹھہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت (کوٹھہ والے) ایک دن وضو کرتے تھے اور مَیں روبرو بیٹھا تھا۔ فرمانے لگے کہ "ہم اب کسی اَور کے زمانہ میں ہیں" مَیں اس بات کو نہ سمجھا۔ اور عرض کیا کہ کیوں حضرت اس قدر معمر ہو گئے ہیں کہ اب آپ کا زمانہ چلا گیا۔ ابھی آپ کے ہم عمر لوگ بہت تندرست ہیں۔ اپنے دنیوی کام کرتے ہیں۔ فرمانے لگے کہ تُو میری بات کو نہ سمجھا میرا مطلب تو کچھ اَور ہے۔ پھر فرمانے لگے کہ جو خدا کی طرف سے ایک بندہ تجدید دین کے لئے مبعوث ہؤا کرتا ہے وہ پیدا ہو گیا ہے۔ ہماری باری چلی گئی۔ مَیں اس لئے کہتا ہوں کہ ہم کسی غیر کے زمانہ میں ہیں۔ پھر فرمانے لگے کہ وہ ایسا ہوگا کہ مجھ کو تو کچھ تعلق مخلوق سے بھی ہے۔ اُس کو کسی کے ساتھ تعلق نہ ہوگا۔ اور اُس پر اس قدر شدائد و مصائب آئیں گے جنکی نظیر زمانہ گذشتہ میں نہ ہوگی مگر اس کو کچھ پروا نہ ہوگی۔ اور سب طرح کے تکالیف اور فساد اس وقت ہونگے اُس کو پروا نہ ہوگی۔ زمین آسمان مل جائیں گے اور اُلٹ پلٹ ہو جائیں گے اُس کو پروا نہ ہوگی۔ پھر مَیں نے عرض کی کہ نام و نشان یا جگہ بتاؤ۔ فرمانے لگے نہیں بتاؤں گا۔ فقط۔ یہ اُن کا بیان ہے۔ اس میں مَیں نے ایک حرف زیر و بالا نہیں کیا ۳۱

کا ظہور چودھویں صدی کے سر پر ہونا ضروری تھا ٭

بقیہ حاشیہ در حاشیہ

ہاں اُس کی تقریر افغانی ہے یہ اس کا ترجمہ ہے۔ دوسرے صاحب جن کا نام گلزار خاں ہے جو ساکن موضع بڈابیر علاقہ پشاور ہیں اور حال میں ایک موضع میں کوٹھہ شریف کے قریب رہتے ہیں اور اس موضع کا نام ٹوپی ہے یہ بزرگ بہت مدت تک حضرت صاحب کی خدمت میں رہے ہیں انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ ایک دن حضرت صاحب عام مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور طبیعت اس وقت بہت خوش و خرم تھی۔ فرمانے لگے کہ میرے بعض آشنا مہدی آخرالزمان کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے (اشارہ یہ تھا کہ اسی ملک کے قریب مہدی ہوگا جس کو دیکھ سکیں گے) اور پھر فرمایا کہ اُس کی باتیں اپنے کانوں سے سُنیں گے۔ فقط۔ اُس بزرگ کو جب کہ مَیں نے اس راز سے مطلع کیا کہ آپ کے حضرت کی یہ پیشگوئی سچی نکلی۔ اور ایسا ہی وقوع میں آگیا ہے (یعنی پیشگوئی کے منشاء کے موافق مہدی پنجاب میں پیدا ہوگیا ہے) تو وہ بزرگ بہت رو دیا اور کہنے لگا کہ کہاں ہیں مجھ کو کسی طرح اُن کے قدموں تک پہنچاؤ اور مَیں بہ سبب ضعف بصارت کے جا نہیں سکتا کیا کروں۔ پھر کہنے لگا کہ میرا سلام اُن کو پہنچانا اور دُعا کرانی۔ پھر مَیں نے اُس سے وعدہ کیا کہ ضرور تمہارا سلام پہنچا دونگا۔ اور دعا کا سوال بھی کروں گا۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ ضرور اُس کے واسطے دعا کی جائیگی۔ والسلام خیر ختام واللّٰہ ثم تاللّٰہ کہ ان دونوں شخصوں نے اِسی طرح گواہی دی ہے۔ محمد یحییٰ از دیگراں

ایسا ہی ایک اور خط مولوی حمید اللہ صاحب ملّا سوات کی طرف سے مجھے پہنچا ہے۔ جس میں یہی گواہی بزبان فارسی ہے۔ جس کا ترجمہ ذیل میں لکھتا ہوں:۔

بخدمت شریف کاشف رموز نہانی واقف علوم ربّانی جناب مرزا صاحب۔ عرضداشت یہ ہے کہ فضیلت پناہ جناب مولوی محمد یحییٰ صاحب اخوان زادہ جو آپ کی خدمت میں ہوگئے ہیں اُن سے کئی دفعہ آپ کا ذکر جمیل درمیان آیا۔ آخر ایک روز باتیں کرتے کرتے مہدی اور

چوتھا امر اس بات کا ثابت کرنا ہے کہ وہ مسیح موعود جس کا آنا چودھویں صدی کے

عیسٰی اور مجدد کا ذکر درمیان آگیا۔ تب مَیں نے اُسی تقریب پر ذکر کیا کہ ایک روز ہمارے مرشد حضرت صاحب کوٹھہ والے فرماتے تھے کہ مہدی معہود پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن ابھی ظاہر نہیں ہوا۔ اس بات کو سُنکر فضیلت پناہ مولوی محمد یحیٰی اخوان زادہ اس بات پر مصر ہوئے کہ اس بیان کو خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر تحریر کر دیں۔ پس مَیں بحکم آیت ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانّہ اٰثم قلبہ[1] خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر لکھتا ہوں کہ حضرت صاحب کوٹھہ والے ایک دو سال اپنی وفات سے پہلے یعنی ۱۲۹۲ھ یا ۱۲۹۳ھ میں اپنے چند خواص میں بیٹھے ہوئے تھے اور ہر ایک باب سے معارف اور اسرار میں گفتگو شروع تھی ناگاہ مہدی معہود کا تذکرہ درمیان آگیا۔ فرمانے لگے کہ مہدی معہود پیدا ہو گیا ہے۔ مگر ابھی ظاہر نہیں ہوا ہے اور قسم بخدا کہ یہی اُن کے کلمات تھے۔ اور مَیں نے سچ سچ بیان کیا ہے نہ ہوائے نفس سے اور بجز اظہار حق اور کوئی غرض درمیان نہیں۔ اُن کے مُنہ سے یہ الفاظ افغانی زبان میں نکلے تھے۔ "چہ مہدی پیدا شوے وے او وقت وظہور ندے" یعنی مہدی موعود پیدا ہو گیا ہے لیکن ابھی ظاہر نہیں ہوا۔ بعد اسکے حضرت موصوف نے سلخ ذی الحجہ ۱۲۹۴ھ ہجری میں وفات پائی۔

ایسا ہی ایک اور بزرگ گلاب شاہ نامی موضع جمال پور ضلع لدھیانہ میں گذرے ہیں۔ جن کے خوارق اس طرف بہت مشہور ہیں۔ انہوں نے چند لوگوں کے پاس اپنا یہ کشف بیان کیا جن میں سے ایک بزرگ کریم بخش نامی (خدا ان کو غریق رحمت کرے) پرہیزگار موحد معمّر سفید ریش کو مَیں نے دیکھا ہے*۔ اور انہوں نے نہایت رقت سے چشم پُر آب ہو کر کئی جلسوں میں میرے روبرو اُس زمانہ میں

* میاں کریم بخش ساکن جمال پور ضلع لدھیانہ نے میاں گلاب شاہ مجذوب کی اس پیشگوئی کو بڑے بڑے مسلمانوں کے جلسہ میں بیان کیا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ قریباً سات سو آدمی کے جلسہ میں قادیان میں بیان کیا اور میرے خیال میں انہوں نے لدھیانہ میں کم سے کم دس ہزار آدمی کو اس سے اطلاع دی ہوگی۔ مجھے کئی مہینوں تک لدھیانہ میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ میاں کریم بخش موضع جمالپور سے چند روز کے بعد ضرور آتے تھے۔ اور بسا اوقات پچاس پچاس آدمی کے روبرو رو کر یہ پیشگوئی بیان کرتے تھے اور یہ لازمی امر تھا کہ بیان کرنیکے وقت بات کے کسی نہ کسی محل پر اُن کے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ مولوی محمد احسن صاحب رئیس لدھیانہ نے بھی یہ پیشگوئی اُن کے مُنہ سے سُنی تھی۔ لدھیانہ میں یہ پیشگوئی بہت شہرت یافتہ ہے اور ہزارہا انسان گواہ ہیں۔ منہ

[1] البقرۃ : ۲۸۴

۳۷ سر پر مقدّر تھا وہ مَیں ہی ہوں۔ سو اِس امر کا ثبوت یہ ہے کہ میرے ہی دعوے کے وقت میں آسمان پر خسوف کسوف ہؤا ہے۔ اور میرے ہی دعوے کے وقت میں صلیبی فتنے پیدا ہوئے ہیں۔ اور میرے ہی ہاتھ پر خدا نے اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ مسیح موعود اِس امت میں سے ہونا چاہیئے اور مجھے خدا نے اپنی طرف سے قوت دی ہے کہ میرے مقابل پر مباحثہ کے وقت کوئی پادری ٹھیر نہیں سکتا اور میرا رُعب عیسائی علماء پر خدا نے ایسا ڈال دیا ہے کہ اُن کو طاقت نہیں رہی کہ میرے مقابلہ پر آسکیں۔ چونکہ

جبکہ چودھویں صدی میں سے ابھی آٹھ برس گذرے تھے یہ گواہی دی کہ مجذوب گلاب شاہ صاحب نے آج سے تیس برس پہلے یعنی اُس زمانہ میں جبکہ یہ عاجز قریبًا بیس سال کی عمر کا تھا خبر دی تھی کہ عیسٰی جو آنیوالا تھا وہ پیدا ہوگیا ہے اور وہ قادیان میں ہے۔ میاں کریم بخش صاحب کا بیان ہے کہ مَیں نے کہا کہ حضرت عیسٰی تو آسمان سے اُتریں گے وہ کہاں پیدا ہوگیا؟ تب اُس نے جواب دیا کہ جو آسمان پر بلائے جاتے ہیں وہ واپس نہیں آیا کرتے اُنکو آسمانی بادشاہت مل جاتی ہے وہ اس کو چھوڑ کر واپس نہیں آتے بلکہ آنے والا عیسٰی قادیان میں پیدا ہؤا ہے۔ جب وہ ظاہر ہوگا۔ تب وہ قرآن کی غلطیاں نکالے گا۔ مَیں دل میں ناراض ہؤا اور کہا کہ کیا قرآن میں غلطیاں ہیں۔ تب اُس نے کہا کہ تو میری بات نہیں سمجھا۔ قرآن کے ساتھ جھوٹے حاشیے ملائے گئے ہیں وہ دُور کردیگا۔ یعنی جب وہ ظاہر ہوگا جھوٹی تفسیریں جو قرآن کی کی گئی ہیں اُن کا جھوٹ ثابت کردے گا۔ تب اس عیسٰی پر بڑا شور ہوگا اور تو دیکھے گا کہ مولوی کیسا شور مچائیں گے۔ یاد رکھ کہ تو دیکھے گا کہ مولوی کیسا شور مچائیں گے۔ تب مَیں نے کہا کہ قادیان تو ہمارے گاؤں کے قریب دو تین میل کے فاصلہ پر ہے اس میں عیسٰی کہاں ہے۔ اس کا اُس نے جواب نہ دیا (وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُس کو اس سے زیادہ علم نہیں دیا گیا تھا کہ عیسٰی قادیان میں پیدا ہوگا اور اس کو خبر نہیں تھی کہ ایک قادیان ضلع گورداسپور میں بھی ہے ۳۸ اس لئے اُس نے اس اعتراض میں دخل نہ دیا یا فقیرانہ کبریائی سے اس کی طرف التفات نہ کی) پھر کریم بخش صاحب مرحوم کہتے ہیں کہ ایک دوسرے وقت میں پھر اُس نے یہی ذکر کیا اور کہا کہ اُس عیسٰی کا نام غلام احمد ہے اور وہ قادیان میں ہے۔ اب دیکھ کس قدر اہل کشف ایک زبان ہوکر چودھویں صدی میں عیسٰی کے ظاہر ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ منہ

خدا نے مجھے رُوح القدس سے تائید بخشی ہے اور اپنا فرشتہ میرے ساتھ کیا ہے اسلئے
کوئی پادری میرے مقابل پر آ ہی نہیں سکتا۔ یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے تھے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ نہیں ہوا کوئی پیشگوئی ظہور میں نہیں آئی۔ اور اب بُلائے
جاتے ہیں پر نہیں آتے۔ اس کا یہی سبب ہے کہ ان کے دلوں میں خدا نے ڈال دیا ہے
کہ اس شخص کے مقابل پر ہمیں بجز شکست کے اور کچھ نہیں۔ دیکھو ایسے وقت میں
کہ جب حضرت مسیح کے خدا بنانے پر سخت غلو کیا جاتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو رُوح القدس کی تائید سے خالی خیال کرتے تھے اور معجزات اور پیشگوئیوں سے انکار
تھا۔ ایسے وقت میں پادریوں کے مقابل پر کون کھڑا ہوا؟ کس کی تائید میں خدا نے بڑے
بڑے معجزے دکھلائے۔ کتاب تریاق القلوب کو پڑھو اور پھر انصاف سے کہو کہ اگرچہ
صدہا باتیں قصوں کے رنگ میں بیان کی جاتی ہیں مگر یہ نشان اور پیشگوئیاں جو رؤیت کی
شہادت سے ثابت ہیں جن کے بچشم خود دیکھنے والے اب تک لاکھوں انسان دنیا میں
موجود ہیں یہ کس سے ظہور میں آئے؟ کون ہے جو ہر ایک نئی صبح کو مخالفین کو ملزم کر رہا ہے
کہ آؤ اگر تم میں رُوح القدس سے کچھ قوت ہے تو میرا مقابلہ کرو؟ عیسائیوں اور ہندوؤں
اور آریوں میں سے کون ہے جو اس وقت میرے سامنے کہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
سے کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا؟ سو یہ خدا کی حجت ہے جو پوری ہوئی۔ سچائی سے
انکار کرنا طریق دیانت اور ایمان نہیں ہے۔ بلاشبہ ہر ایک قوم پر اللہ کی حجت پوری
ہوگئی ہے۔ آسمان کے نیچے اب کوئی نہیں کہ جو رُوح القدس کی تائید میں میرا مقابلہ
کر سکے۔ میں انکار کرنے والوں کو کس سے مشابہت دوں۔ وہ اس نادان سے مشابہت
رکھتے ہیں جس کے سامنے ایک ڈبہ جواہرات کا پیش کیا گیا جس میں کچھ بڑے دانے
اور کچھ چھوٹے تھے۔ اور بہت سے ان میں سے صفا کئے گئے تھے مگر ایک دو دانے اعلیٰ
قسم کے تو تھے مگر ابھی جوہری نے نادانوں کے امتحان کے لئے انکو جلا نہیں دی تھی تب

۲۱۵

یہ نادان غصہ میں آیا اور تمام پاک اور چمکیلے جواہرات دامن سے پھینک دیئے اِس خیال سے کہ ایک دو دانے اُن جواہرات میں سے اُس کے نزدیک بہت روشن نہیں ہیں یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ باوجودیکہ خدا تعالیٰ کی اکثر پیشگوئیاں کمال صفائی سے پوری ہوگئیں اُن سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے جو سَو سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ لیکن ایک دو ایسی پیشگوئیاں جن کی حقیقت کم بصیرتی سے ان کو سمجھ نہیں آئی اُن کا بار بار ذکر کر رہے ہیں۔ ہر ایک مجلس میں اُن کو پیش کرتے ہیں۔ اے مسلمانوں کی ذرّیت! تمہیں راستی سے بغض کرنا کس نے سکھایا جبکہ تمہاری آنکھوں کے سامنے خدا نے وہ عجیب کام بکثرت دکھلائے جن کا دکھلانا انسان کی قدرت میں نہیں اور جو تمہارے باپ دادوں نے نہیں دیکھے تھے تو کیا ان نشانوں کو بھلا دینا اور دو تین پیشگوئیوں کی نسبت بے ہودہ نکتہ چینیاں کرنا جائز تھا؟ کیا تمہیں معلوم نہیں جو میری تصدیق کے لئے کیسا عظیم الشان نشان آسمان پر ظاہر ہوا۔ اور تیرہ سَو برس کی انتظار کے بعد میرے ہی زمانہ میں میرے ہی دعوے کے عہد میں میری ہی تکذیب کے وقت خدا نے اپنے دو روشن نیّروں سورج اور چاند کو رمضان کے مہینے میں بے نور کر دیا۔ یہ موجودہ علماء کے سلب نور اور ظلم پر ایک ماتمی نشان تھا اور مقرر تھا کہ وہ مہدی کی تکذیب کے وقت ظاہر ہوگا۔ خدا کے پاک نبی ابتدار سے خبر دیتے آئے تھے کہ مہدی کے انکار کی وجہ سے یہ ماتمی نشان آسمان پر ظاہر ہوگا۔ اور رمضان میں اس لئے کہ دین میں ظلمت اور ظلم روا رکھا گیا۔ جیسا کہ آثار میں بھی آچکا ہے کہ مہدی پر کفر کا فتویٰ لکھا جائے گا۔ اور اس کا نام وقت کے علماء دجّال اور کذاب اور مفتری اور بے ایمان رکھیں گے۔ اور اُس کے قتل کے منصوبے ہونگے۔ تب خدا جو آسمان کا خدا ہے جس کا قوی ہاتھ اُس کے گروہ کو ہمیشہ بچاتا ہے آسمان پر مہدی کی تائید کے لئے یہ نشان ظاہر کرے گا۔ اور قرآن

۳۹ ح

اس کی گواہی دے گا۔* مگر چونکہ نشانوں کے نیچے ہمیشہ ایک اشارہ ہوتا ہے گویا ان کے اندر ایک تصویری تفہیم منقوش ہوتی ہے۔ اس لئے خدا نے اس کسوف خسوف کے نشان میں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ علمائے محمدی جو چاند اور سورج کے مشابہ ہونے چاہئیں تھے اس وقت اُن کا نور فراست جاتا رہے گا۔ اور مہدی کو شناخت نہیں کرینگے اور تعصب کے گرہن نے ان کے دل کو سیاہ کر دیا ہو گا۔ اس لئے اس امر کے اظہار کے لئے ماتمی نشان آسمان پر ظاہر ہو گا۔ پھر اسی نشان پر خدا نے بس نہیں کی۔ بڑی بڑی فوق العادت پیشگوئیاں ظہور میں آئیں جیسا کہ لیکھرام والی پیشگوئی جس کی ساری برٹش انڈیا گواہ ہے کیسے شان اور شوکت سے ظہور میں آ گئی۔ اور باوجود ہزاروں طرح کی حفاظتوں اور ہشیاریوں کے کس طرح خدا کے ارادہ نے روز روشن میں اپنا کام کر دیا۔ ایسا ہی رسالہ انجام آتھم کی یہ پیشگوئی کہ عبدالحق غزنوی نہیں مرے گا جب تک کہ اس عاجز کا پسر چہارم پیدا نہ ہولے کس صفائی اور روشنی سے عبدالحق کی زندگی میں پوری ہو گئی۔ اور ایسا ہی یہ پیشگوئی کہ اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہو گا بعد ان لڑکوں کے جو سب مر گئے۔ اور اس لڑکے کا تمام بدن پھوڑوں سے بھرا ہوا ہو گا۔ چنانچہ ان پیشگوئیوں میں ایسا ہی ظہور میں آیا جس طور سے

* حجج الکرامہ میں لکھا ہے کہ مسیح اپنے دعاوی اور معارف کو قرآن سے استنباط کرے گا یعنی قرآن اس کی سچائی کی گواہی دے گا۔ اور علمائے وقت بعض حدیثوں کو پیش نظر رکھ کر اُس کی تکذیب کرینگے۔ اور مکتوبات امام ربّانی میں لکھا ہے کہ مسیح موعود جب دنیا میں آئیگا۔ تو علمائے وقت بمقابلہ اس کے آمادۂ مخالفت ہو جائیں گے کیونکہ جو باتیں بذریعہ اپنے استنباط اور اجتہاد کے وہ بیان کرے گا وہ اکثر دقیق اور غامض ہونگی اور بوجہ دقّت اور غموض ماخذ کے ان سب مولویوں کی نگاہ میں کتاب اور سنّت کے برخلاف نظر آئینگی حالانکہ حقیقت میں برخلاف نہیں ہونگی۔ دیکھو صفحہ ۷۔ المکتوبات امام ربّانی مطبع احمدی دہلی۔ منہ

اور عین تاریخ میں لیکھرام کا قتل ہونا بیان کیا گیا تھا اسی طرح سے لیکھرام قتل ہوا اور
کئی سو لوگوں نے گواہی دی کہ وہ پیشگوئی بہت صفائی سے پوری ہو گئی ۔ چنانچہ
اب تک وہ محضر نامہ میرے پاس موجود ہے جس پر ہندوؤں کی گواہیاں بھی ثبت ہیں ایسا
ہی پیشگوئی کے مطابق میرے گھر میں چار لڑکے پیدا ہوئے اور پسر چہارم کی پیدائش تک
پیشگوئی کے مطابق عبدالحق غزنوی زندہ رہا ۔ اِس میں کیسی قدرت الٰہی پائی جاتی ہے
ایسا ہی لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مکرمی اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب
کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا بدن پھوڑوں سے بھرا ہوا تھا اور وہ پھوڑے
ایک سال سے بھی کچھ زیادہ دنوں تک اس لڑکے کے بدن پر رہے جو بڑے بڑے اور
خطرناک اور بدنما اور موٹے اور ناقابلِ علاج معلوم ہوتے تھے جن کے اب تک داغ
موجود ہیں ۔ کیا یہ طاقتیں بجز خدا کے کسی اور میں بھی پائی جاتی ہیں ؟ پھر یہ پیشگوئیاں
کچھ ایک دو پیشگوئیاں نہیں بلکہ اسی قسم کی سو سے زیادہ پیشگوئیاں ہیں جو کتاب
تریاق القلوب میں درج ہیں ۔ پھر ان سب کا کچھ بھی ذکر نہ کرنا ۔ اور بار بار احمد بیگ
کے داماد یا آتھم کا ذکر کرتے رہنا کس قدر مخلوق کو دھوکہ دینا ہے ۔ اس کی ایسی ہی
مثال ہے کہ مثلاً کوئی شریر النفس اُن تین ہزار معجزات کا کبھی ذکر نہ کرے جو ہمارے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہور میں آئے اور حدیبیہ کی پیشگوئی کو بار بار ذکر کرے کہ وہ وقت
اندازہ کردہ پر پوری نہیں ہوئی ۔ یا مثلاً حضرت مسیح کی صاف اور صریح پیشگوئیوں کا کبھی کسی کے
پاس نام تک نہ لے اور بار بار ہنسی ٹھٹھے کے طور پر لوگوں کو یہ کہے کہ کیوں صاحب کیا وہ
وعدہ پورا ہو گیا جو حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ ابھی تم میں سے کئی لوگ زندہ ہونگے
جو میں پھر واپس آؤنگا ۔ یا مثلاً شرارت کے طور پر داؤد کا تخت دوبارہ قائم کرنے کی
پیشگوئی کو بیان کر کے پھر ٹھٹھے سے کہے کہ کیوں صاحب کیا یہ سچ ہے کہ حضرت مسیح
بادشاہ بھی ہو گئے تھے اور داؤد کا تخت اُن کو مل گیا تھا ۔ شیخ سعدی یحیٰی کی نسبت

مـ۲۰

سچ فرماتے ہیں ؎

ندارد بعد نکتۂ نغز گوش — چو زحقّے برہبیند برآرد خروش

یہ نادان نہیں جانتے کہ پیشگوئی ایک علم ہے اور خدا کی وحی ہے اس میں بعض وقت متشابہات بھی ہوتے ہیں۔ اور بعض وقت ملہم تعبیر کرنے میں خطا کرتا ہے جیسا کہ حدیث ذھب وھلی اس پر شاہد ہے۔ پھر احمد بیگ کے داماد کا اعتراض کرنا اور احمد بیگ کی وفات کو بھول جانا کیا یہی ایمان داری ہے۔ اسجگہ تو پیشگوئی کی دو ٹانگوں میں سے ایک ٹانگ ٹوٹ گئی اور ایک حصہ پیشگوئی کا یعنی احمد بیگ کا میعاد کے اندر فوت ہو جانا حسب منشائے پیشگوئی صفائی سے پورا ہو گیا اور دوسرے کی انتظار ہے مگر یونس نبی کی قطعی پیشگوئی میں کونسا حصّہ پورا ہو گیا؟ اگر شرم ہے تو اس کا کچھ جواب دو۔ آپ لوگ اگر بہت ہی کم فرصت ہوں اور اُن تمام نشانوں کو جو سو سے زیادہ ہیں غور سے نہ دیکھ سکیں تو نمونہ کے طور پر ایک نشان آسمان کا لے لیں یعنی مہینہ رمضان کا خسوف کسوف اور ایک نشان زمین کا یعنی لیکھرام کا پیشگوئی کے مطابق مارا جانا۔ اور پھر سوچ لیں کہ نشان نمائی میں درحقیقت یہ دو گواہیاں طالب صادق کے لئے کافی ہیں۔ ہاں اگر طالب صادق نہیں تو اس کے لئے تو ہزار معجزہ بھی کافی نہیں ہوگا۔ دیکھنا چاہیئے کہ چاند اور سورج کا رمضان شریف میں گرہن ہونا کس قدر ایک مشہور پیشگوئی تھی۔ یہاں تک کہ جب ہندوستان میں یہ نشان ظاہر ہوا تو مکّہ معظمہ کی ہر ایک گلی اور کوچہ میں اس کا تذکرہ تھا کہ مہدی موعود پیدا ہو گیا۔ ایک دوست نے جو اُن دنوں میں مکّہ میں تھا خط میں لکھا کہ جب مکہ والوں کو سورج اور چاند گرہن کی خبر ہوئی کہ رمضان میں حدیث کے الفاظ کے مطابق گرہن ہو گیا تو وہ سب خوشی سے اُچھلنے لگے کہ اب اسلام کی ترقی کا وقت آگیا اور مہدی پیدا ہو گیا۔ اور بعض نے قدیم جہادی غلطیوں کی وجہ سے اپنے ہتھیار صاف کرنے شروع کر دیئے کہ اب کافروں سے لڑائیاں ہونگی۔ غرض متواتر سُنا گیا ہے کہ نہ صرف مکّہ میں بلکہ تمام بلادِ اسلام

میں اس کسوف خسوف کی خبر پاکر بڑا شور اٹھا تھا اور بڑی خوشیاں ہوئی تھیں اور منجمین نے یہ بھی گواہی دی ہے کہ اس کسوف خسوف میں ایک خاص ندرت تھی یعنی ایک بے مثل اعجوبہ جس کی نظیر نہیں دیکھی گئی اور اسی ندرت کے دیکھنے کے لئے ہمارے اس ملک کے ایک حصہ میں انگریزی فلاسفروں کی طرف سے ایک رصدگاہ بنایا گیا تھا اور امریکہ اور یورپ کے دُور دُور کے ملکوں سے انگریزی منجم کسوف خسوف کی اس طرز عجیب کے دیکھنے کے لئے آئے تھے۔ جیساکہ اس خسوف کسوف کے ندرت کے حالات ان دنوں میں پرچہ سول ملٹری گزٹ اور ایساہی اور کئی انگریزی اخباروں میں اور نیز بعض اردو اخبارول میں بھی مفصل چھپے تھے۔ اور لیکھرام کے مارے جانے کا نشان بھی ایک ہیبت ناک نشان تھا جس میں پانچ برس پہلے اس واقعہ کی خبر دی گئی تھی اور پیشگوئی میں ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ عید کے دوسرے دن مارا جائے گا۔ اور اس طرح پر قتل کا دن بھی متعین ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ کسی قسم کی شرط نہ تھی اور ہزار سے زیادہ لوگ بول اُٹھے تھے کہ یہ پیشگوئی کمال صفائی سے پوری ہو گئی۔ غرض ان دونوں نشانوں کی عظمت نے دلوں کو ہلا دیا تھا۔ نہ معلوم منکر خدا تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے جنہوں نے اِن چمکتے ہوئے نشانوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ناحق ظلم سے اپنے پیروں کے نیچے کچل دیا۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون[1]۔ ہائے یہ لوگ کیوں نہیں دیکھتے کہ کیسے متواتر نشان ظاہر ہوتے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی تائید میں کیسی نازل ہو رہی ہیں اور ایک خدائی قوت زمین پر کام کر رہی ہے۔ ہائے! یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اگر یہ کاروبار خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو اس قدر نقلی اور عقلی اور کشفی طور پر ثبوت کے مواد ہرگز اس میں جمع نہ ہو سکتے۔

آسماں بارد نشاں الوقت میگوید زمیں   باز بغض وکینہ و انکار ایناں را بہ بیں
اے ملامت گر خدا را برزمان کن یک نظر   چوں خدا خاموش ماند در چنیں وقت خطر

ﮨ ۴۱

[1] الشعراء: ۲۲۸

خستگانِ دیں مرا از آسماں طلبیدہ اند آمدم وقتے کہ دلہا خوں زغم گردیدہ اند
دعوئے مارا فروغ از صد نشانہا دادہ اند مہر و مہ ہم از پئے تصدیق ما استادہ اند

کچھ ایسے عقل پر پردے پڑ گئے ہیں کہ بار بار یہی عذر پیش کرتے ہیں کہ حدیثوں کے مطابق اس شخص کا دعویٰ نہیں۔ اے قابلِ رحم قوم! میں کب تک تمہیں سمجھاؤں گا۔ خدا تمہیں ضائع ہونے سے بچاوے آپ لوگ کیوں نہیں سمجھتے اور میں کیونکر دلوں کو چاک کر کے سچائی کا نور اُن میں ڈال دوں۔ کیا ضرور نہ تھا کہ مسیح حَکَمْ ہو کر آتا اور کیا مسیح پر یہ فرض تھا کہ باوجود اس کے کہ خدا نے اُس کو صحیح علم دیا پھر بھی وہ تمہاری ساری حدیثوں کو مان لیتا۔ کیا اس کو ادنیٰ سے ادنیٰ محدث کا درجہ بھی نہیں دیا گیا اور اس کی تنقید جو علمِ لدنّی پر مبنی ہے اس کا کچھ بھی اعتبار نہیں۔ اور کیا اس پر واجب ہے کہ پہلے ناقدین حدیث کی شہادت کو ہر جگہ اور ہر مقام اور ہر موقعہ اور ہر تاویل میں قبول کرلے اور ایک ذرّہ ان کے قدمگاہ سے انحراف نہ کرے۔ اگر ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا تو پھر اس کا نام حَکَم کیوں رکھا گیا؟ وہ تو تلمیذ المحدثین ہوا۔ اور ان کی رہنمائی کا محتاج۔ اور جبکہ بہرحال محدثین کی لکیر پر ہی اُس نے چلنا ہے تو یہ ایک بڑا دھوکہ ہے کہ اُس کا نام یہ رکھا گیا کہ قومی تنازع کا فیصلہ کرنے والا۔ بلکہ اس صورت میں وہ نہ عدل رہا نہ حَکَم رہا۔ صرف بخاری اور مسلم اور ابن ماجہ اور ابن[1] داؤد وغیرہ کا ایک مقلّد ہوا گویا محمد حسین بٹالوی اور نذیر حسین دہلوی اور رشید احمد گنگوہی وغیرہ کا ایک چھوٹا بھائی ہوا۔ پس یہی ایک غلطی ہے جس نے آسمانی دولت سے ان لوگوں کو محروم رکھا ہے۔ کیا یہ اندھیر کی بات نہیں کہ محدثین کی تنقید اور توثیق اور تصحیح کو عظمت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ گویا ان کا سب لکھا ہوا نوشتہ تقدیر ہے لیکن وہ جس کا خدا نے فیصلہ کرنیوالا نام رکھا اور امت کے اندرونی نزاعوں کے تصفیہ کرنے کیلئے حَکَم ٹھیرایا وہ ایسا بے دست و پا آیا کہ کسی حدیث کے ردّ یا قبول کا اس کو اختیار نہیں گویا اس سے وہ لوگ بھی اچھے ٹھیرے جن کی نسبت اہلِ سنّت قبول

[1] سہو کاتب ہے۔ لفظ "ابو داؤد" ہونا چاہیئے۔ (ناشر)

کرتے ہیں کہ وہ تصحیح حدیث بطور کشف براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے تھے اور اس ذریعہ سے کبھی صحیح حدیث کو موضوع کہہ دیتے تھے اور کبھی موضوع کا نام صحیح رکھتے تھے۔ پس سوچو اور سمجھو کہ جس شخص کے ذمہ اسلام کے ۷۳ فرقوں کی نزاعوں کا فیصلہ کرنا ہے کیا وہ محض مقلد کے طور پر دنیا میں آسکتا ہے۔ پس یقیناً سمجھو کہ یہ ضروری تھا کہ وہ ایسے طور سے آتا کہ بعض نادان اس کو یہ سمجھتے کہ گویا وہ اُن کی بعض حدیثوں کو زیر و زبر کر رہا ہے یا بعض کو نہیں مانتا۔ اسی لئے تو آثار میں پہلے سے آچکا ہے کہ وہ کافر ٹھیرایا جائیگا اور علمائے اسلام اُس کو دائرۂ اسلام سے خارج کرینگے اور اس کی نسبت قتل کے فتوے جاری ہونگے۔ کیا تمہارا مسیح بھی میری طرح کافر اور دجّال ہی کہلائیگا؟ اور کیا علماء میں اُس کی یہی عزت ہوگی؟ خدا سے خوف کر کے بتلاؤ کہ ابھی یہ پیشگوئی پوری ہوگئی یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ جبکہ مسیح اور مہدی کی تکفیر تک نوبت پہنچے گی اور علمائے کرام اور صوفیائے عظام اُن کا نام کافر اور دجّال اور بے ایمان اور دائرۂ اسلام سے خارج رکھینگے تو کیا کسی ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف پر یہ شور قیامت برپا ہوگا یہاں تک کہ بجز چند افراد کے تمام علمائے اسلام جو زمین پر رہتے ہیں سب اتفاق کرلینگے کہ یہ شخص کافر ہے۔ یہ پیشگوئی بڑے غور کے لائق ہے کیونکہ بڑے زور سے آپ لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے اُس کو پورا کر دیا ہے۔ یاد رہے کہ یہ شبہات کہ کیوں صحاح ستہ کی وہ تمام حدیثیں جو مہدی اور مسیح موعود کے بارے میں لکھی ہیں اسپر صادق نہیں آتیں اس سوال سے حل ہو جاتی ہیں کہ کیوں اخبار و آثار میں یہاں تک کہ مکتوبات مجدد صاحب سرہندی اور فتوحات مکیہ اور حجج الکرامہ میں لکھا ہے کہ مہدی اور مسیح کی علمائے وقت سخت مخالفت کرینگے اور ان کا نام گمراہ اور ملحد اور کافر اور دجّال رکھیں گے اور کہیں گے کہ انہوں نے دین کو بگاڑ دیا اور احادیث کو چھوڑ دیا اس لئے وہ واجب القتل ہیں کیونکہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ضرور ہے کہ آنے والے مسیح اور مہدی بعض حدیثوں کو جو علماء کے نزدیک صحیح ہیں چھوڑ دینگے بلکہ اکثر کو چھوڑ دینگے

تبھی تو یہ شورِ قیامت برپا ہوگا اور کافر کہلائیں گے۔ غرض ان احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ مہدی اور مسیح علمائے وقت کی امیدوں کے برخلاف ظاہر ہونگے اور جس طور سے انہوں نے حدیثوں میں پٹڑی جما رکھی ہے اُس پٹڑی کے برخلاف ان کا قول اور فعل ہوگا۔* اسی وجہ سے اُن کو کافر کہا جائے گا۔ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ علمائے مخالفین کا میری نسبت درحقیقت اَور کوئی بھی عذر نہیں بجز اس بیہودہ عذر کے کہ جو ایک ذخیرہ رطب ویابس حدیثوں کا انہوں نے جمع کر رکھا ہے اُن کے ساتھ مجھے ناپنا چاہتے ہیں حالانکہ اُن حدیثوں کو میرے ساتھ ناپنا چاہیئے تھا۔ یہ ایک ابتلاء ہے جو کم عقل اور بدقسمت لوگوں کے لئے مقدّر تھا اور اس ابتلاء میں نادان لوگ پھنس جاتے ہیں کیونکہ وہ لوگ اپنے دلوں میں پہلے ہی ٹھیرا لیتے ہیں کہ جو کچھ مہدی اور مسیح کی نسبت حدیثیں لکھی ہیں اور جس طرح اُن کے معنے کئے گئے ہیں وہ سب صحیح اور واجب الاعتقاد ہیں اسلئے جب وہ لوگ اس فرضی نقشہ سے جو قرآن شریف سے بھی مخالف ہے مجھے مطابق نہیں پاتے تو وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کاذب ہے۔ مثلاً وہ خیال کرتے ہیں کہ مسیح موعود ایک ایسی قوم یاجوج ماجوج کے وقت آنا چاہیئے جن کے لمبے درختوں کی طرح قد ہونگے اور اس قدر لمبے کان ہونگے کہ اُن کو بستر کی طرح بچھا کر اُن پر سو رہیں گے۔ اور نیز مسیح آسمان سے فرشتوں کے ساتھ اُترنا چاہیئے۔ بیت المقدس کے منارہ کے پاس مشرقی طرف۔ اور دجّال عجیب الخلقت اس سے پہلے موجود چاہیئے جس کے قبضۂ قدرت میں سب خدائی کی باتیں ہوں۔ مینہہ برسانے اور کھیتیاں اُگانے اور مُردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہو۔ ایک آنکھ سے کانا ہو۔ اور اس کے گدھے کا سر اتنا بڑا موٹا ہو کہ دونوں کانوں کا

* مہدی کو کافر اور گمراہ اور دجّال اور ملحد ٹھیرانے کے بارے میں دیکھو حجج الکرامہ نواب مولوی صدیق حسن خاں اور دراسات اللبیب اور فتوحاتِ مکیہ۔ منہ

فاصلہ تین سو ہاتھ کے قریب ہو اور دجّال کی پیشانی پر کافر لکھا ہؤا ہو۔ اور مہدی ایسا چاہیئے جس کی تصدیق کے لئے آسمان سے زور زور سے آواز آوے کہ یہ خلیفۃ اللہ مہدی ہے اور وہ آواز تمام مشرق و مغرب تک پہنچ جائے اور مکّہ سے اس کے لئے ایک خزانہ نکلے۔ اور وہ عیسائیوں سے لڑے اور عیسائی بادشاہ اُس کے پاس پکڑے آویں اور تمام زمین کو کفّار کے کے خون سے پُر کر دیوے اور اُنکی تمام دولت لوٹ لے۔ اور اس قدر قاتل اور خونریز ہو کہ جب سے دنیا کی بنیاد پڑی ہے ایسا خونی آدمی کوئی نہ گذرا ہو۔ اور اس قدر اپنے تابعوں میں مال تقسیم کرے کہ لوگوں کو مال رکھنے کے لئے جگہ نہ رہے۔ اور پھر اتنی خونریزیوں کے بعد چالیس برس تک موت کا حکم دنیا پر سے قطعًا موقوف کر دیا جائے اور تمام ایشیا اور یورپ اور امریکہ میں بجائے اس کے کہ ایک طرفۃ العین میں لاکھ آدمی مرتا تھا چالیس برس تک کوئی کیڑا بھی نہ مرے۔ نہ وہ بچّہ جو پیٹ میں ہے اور نہ وہ بڈھا جو ایک سو برس کا ہے۔ اور شیر اور بھیڑیے اور چرگ اور باز گوشت کھانا چھوڑ دیں۔ یعنی چالیس برس تک درندے بھی اپنے شکار کو مارنا چھوڑ دیں۔ یہاں تک کہ وہ جوئیں جو بالوں میں پڑتی ہیں اور وہ کیڑے جو پانی میں ہوتے ہیں کسی کو موت نہ آوے۔ اور لوگ اگرچہ روپیہ بہت پاویں مگر چالیس برس تک صرف دال پر ہی گذارہ کریں۔ اور جین مت کے مذہب کی طرح کوئی شخص کوئی جانور نہ مارے۔ عید کی قربانیاں اور حج کے ذبیحے سب بند ہو جائیں۔✠ لوگ

✠ یہ تمام امور اُن پیشگوئیوں سے لازم آتے ہیں جن کے ظاہر الفاظ پر علمائے حال زور دے رہے ہیں کیونکہ جبکہ یہ حکم صادر ہو گیا کہ چالیس برس تک کوئی زندہ نہیں مرے گا اور اسی بنا پر شیر نے بکری کے ساتھ ایک گھاٹ میں پانی پیا اور اپنا شکار پاکر پھر بھی اس کو نہ مارا اور بھیڑیئے نے بھی گوشت خوری سے توبہ کی اور باز بھی چڑیوں کے مارنے سے باز آیا اور سب نے بھوک سے اذیت اٹھانا قبول کیا مگر کسی جاندار پر حملہ نہ کیا یہاں تک کہ بلّی نے بھی چوہے کی جان بخشی کی۔ اور سب درندوں نے جانوں کی حفاظت کے لئے اپنی موت کو قبول کر لیا تو پھر کیا انسان ہی نالائق اور نافرمان رہے گا کہ ایسے امن کے زمانہ میں اپنے پیٹ کے لئے خون کر کے درندوں سے بھی بدتر ہو جائے گا؟ منہ

سانپوں کو نہ ماریں اور نہ سانپ لوگوں کو ڈسیں۔ پس اگر کسی مہدویت کے مدعی کے وقت یہ سب باتیں ہوں تب اس کو سچا مہدی مانا جائے ورنہ نہیں تو اب بتلاؤ کہ ان علامتوں اور نشانوں کے ساتھ جو لوگ سچے مہدی اور سچے مسیح کو پرکھنا چاہتے ہیں وہ مجھ کو کیونکر قبول کریں۔ لیکن اسجگہ تعجب یہ ہے کہ آثار میں لکھا ہے کہ وہ مسیح موعود جو ان کے زعم میں آسمان پر سے اترے گا اور وہ مہدی جس کے لئے آسمان پر سے آواز آئیگی اُسکو بھی میری طرح کافر اور دجّال کہا جائیگا۔ اب اسجگہ طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ مسیح حدیثوں کے مطابق آسمان سے اُترے گا اور اس مہدی کے لئے سچ مچ آسمان سے آواز آئے گی جو یہ خلیفۃ اللہ ہے تو اتنے بڑے معجزات دیکھنے کے بعد یہاں تک کہ آسمانی فرشتے اُترتے دیکھ کر پھر کیا وجہ کہ اُن کو کافر ٹھہرائیں گے۔ بالخصوص جبکہ وہ آسمان سے اُتر کر ان لوگوں کی تمام حدیثیں قبول کریں گے تو پھر تو کوئی وجہ تکفیر کی نہیں معلوم ہوتی۔ اِس سے ضروری طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ میری نسبت بہت زیادہ ان لوگوں کی حدیثوں کا انکار کرینگے ورنہ کیا وجہ کہ باوجود اتنے معجزات دیکھنے کے پھر بھی اُن کو کافر کہا جائیگا پس ماننا پڑا کہ سچے مسیح اور مہدی کی نشانی ہی یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کی بہت سی حدیثوں سے منکر ہو۔ ورنہ یوں تو علماء کا سر پھرا ہوا نہ ہوگا کہ بے وجہ کافر کہہ دینگے اور ان کی نسبت کفر کا فتویٰ دینگے۔ اب اس سوال کا جواب دینا ان مولوی صاحبوں کا حق ہے کہ جبکہ مہدی اور مسیح اُن کے قرارداده نشانوں کے موافق آئیں گے یعنی ایک تو دیکھتے دیکھتے آسمان سے مع فرشتوں کے اُترے گا اور دوسرے کے لئے آسمان سے آواز آئے گی کہ یہ خلیفۃ اللہ مہدی ہے اور ایک دم میں مشرق اور مغرب میں وہ آواز پھر جائیگی گویا دونوں آسمان ہی سے اُترے تو پھر اسقدر بڑا معجزہ دیکھنے کے بعد جو گویا سیّدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ظہور میں نہیں آیا۔ کیوں ان دونوں معجز نما بزرگوں کو کافر کہیں گے۔ حالانکہ وہ آتے ہی علماء کرام کے سامنے اطاعت کے ساتھ جھک جائینگے

ص۱۴۰

اور چوں نہیں کریں گے اور بخاری اور مسلم اور ابن ماجہ اور ابوداؤد اور نسائی اور موطا غرض تمام ذخیرہ حدیثوں کو جس طرح پر حضرات موحّدین مانتے ہیں سر جُھکا کر سب کو مان لیں گے اور اگر کوئی عرض کرے گا کہ حضرت آپ تو حَکَم ہو کر آئے ہیں کچھ تو ان علماء سے اختلاف کیجیئے تو نہایت عاجزی اور مسکینی سے کہیں گے کہ حَکَم کیسے۔ ہماری کیا مجال کہ ہم صحاح ستّہ کی کچھ مخالفت کریں۔ یا حضرت مولانا شیخ الکل نذیر حسین اور حضرت مولانا مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی اور یا حضرت مولانا امام المقلدین رشید احمد گنگوہی کے اجتہادات اور انکے اکابر کی تشریحات کی مخالفت کریں۔ یہ حضرات جو کچھ فرما چکے سب ٹھیک اور بجا ہے۔ ہم کیا اور ہمارا وجود کیا۔ ظاہر ہے کہ جبکہ مہدی اس طرح پر تسلیم محض ہو کر آئیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ علماء اُن کو کافر کہیں یا اُن کا نام دجّال رکھیں۔ اکثر یہ لوگ جو مولوی کہلاتے ہیں عوام کالانعام کے آگے محض دھوکا دہی کے طور پر یہ بیان کیا کرتے ہیں کہ دیکھو مسلم میں یہ کیسی واضح حدیث ہے کہ مسیح موعود دمشق کے مشرقی منارہ کے نزدیک آسمان پر سے اُترے گا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھے گا۔ اور اس پیشگوئی کے ظاہر الفاظ میں دمشق اور اس کے مشرقی طرف ایک منارہ کا بیان ہے جس کے نزدیک مسیح موعود کا آسمان سے اُترنا ضروری ہے۔ پس اگر ان تمام الفاظ کی تاویل کی جائے گی تو پھر پیشگوئی کچھ بھی نہ رہے گی۔ بلکہ مخالف کے نزدیک ایک باعث تمسخر ہوگا۔ کیونکہ پیشگوئی کی تمام شوکت اور اس کا اثر اپنے ظاہر الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے اور پیشگوئی کرنے والے کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان علامتوں کو یاد رکھیں اور اُنہی کو مدعی صادق کا معیار ٹھیرائیں۔ مگر تاویل میں تو وہ سارے نشان مقرر کردہ گم ہو جاتے ہیں۔ اور یہ امر مقبول اور مسلّم ہے کہ نصوص کو ہمیشہ اُنکے ظاہر پر حمل کرنا چاہیئے اور ہر ایک لفظ کی تاویل مخالف کو تسکین نہیں دے سکتی کیونکہ اس طرح تو کوئی مقدمہ فیصلہ ہی نہیں ہو سکتا بلکہ اگر ایک شخص تاویل کے طور پر اپنے مطلب کے موافق کسی حدیث کے معنے کر لیتا ہے اور الفاظ کے معنے کو تاویل کے طور پر اپنے مطلب

کی طرف پھیر لیتا ہے تو اس طرح پر تو مخالف کا بھی حق ہے کہ وہ بھی تاویل سے کام لے تو پھر فیصلہ قیامت تک غیر ممکن۔ یہ اعتراض ہے جو ہمارے مخالف کرتے ہیں اور نیز اپنے نادان چیلوں کو سکھاتے ہیں مگر انہیں معلوم نہیں کہ وہ خود اس اعتراض کے نیچے ہیں۔ ہم تو کسی حدیث کے ظاہر الفاظ کو نہیں چھوڑتے جب تک قرآن اپنے نصوص صریحہ سے مع دوسری حدیثوں کے اس کو نہ چھڑائے اور تاویل کے لئے مجبور نہ کرے۔ چنانچہ اس جگہ بھی ایسا ہی ہے۔ اگر یہ لوگ خدا تعالیٰ سے خوف کرکے کچھ سوچتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ درحقیقت یہ اعتراض تو انہی پر ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن شریف میں حضرت مسیح کے بارے میں صاف لفظوں میں یہ پیشگوئی موجود تھی کہ یا عیسٰی انّی متوفیک و رافعک الیّ یعنی اے عیسٰی میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور وفات کے بعد اپنی طرف اٹھانے والا۔ لیکن ہمارے مخالفوں نے اس نص کے ظاہر الفاظ پر عمل نہیں کیا اور نہایت مکروہ اور پُرتکلف تاویل سے کام لیا۔ یعنی رافعک کے فقرہ کو متوفیک کے فقرہ پر مقدم کیا اور ایک صریح تحریف کو اختیار کر لیا۔ اور یا بعض نے توفی کے لفظ کے معنے پھیر لینا کیا جو نہ قرآن سے نہ حدیث سے نہ علم لغت سے ثابت ہوتا ہے۔ اور جسم کے ساتھ اٹھائے جانا اپنی طرف سے ملا لیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے متوفیک کے معنے صریح ممیتک بخاری میں موجود ہیں۔ اُن سے مُنہ پھیر لیا۔ اور علم نحو میں صریح یہ قاعدہ مانا گیا ہے کہ توفی کے لفظ میں جہاں خدا فاعل اور انسان مفعول بہ ہو ہمیشہ اُس جگہ توفی کے معنے مارنے اور رُوح قبض کرنے کے آتے ہیں۔ مگر ان لوگوں نے اس قاعدہ کی کچھ بھی پروا نہیں رکھی۔ اور خدا کی تمام کتابوں میں کسی جگہ رفع الی اللہ کے معنے یہ نہیں کئے گئے کہ کوئی جسم کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف اُٹھایا جائے۔ لیکن ان لوگوں نے زبردستی سے بغیر وجود کسی نظیر کے رفع الی اللہ کے اس جگہ یہ معنے کئے کہ جسم کے ساتھ اٹھایا گیا۔ ایسا ہی توفی کے اُلٹے معنے کرنے کے وقت کوئی نظیر پیش نہ کی اور پھر لینا معنے لے لئے۔ اب بتلاؤ کہ کس نے نصوص کے ظاہر پر عمل کرنا چھوڑ دیا؟ یا یوں سمجھ لو کہ

اس جگہ دو پیشگوئیاں متناقض ہیں۔ یعنی ایک پیشگوئی دوسرے کی ضد واقع ہے۔ اس طرح پر کہ مسیح موعود کے نزول کی پیشگوئی جو صحیح مسلم میں موجود ہے اس کے یہ معنے محض اپنی طرف سے ہمارے مخالف کر رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر بیٹھا ہوا ہے۔ ابھی تک فوت نہیں ہوا۔ اور آخری زمانہ میں دمشقی منارہ کی شرقی طرف اُتریگا اور ایسے ایسے کام کریگا۔ غرض یہ پیشگوئی تو صحیح مسلم کی کتاب میں سے ہے جو بگاڑ کر بیان کی جاتی ہے اور اس کے مقابل پر اور اس کی ضد ایک پیشگوئی قرآن شریف میں موجود ہے جو پہلی صدی میں ہی کروڑہا مسلمانوں میں شہرت پا چکی تھی۔ اور یہ شہرت قرآنی پیشگوئی کی مسلم والی پیشگوئی کے وجود سے پہلے تھی یعنی اس زمانہ سے پہلے جبکہ مسلم نے کسی راوی سے سُنکر اس مخالفانہ پیشگوئی کو قریبًا پونے دوسو برس بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی کتاب میں لکھا تھا اور مسلم کی پیشگوئی میں صرف یہی نقص نہیں کہ وہ قریبًا پونے دوسو برس بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کی گئی بلکہ ایک یہ بھی نقص ہے کہ مسلم نے اُس اصل راوی کو بھی نہیں دیکھا جس نے یہ حدیث بیان کی تھی اور نہ اس شخص کو دیکھا جس کے پاس یہ روایت بیان کی بلکہ بہت سی زبانوں میں گھومتی ہوئی اور ایسے لوگوں کو چھوتی ہوئی جن کو ہم معصوم نہیں کہہ سکتے مسلم تک پہنچی اور ہمارے پاس کوئی دلیل اس بات پر نہیں کہ کیوں ایسی پیشگوئی کی نسبت جو غیر معصوم زبانوں سے کئی وسائط سے سُنی گئی یہ حکم جاری کریں کہ وہ قرآن کی پیشگوئی کے درجہ پر ہے۔ غرض ایسی پیشگوئی جس کا سارا تانا بانا ہی ظنّی ہے جب قرآن کی پیشگوئی کے نقیض اور ضد ہو تو انکو اس کے ظاہر الفاظ کے رو سے ماننا گویا قرآن شریف سے دست بردار ہونا ہے۔ ہاں اگر کسی تاویل سے مطابق آجائے اور تناقض جاتا رہے تو پھر بسر و چشم منظور۔ یاد رہے کہ کوئی فولادی قلعہ بھی ایسا پختہ نہیں ہو سکتا جیسا کہ قرآن شریف میں حضرت مسیح کی موت کی آیت ہے پھر آسمان سے زندہ مع جسم اُترنے کی پیشگوئی کس قدر موت کی پیشگوئی کی نقیض ہے۔

ذرہ سوچ لو۔ اور قرآن نے توفّی اور رفع کے لفظ کو کئی جگہ ایک ہی معنوں موت اور رفع وطنی کے محل پر ذکر کرکے صاف سمجھا دیا ہے کہ توفّی کے معنے مارنا اور رفع الی اللہ کے معنے رُوح کو خدا کی طرف اٹھانا ہے۔ اور پھر توفّی کے لفظ کے معنے حدیث کے رُو سے بھی خوب صاف ہو گئے ہیں کیونکہ بخاری میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ متوفیک ممیتک یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے لفظ متوفیک کے یہی معنے کئے ہیں کہ مَیں تجھے مارنے والا ہوں۔ اور اس بات پر صحابہ کا اجماع بھی ہو چکا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور گذشتہ روحوں میں جا ملے۔ اب بتلاؤ اور خود ہی انصاف کرو کہ دو پیشگوئیاں متناقض ایک ہی مضمون میں جھگڑا کر رہی ہیں۔ ایک قرآنی پیشگوئی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے موت کا وعدہ ہونا اور پھر بموجب آیت فلمّا توفیتنی کے اس وعدہ موت کا پورا ہو جانا صاف طور پر اس پیشگوئی سے معلوم ہو رہا ہے۔ اور سارا قرآن اس پیشگوئی کے معنے یہی کہہ رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور اُن کی رُوح خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائی گئی۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کے اتفاق کے ساتھ جو لاکھ سے بھی کچھ زیادہ تھے اس بات پر اجماع ظاہر کر رہے ہیں کہ درحقیقت حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے اور امام مالک بھی اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ضرور مر گئے اور امام اعظم اور امام احمد اور امام شافعی ان کے قول کو سُنکر اور خاموشی اختیار کرکے اسی قول کی تصدیق کر رہے ہیں اور امام ابن حزم بھی حضرت عیسیٰ کی موت کی گواہی دے رہے ہیں اور مسلمانوں میں سے فرقہ معتزلہ بھی ان کی موت کا قائل اور ایک صوفیوں کا فرقہ اسی بات کا قائل کہ مسیح فوت ہو گیا ہے اور آنیوالا مسیح موعود اسی اُمّت میں سے ہوگا اور ایک حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی جو حجج الکرامہ میں بھی لکھی گئی ہے حضرت عیسیٰ کی عمر ایک سو بیس برس متعین کر رہی ہے اور کنز العمال کی ایک حدیث فتنہ صلیب کے بعد کے زمانہ کی نسبت بیان کر رہی ہے کہ حضرت مسیح آسمان پر نہیں گئے بلکہ خدا تعالیٰ سے حکم پاکر اپنے وطن سے بر طبق سنت جمیع انبیاء علیہم السلام ہجرت کر گئے۔ اور

اُن ملکوں کی طرف چلے گئے جن میں دوسرے یہودی رہتے تھے۔ جیسے کشمیر جس میں یہودی آکر بخت النصر کے تفرقہ کے وقت آباد ہو گئے تھے۔ اور معراج کی رات میں وفات یافتہ نبیوں کی روحوں میں اُن کی رُوح دیکھی گئی۔ یہ تو قرآنی پیشگوئی ہے جو حضرت مسیح کی وفات بیان فرما رہی ہے جس کے ساتھ ایک لشکر دلائل کا ہے۔ اور علاوہ ادلّہ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کے نسخہ مرہم عیسیٰ اور قبر سری نگر جس میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام مدفون ہیں اس پر شاہد ہیں۔ اور اس کے مقابل پر نہ ہی مسلم کی ظنّی حدیث پیش کی جاتی ہے جس پر صدہا شبہات چیونٹیوں کی طرح چمٹے ہوئے ہیں اور جو ظاہری الفاظ کے رُو سے صریح قرآن شریف کے متناقض اور اُس کی ضد پڑی ہوئی ہے اور طرفہ تر یہ کہ مسلم میں کوئی آسمان کا لفظ موجود نہیں مگر پھر بھی خواہ نخواہ اس حدیث کے یہی معنے کئے جاتے ہیں کہ آسمان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُتریں گے۔ ✝ حالانکہ قرآن شریف بضرب دہل فرما رہا ہے کہ عیسیٰ بن مریم رسول اللہ زمین میں دفن کیا گیا ہے۔ آسمان پر ان کے جسم کا نام و نشان نہیں۔ اب تبلاؤ کہ ہم ان دونوں متناقض پیشگوئیوں میں سے کس کو قبول کریں کیا مسلم کی روایت کے لئے قرآن کو چھوڑ دیں اور ایک ذخیرہ دلائل کو

✝ مسلم کی حدیث کا یہ لفظ کہ مسیح دمشق کے شرقی منارہ کی طرف اُترے گا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ مسیح موعود کا سکونت گاہ ہوگا بلکہ غایت درجہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت اس کی کارروائی دمشق تک پہنچیگی اور یہ بھی اس صورت میں کہ دمشق کے لفظ حقیقت میں دمشق ہی مراد ہو اور اگر ایسا سمجھا بھی جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ اب تو دمشق سے مکّہ معظمہ تک ریل بھی تیار ہو رہی ہے۔ اور ہر ایک انسان بیس دن تک دمشق میں پہنچ سکتا ہے۔ اور عربی میں نزیل مسافر کو کہتے ہیں لیکن یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ اس حدیث کے یہی معنے ہیں کہ مسیح موعود آنے والا دمشق کے شرقی طرف ظاہر ہوگا اور قادیان دمشق سے شرقی طرف ہے۔ حدیث کا منشا یہ ہے کہ جیسے دجال مشرق میں ظاہر ہوگا ایسا ہی مسیح موعود بھی مشرق میں ہی ظاہر ہوگا۔ منہ

اپنے ہاتھ سے پھینک دیں کیا کریں ۔ یہ بھی ہمارا مسلم پر احسان ہے کہ ہم نے تاویل سے
کام لے کر حدیث کو مان لیا ۔ ورنہ رفع تناقض کے لئے ہمارا حق تو یہ تھا کہ اس حدیث
کو موضوع ٹھیرا دیتے ۔ لیکن خوب غور سے سوچنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ دراصل حدیث
موضوع نہیں ہے ۔ ہاں استعارات سے پُر ہے اور پیشگوئی میں جہاں کوئی امتحان منظور ہوتا
ہے استعارات ہوا کرتے ہیں ۔ ہر ایک پیشگوئی کے ظاہر لفظ کے موافق معنی کرنا شرط نہیں
اس کی حدیثوں اور کتاب اللہ میں صدہا نظیریں ہیں ۔ یوسف علیہ السلام کے خواب کی پیشگوئی
دیکھو کب وہ ظاہری طور پر پوری ہوئی اور کب سورج اور چاند اور ستاروں نے اُن کو
سجدہ کیا ۔ اور دمشق کے شرقی منارہ سے ضروری نہیں کہ وہ حصّہ شرقی منارہ دمشق کا
جزو ہو ۔ چنانچہ اس بات کو تو تمام علماء مانتے آئے ہیں ۔ اور یاد رہے کہ قادیان ٹھیک
ٹھیک دمشق سے شرقی طرف واقع ہے ۔ اور دمشق کے ذکر کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں
ایک اور نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے یعنی یہ کہ جو مسلم کی حدیث میں یہ لفظ ہیں
کہ مسیح موعود دمشق کے منارہ شرقی کے قریب نازل ہوگا اس لفظ کی تشریح ایک
دوسری مسلم کی حدیث سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ اس مشرقی طرف سے مراد کوئی حصّہ
دمشق کا نہیں ہے ۔ حدیث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجّال کا پتہ
دینے کے لئے مشرق کی طرف اشارہ کیا تھا ۔ لفظ حدیث کے یہ ہیں کہ اوماً
الی المشرق ۔ پس اس سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ دمشق کسی صورت
سے مسیح کے ظہور کی جگہ نہیں کیونکہ وہ مکہ اور مدینہ سے مشرق کی طرف نہیں ہے
بلکہ شمال کی طرف ہے اور مسیح کے ظہور کی جگہ وہی مشرق ہے جو دجّال کے ظہور
کی جگہ حسب منشائے حدیث اوماً الی المشرق ہے ۔ یعنی حدیث سے ثابت ہے
کہ دجّال کا ظہور مشرق سے ہوگا ۔ اور نواب مولوی صدیق حسن خاں صاحب حجج الکرامہ
میں منظور کر چکے ہیں کہ فتنہ دجّالیہ کے لئے جو مشرق مقرر کیا گیا ہے وہ ہندوستان ہے

اس لئے ماننا پڑا کہ انوارِ مسیحیہ کے ظہور کا مشرق بھی ہندوستان ہی ہے کیونکہ جہاں بیمار ہو وہیں طبیب آنا چاہیئے اور بموجب حدیث لوکان الایمان عند الثریا لنالہ رجال او رجل من ھٰؤلاء (ای من فارس) دیکھو بخاری صفحہ ۷۲۷ رجل فارسی کا جائے ظہور بھی یہی مشرق ہے ٭ اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہی رجل فارسی مہدی ہے اس لئے ماننا پڑا کہ مسیح موعود اور مہدی اور دجّال تینوں مشرق میں ہی ظاہر ہونگے اور وہ ملک ہند ہے۔

اب اس سوال کا میں جواب دیتا ہوں کہ اکثر مخالف جوش میں آکر مجھ سے پوچھا کرتے ہیں کہ تمہارے مسیح موعود ہونے کا کیا ثبوت ہے۔ کیا کسی قرآن شریف کی آیت سے تمہارا مسیح موعود ہونا ثابت ہوتا ہے؟ اور پھر آپ ہی یہ حجّت پیش کرتے ہیں کہ اگر صرف کسی سچی خواب یا کسی سچے کشف سے کوئی مسیح موعود یا مہدی بن سکتا ہے تو دنیا میں ایسے ہزارہا لوگ موجود ہیں جن کو سچی خوابیں آتی ہیں اور کشف بھی ہوتے ہیں اور ہم بھی انہی میں سے ہیں۔ تو کیا وجہ کہ ہم مسیح موعود نہ کہلاویں؟

اما الجواب واضح ہو کہ یہ اعتراض صرف میرے پر نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام پر ہے۔ اور میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ سچی خوابیں اکثر لوگوں کو آجاتی ہیں۔ اور کشف بھی ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات بعض فاسق اور فاجر اور تارک صلوٰۃ بلکہ بدکار اور حرام کار بلکہ کافر اور اللہ اور اس کے رسول سے سخت بغض رکھنے والے اور سخت توہین کرنے والے اور سچ مچ اخوان الشیاطین شاذ و نادر طور پر سچی خوابیں دیکھ

۴۸

٭ ایسا ہی ایک حدیث میں لکھا ہے کہ اصفہان سے ایک لشکر آئیگا جس کی جھنڈیاں کالی ہونگی اور ایک فرشتہ آواز دیگا کہ ان میں خلیفۃ اللہ المہدی ہے۔ اور اصفہان بھی حجاز سے مشرق کی طرف ہے اسلئے ثابت ہوا کہ مہدی مشرق میں ہی پیدا ہوگا یا یہ کہ فارسی الاصل ہوگا۔ منہ

لیتے ہیں اور بعض کشفی نظارے بھی ایک سرعت برق کی طرح عمر بھر میں کبھی اُنکو دکھائے جاتے ہیں٭۔ پس درحقیقت ایک سرسری نظر سے اس قسم کے مشاہدات سے ایک ناداں کے دل میں تمام انبیاء علیہم السلام کی نسبت اعتراض پیدا ہوگا کہ جبکہ ان کی مانند دوسرے لوگوں پر بھی بعض امورِغیب کے کھولے جاتے ہیں تو انبیاء کی اس میں کونسی فضیلت ہوئی؟ ٭٭ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی ایک نیک بخت نیک چلن تو کسی امر میں کوئی پیچیدہ خواب دیکھتا ہے یا نہیں دیکھتا مگر اسی رات ایک فاسق بدمعاش نجاست خوار کو صاف اور کھلی کھلی خواب دکھائی دیتی ہے اور وہ سچی بھی نکلتی ہے اور اس راز سربستہ کا حل کرنا عام لوگوں کی طبیعتوں پر مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بہتیرے اس سے ٹھوکر کھاتے ہیں۔ سو متوجہ ہو کر سُننا چاہیئے کہ

٭ یہ عجیب حیرت نما امر ہے کہ بعض طوائف یعنی کنجریاں بھی جو سخت ناپاک فرقہ دنیا میں ہیں سچی خوابیں دیکھا کرتی ہیں اور بعض پلید اور فاسق اور حرامخور اور کنجروں سے بدتر اور بے دین اور ملحد جو اباحتیوں کے رنگ میں زندگی بسر کرتے ہیں اپنی خوابیں بیان کیا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو کہا کرتے ہیں کہ بھائی میری طبیعت تو کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ میری خواب کبھی خطا ہی نہیں جاتی اور اس راقم کو اس بات کا تجربہ ہے کہ اکثر پلید طبع اور سخت گندے اور ناپاک اور بے شرم اور خدا سے نہ ڈرنے والے اور حرام کھانے والے فاسق بھی سچی خوابیں دیکھ لیتے ہیں۔ اور یہ امر کوتہ بینوں کو سخت حیرت اور پریشانی میں ڈالتا ہے اور اس کا وہی جواب ہے جو میں نے متن اور حاشیہ میں لکھا ہے۔ منہ

٭٭ چونکہ ہر ایک انسان کے اندر بموجب حدیث کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام ایک کشفی روشنی بھی مخفی ہے تا اگر ایمان یا اعلیٰ مرتبہ ایمان مقدر ہے تو مُوقت وہ روشنی کرامت کے طور پر ایمانی آثار دکھاوے۔ اسلئے کبھی اتفاق ہو جاتا ہے کہ کفر اور فسق کے زمانہ میں بھی بجلی کی چمک کی طرح کوئی ذرّہ اس روشنی کا ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ فطرت میں بوجہ نشأ انسانیت کی امانت ہے اور ایک جاہل خیال کرتا ہے کہ گویا مرتبہ ابدال واقطاب مجھے حاصل ہے۔ اس لئے ہلاک ہو جاتا ہے۔ منہ

خواص کے علوم اور کشوف اور عوام کی خوابوں اور کشفی نظاروں میں فرق یہ ہے کہ خواص کا دل تو مظہر تجلیاتِ الٰہیہ ہو جاتا ہے اور جیسا کہ آفتاب روشنی سے بھرا ہوا ہے وہ علوم اور اسرارِ غیبیہ سے بھر جاتے ہیں۔ اور جس طرح سمندر اپنے پانیوں کی کثرت کی وجہ سے ناپیداکنار ہے اسی طرح وہ بھی ناپیدا کنار ہوتے ہیں اور جس طرح جائز نہیں کہ ایک گندے سڑے ہوئے چھپڑ کو محض تھوڑے سے پانی کے اجتماع کی وجہ سے سمندر کے نام سے موسوم کر دیں اسی طرح وہ لوگ جو شاذ و نادر کے طور پر کوئی سچی خواب دیکھ لیتے ہیں اُن کی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ وہ نعوذ باللہ ان بحار علوم ربانی سے کچھ نسبت رکھتے ہیں۔ اور ایسا خیال کرنا اسی قسم کا لغو اور بیہودہ ہے کہ جیسے کوئی شخص صرف مُنہ اور آنکھ اور ناک اور دانت دیکھکر سؤر کو انسان سمجھ لے یا بندر کو بنی آدم کی طرح شمار کرے۔ تمام مدار کثرتِ علومِ غیب اور استجابت دُعا اور باہمی محبت و وفا اور قبولیت اور محبوبیت پر ہے ورنہ کثرت قلّت کا فرق درمیان سے اُٹھا کر ایک کرم شب تاب کو بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ بھی سورج کے برابر ہے۔ کیونکہ روشنی اُس میں بھی ہے۔ دنیا کی جتنی چیزیں ہیں وہ کسی قدر آپس میں مشابہت ضرور رکھتی ہیں۔ بعض سفید پتھر تبّت کے پہاڑوں کی طرف سے ملتے ہیں اور غزنی کے حدود کی طرف سے بھی لاتے ہیں۔ چنانچہ مَیں نے بھی ویسے پتھر دیکھے ہیں وہ ہیرے سے سخت مشابہت رکھتے اور اسی طرح چمکتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ کچھ تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ ایک شخص کابل کی طرف کا رہنے والا چند ٹکڑے پتھر کے قادیان میں لایا اور ظاہر کیا کہ وہ ہیرے کے ٹکڑے ہیں کیونکہ وہ پتھر بہت چمکیلے اور آبدار تھے۔ اور ان دنوں میں مدراس سے ایک مخلص دوست جو نہایت درجہ اخلاص رکھتے ہیں یعنی اخویم سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب تاجر مدراس قادیان میں میرے پاس تھے انکو وہ پسند آ گئے اور اُنکی قیمت میں پانسو روپیہ دینے کو تیار ہوگئے اور پچیس روپیہ یا کچھ کم و بیش اُن کو دے بھی دیئے اور پھر اتفاقاً مجھ سے مشورہ طلب کیا کہ مَیں نے یہ سودا

کیا ہے آپ کی کیا رائے ہے؟ میں اگرچہ اُن ہیروں کی اصلیت اور شناخت سے ناواقف تھا لیکن رُوحانی ہیرے جو دنیا میں کمیاب ہوتے ہیں یعنی پاک حالت کے اہل اللہ جن کے نام پر کئی جھوٹے پتھر یعنی مزوّر لوگ اپنی چمک دمک دکھلا کر لوگوں کو تباہ کرتے ہیں اس جوہر شناسی میں مجھ کو دخل تھا۔ اس لئے میں نے اس ہنر کو اسجگہ برتا۔ اور اس دوست کو کہا کہ جو کچھ آپ نے دیا وہ تو واپس لینا مشکل ہے لیکن میری رائے یہ ہے کہ قبل دینے پانسو روپیہ کے کسی اچھے جوہری کو یہ پتھر دکھلا لیں۔ اگر درحقیقت ہیرے ہوئے تو یہ روپیہ دیدیں۔ چنانچہ وہ پتھر مدراس میں ایک جوہری کے شناخت کرنے کے لئے بھیجے گئے۔ اور دریافت کیا گیا کہ ان کی قیمت کیا ہے۔ پھر شاید دو ہفتہ کے اندر ہی وہاں سے جواب آگیا کہ ان کی قیمت ہے چند پیسے۔ یعنی یہ پتھر ہیں ہیرے نہیں ہیں۔ غرض جس طرح اس ظاہری دنیا میں ایک ادنیٰ کو کسی جزئی امر میں اعلیٰ سے مشابہت ہوتی ہے ایسا ہی رُوحانی اُمور میں بھی ہو جایا کرتا ہے اور رُوحانی جوہری ہوں یا ظاہری جوہری وہ جھوٹے پتھروں کو اس طرح پر شناخت کر لیتے ہیں کہ جو سچے جواہرات کی بہت سی صفات ہیں ان کے رُو سے ان پتھروں کا امتحان کرتے ہیں آخر جھوٹ کھل جاتا ہے۔ اور سچ ظاہر ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ سچے ہیروں میں صرف ایک چمک ہی تو صفت نہیں ہے اور بھی تو بہت سی صفات ہوتی ہیں۔ پس جب ایک جوہری وہ کل صفات پیش نظر رکھ کر جھوٹے پتھروں کا امتحان کرتا ہے تو فی الفور اُن کو ہاتھ سے پھینک دیتا ہے۔ اسی طرح مردانِ خدا جو خدا تعالیٰ سے محبت اور مودّت کا تعلق رکھتے ہیں وہ صرف پیشگوئیوں تک اپنے کمالات کو محدود نہیں رکھتے اُن پر حقائق و معارف کھلتے ہیں اور دقائق و اسرار شریعت اور دلائل لطیفہ حقانیت ملّت انکو عطا ہوتے ہیں اور اعجازی طور پر ان کے دل پر دقیق در دقیق علوم قرآنی اور لطائف کتاب ربّانی اتارے جاتے ہیں اور وہ ان فوق العادت اسرار اور معادی علوم کے وارث کئے جاتے ہیں جو بلاواسطہ موہبت کے طور پر محبوبین کو ملتے ہیں اور خاص محبّت

انکو عطا کی جاتی ہے اور ابراہیمی صدق و صفا اُن کو دیا جاتا ہے اور رُوح القدس کا سایہ اُن کے دلوں پر ہوتا ہے۔ وہ خدا کے ہو جاتے ہیں اور خدا اُن کا ہو جاتا ہے انکی دُعائیں خارق عادت طور پر آثار دکھاتی ہیں۔ اُن کے لئے خدا غیرت رکھتا ہے۔ وہ ہر میدان میں اپنے مخالفوں پر فتح پاتے ہیں۔ اُن کے چہروں پر محبت الٰہی کا نُور چمکتا ہے۔ اُن کے در و دیوار پر خُدا کی رحمت برستی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ وہ پیارے بچّے کی طرح خدا کی گود میں ہوتے ہیں۔ خدا اُن کیلئے اس شیر مادہ سے زیادہ غصّہ ظاہر کرتا ہے جس کے بچے کو کوئی لینے کا ارادہ کرے۔ وہ گناہ سے معصوم۔ وہ دشمنوں کے حملوں سے معصوم۔ وہ تعلیم کی غلطیوں سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔ وہ آسمان کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ خدا عجیب طور پر اُنکی دُعائیں سُنتا ہے اور عجیب طور پر اُن کی قبولیت ظاہر کرتا ہے یہاں تک کہ وقت کے بادشاہ اُنکے دروازوں پر آتے ہیں۔ ذوالجلال کا خیمہ اُن کے دلوں میں ہوتا ہے۔ اور ایک رُعب خدائی اُن کو عطا کیا جاتا ہے اور شاہانہ استغنا اُن کے چہروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ دنیا اور اہل دنیا کو ایک مرے ہوئے کیڑے سے بھی کمتر سمجھتے ہیں۔ فقط ایک کو جانتے ہیں اور اُس ایک کے خوف کے نیچے ہر دم گداز ہوتے رہتے ہیں۔ دنیا اُن کے قدموں پر گری جاتی ہے گویا خدا انسان کا جامہ پہن کر ظاہر ہوتا ہے۔ وہ دنیا کا نُور اور اس ناپائیدار عالم کا ستون ہوتے ہیں۔ وہی سچّا امن قائم کرنیکے شہزادے اور ظلمتوں کے دُور کرنے کے آفتاب ہوتے ہیں۔ وہ نہاں در نہاں اور غیب الغیب ہوتے ہیں۔ کوئی انکو پہچانتا نہیں مگر خدا۔ اور کوئی خدا کو پہچانتا نہیں مگر وہ۔ وہ خدا نہیں ہیں مگر نہیں کہہ سکتے کہ خدا سے الگ ہیں وہ ابدی نہیں ہیں مگر نہیں کہہ سکتے کہ کبھی مرتے ہیں۔ پس کیا ایک ناپاک اور خبیث آدمی جس کا دل گندہ خیالات گندے زندگی گندی ہے اُن سے مشابہت پیدا کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مگر وہی مشابہت جو کبھی ایک چمکیلے پتھر کو ہیرے کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ مردانِ خدا جب دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں تو اُن کی عام برکات کی وجہ سے آسمان سے

ایک قسم کا انتشار روحانیت ہوتا ہے اور طبائع میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے اور جن کے دل اور دماغ سچی خوابوں سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں اُنکو سچّی خوابیں آنی شروع ہو جاتی ہیں لیکن در پردہ یہ تمام انہی کے وجود باجود کی تاثیر ہوتی ہے جیسا کہ مثلاً جب برسات کے دنوں میں پانی برستا ہے تو کنوؤں کا پانی بھی بڑھ جاتا ہے اور ہر ایک قسم کا سبزہ نکلتا ہے لیکن اگر آسمان کا پانی چند سال تک نہ برسے تو کنوؤں کا پانی بھی خشک ہو جاتا ہے۔ سو وہ لوگ درحقیقت آسمان کا پانی ہوتے ہیں۔ اور اُن کے آنے سے زمین کے پانی بھی اپنا سیلاب دکھلاتے ہیں اور اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو ان زمین کے پانیوں کو نابود کر دیتا لیکن اس امر میں کہ کیوں دوسرے لوگوں کو بھی اُن کے وقت میں خوابیں سچی آتی ہیں یا کبھی کشفی نظارے ہوتے ہیں۔ بھید یہ ہے کہ اگر عام لوگوں کو باطنی کشوف سے کچھ بھی حصّہ نہ ہوتا اور پھر جب اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور نبیوں اور محدّثوں کو دنیا میں بھیجتا اور وہ بڑے بڑے پوشیدہ واقعات اور عالم مجازات اور غیب کی خبریں دیتے تو لوگوں کے دل میں یہ گمان گذر سکتا تھا کہ شائد وہ جھوٹے ہیں یا بعض امور میں نجوم وغیرہ سے مدد لیتے ہیں یا درمیان کوئی اور فریب ہے۔ پس خدا نے ان شبہات کے دُور کرنے کے لئے عام لوگوں میں رسولوں اور نبیوں کی جنس کا ایک مادہ رکھ دیا ہے۔ اور نبوّت کی بہت چیزوں اور بہت سی صفاتِ لازمہ میں سے ایک صفت میں انکو ایک حد تک شریک کر دیا ہے تا وہ لوگ خدا کے نبیوں اور ماموریں اور ملہمین کی تصدیق کے لئے قریب ہو جائیں اور دلوں میں سمجھ لیں کہ یہ امور جائز اور ممکن ہیں تبھی تو ہم بھی کسی حد تک شریک ہیں۔ اور اگر خدا تعالیٰ اِس قدر بھی انکو مادہ عطا نہ فرماتا۔ تو عام لوگوں پر نبوت کا مسئلہ سمجھنا مشکل ہو جاتا اور اُن کی طبائع بہ نسبت اقرار کے انکار سے زیادہ قریب ہوتیں۔ لیکن اب تمام عام لوگوں میں یہاں تک کہ فاسقوں اور فاجروں میں بھی علم غیب کا ایک مادہ ہے اس لئے اگر وہ تعصّب کو کام میں نہ لائیں تو نبوت کی حقیقت کو بہت جلد سمجھ سکتے ہیں اور اس بات میں خطرہ بہت کم ہے کہ اگر کوئی ایسا خیال

کرے کہ میری فلاں خواب بھی سچی نکلی اور فلاں موقع پر مجھے کشفی نظارہ ہوا۔ وجہ یہ کہ انسان جب جمیع کمالات نبوت اور محدثیت اور اُنکے مقام محبوبیت پر بخوبی اطلاع پائیگا تو بہت آسانی سے اپنی اس غلطی پر متنبہ ہو جائیگا۔ جیساکہ وہ شخص جس نے کبھی سمندر نہیں دیکھا اور اپنے گاؤں کے ایک تھوڑے سے پانی کو سمندر کے برابر اور اس کے عجائبات سے ہم وزن خیال کرتا ہے جب اُس کا گذر سمندر پر ہوگا اور اس کی حقیقت سے اطلاع پائیگا تو بغیر نصیحت کسی ناصح کے خود بخود سمجھ جائیگا کہ مَیں ایک بڑی غلطی کے گرداب میں مبتلا تھا۔ لیکن اگر خدانخواستہ انسانوں کی یہ صورت ہوتی کہ فیضان امور غیبیہ کا کچھ بھی مادہ اُن میں امانت نہ رکھا جاتا اور نہ یہ علم ہوتا کہ کبھی خدا کی طرف سے غیبی علوم اور اخبار کا فیضان بھی ہُوا کرتا ہے تو وہ اس شخص کی طرح ہوتے جو مادر زاد اندھا اور بہرہ ہو پس اس صورت میں تمام انبیاء کو تبلیغ میں ناکامی ہوتی۔ مثلاً جس اندھے نے کبھی روشنی نہیں دیکھی اس کو کس طرح سمجھا سکتے ہیں کہ روشنی کیا چیز ہے۔ فتدبر ولاتکن من العمین واسئل رحم اللّٰہ لیفتح عینک وھو ارحم الراحمین۔

۵۱

ہم تصریح سے لکھ آئے ہیں کہ یہ بات بالکل غیر ممکن ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں کیونکہ اس کا ثبوت نہ تو قرآن شریف سے ملتا ہے اور نہ حدیث سے اور نہ عقل اس کو باور کر سکتی ہے۔ بلکہ قرآن اور حدیث اور عقل تینوں اس کے مکذّب ہیں کیونکہ قرآن شریف نے کھول کر بیان فرما دیا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور معراج کی حدیث نے ہمیں بتلا دیا ہے کہ وہ فوت شدہ انبیاء علیہم السلام کی رُوحوں میں جا ملے ہیں اور اس عالم سے بکلّی انقطاع کر گئے۔ اور عقل ہمیں بتلا رہی ہے کہ اس جسم فانی کے لئے یہ سنّت اللہ نہیں کہ آسمان پر چلا جائے اور باوجود زندہ مع الجسم ہونے کے کھانے پینے اور تمام لوازم حیات سے الگ ہو کر اُن روحوں میں جا ملے جو موت کا پیالہ پی کر دوسرے جہان میں پہنچ گئے ہیں عقل کے پاس اسکا کوئی نمونہ نہیں۔ پھر ماسوا اس کے جیساکہ یہ عقیدہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے آسمان پر

چڑھنے کا قرآن شریف کے بیان سے مخالف ہے۔ ایسا ہی اُن کے آسمان سے اُترنے کا عقیدہ بھی قرآن کے بیان سے منافات کلّی رکھتا ہے کیونکہ قرآن شریف جیسا کہ آیت فلما توفیتنی[1] اور آیت قد خلت من قبلہ الرسل[2] میں حضرت عیسٰی کو مار چکا ہے۔ ایسا ہی آیت الیوم اکملت لکم دینکم اور آیت ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں صریح نبوت کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم کر چکا ہے اور صریح لفظوں میں فرما چکا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں جیسا کہ فرمایا ہے ولٰکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔ لیکن وہ لوگ جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کو دوبارہ دنیا میں واپس لاتے ہیں اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ بدستور اپنی نبوت کے ساتھ دنیا میں آئیں گے اور برابر پینتالیس[3] برس تک اُن پر جبریل علیہ السلام وحی نبوت لے کر نازل ہوتا رہیگا۔ اب بتلاؤ کہ اُن کے عقیدہ کے موافق ختم نبوت اور ختم وحیٔ نبوت کہاں باقی رہا بلکہ ماننا پڑا کہ خاتم الانبیاء حضرت عیسٰی ہیں۔ چنانچہ نواب مولوی صدیق حسن خاں صاحب نے اپنی کتاب حجج الکرامہ کے ۴۳۲ صفحہ میں یہی لکھا ہے کہ یہ عقیدہ باطل ہے کہ گویا حضرت عیسٰی امتی بن کر آئینگے بلکہ وہ بدستور نبی ہونگے اور اُن پر وحیٔ نبوت نازل ہوگی اور ظاہر ہے کہ جبکہ وہ اپنی نبوت پر قائم رہے اور وحیٔ نبوت بھی پینتالیس برس تک نازل ہوتی رہی تو پھر بخاری کی یہ حدیث کہ امامکم منکم کیونکر اُن پر صادق آئیگی اور یہ خیال کہ امام سے مراد اسجگہ مہدی ہے اوّل تو سیاق وسباق کلام کا اس کے برخلاف ہے کیونکہ وہ حدیث مسیح موعود کے حق میں ہے اور اسی کی اس حدیث کے سر پر تعریف ہے۔ ماسوا اس کے بقول علمائے مخالفین مہدی تو صرف چند سال رہ کر مر جائیگا اور پھر عیسٰی پینتالیس سال برابر دنیا میں رہے گا حالانکہ وہ نہ اُمتی ہے اور نہ قرآنی وحی کا پیرو ہے بلکہ اُس پر آپ وحیٔ نبوت نازل ہوتی ہے۔ سو سوچو اور فکر کرو کہ ایسا عقیدہ رکھنا دین میں کچھ تھوڑا فساد نہیں ڈالتا بلکہ تمام اسلام کو زیر و زبر کرتا ہے اور کسقدر ظلم ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو خود بخود آسمان پر چڑھانا اور خود بخود آسمان سے اُتارنا

[1] المائدۃ: ۱۱۸ [2] اٰل عمران: ۱۴۵ [3] الاحزاب: ۴۱

حالانکہ قرآن نہ اُن کے آسمان پر چڑھنے کا مصدق ہے اور نہ اُن کے اُترنے کو جائز رکھنے والا کیونکہ قرآن تو عیسےٰ کو مار کر زمین میں دفن کرتا ہے۔ پھر حضرت مسیح کا زندہ بجسمہ العنصری آسمان پر چڑھانا قرآن سے کیونکر ثابت ہوسکے کیا مُردے آسمان پر چڑھیں گے پس قرآن کے برخلاف حضرت عیسیٰ کو آسمان پر چڑھانا یہ صریح قرآن شریف کی تکذیب ہے۔ ایسا ہی پھر انکو نبوّت اور وحیٔ نبوت کے ساتھ زمین پر اُتارنا یہ بھی صریح منطوق کلام الٰہی کے مخالف ہے۔ کیونکہ موجب ابطال ختم وحیٔ نبوت ہے تو پھر افسوس ہزار افسوس کہ اس لغو حرکت سے کیا فائدہ ہؤا کہ محض اپنی حکومت سے حضرت مسیح کو آسمان پر چڑھایا اور پھر اپنے ہی خیال سے کسی وقت اُترنا بھی مان لیا۔ اگر حضرت مسیح سچ مچ زمین پر اُتریں گے اور پینتالیس برس تک جبرئیل وحی نبوت لے کر اُن پر نازل ہوتا رہیگا تو کیا ایسے عقیدہ سے دین اسلام باقی رہ جائیگا؟ اور آنحضرت کی ختم نبوت اور قرآن کی ختم وحی پر کوئی داغ نہیں لگیگا؟ بعض مسلمانوں میں سے تنگ آکر اور ہر ایک پہلو سے لاجواب ہو کر یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی مسیح کے آنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ سب بیہودہ لافیں ہیں قرآن نے کہاں لکھا ہے کہ کوئی مسیح بھی دنیا میں آئیگا اور پھر کہتے ہیں کہ یہ دعوٰی نری فضولی اور تکبّر سے بھرا ہؤا ہے۔ حدیثوں کی صدہا باتیں سچّی نہیں ہوئیں تو پھر کیونکر یقین کریں کہ کسی مسیح کا آنا کوئی حق بات ہے بلکہ ایسا دعوٰی کرنے والے ایک ادنیٰ سی بات ہاتھ میں لیکر اپنی طرف لوگوں کو رجوع دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اُنکی زندگی اچھی نہیں ہے۔ مکر۔ فریب۔ جھوٹ۔ دغابازی۔ تکبّر۔ بدزبانی۔ شہوت پرستی۔ حرام خوری۔ عہد شکنی۔ خودستائی۔ ریاکاری۔ فاسقانہ زندگی اُن کا طریق ہے۔ اور پھر کہتے ہیں کہ ہم مسیح میں ایسے مسیحوں سے فلاں فلاں شخص ہزار درجہ بہتر ہیں جنکی زندگی پاک اور جن کا کام مکر اور فریب اور جھوٹ اور ریا اور حرام خوری نہیں۔ دل اور زبان اور معاملہ کے صاف ہیں کوئی متکبّرانہ دعوٰی نہیں کرتے۔ حالانکہ وہ ایسے شخص سے بدرجہا بہتر اور صحیح طور پر خدا کا الہام پاتے ہیں۔ کئی پیشگوئیاں اُن کی ہم نے بچشم خود پوری ہوتی دیکھیں مگر اس شخص کی ایک بھی

پیشگوئی سچی نہیں نکلی۔ وہ لوگ بڑے راستباز ہیں کوئی دعویٰ نہیں کرتے لیکن یہ شخص تو مکّار کذّاب جھوٹا مفتری ناحق کا مدعی عہد شکن مال حرام کھانے والا لوگوں کا ناحق روپیہ دبانے والا سخت درجہ کا بے ایمان ہے اور ان راستباز ملہموں پر خدا نے اپنے الہامات کے ذریعہ سے ظاہر کر دیا ہے کہ درحقیقت یہ شخص کافر بلکہ سخت کافر۔ فرعون اور ہامان سے بھی بدتر اور بعض پاک باطن ملہمین کو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نظر آئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ مفتری کذّاب دجّال ہے اور واجب القتل اور مَیں اس کا دشمن ہوں اور جلد تباہ کر دونگا اور ایک بزرگ اپنے ایک واجب التعظیم مرشد کی ایک خواب جس کو اس زمانہ کا قطب الاقطاب اور امام الابدال خیال کرتے ہیں یہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ ایک تخت پر بیٹھے ہوئے تھے اور گرداگرد تمام علمائے پنجاب اور ہندوستان گویا بڑی تعظیم کے ساتھ کرسیوں پر بٹھائے گئے تھے اور تب یہ شخص جو مسیح موعود کہلاتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکھڑا ہوا جو نہایت کریہہ شکل اور میلے کچیلے کپڑوں میں تھا۔ آپ نے فرمایا یہ کون ہے۔ تب ایک عالم ربّانی اٹھا (شاید محمود شاہ واعظ یا محمد علی بوپڑی) اور اُس نے عرض کی کہ یا حضرت یہی شخص مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو دجّال ہے۔ تب آپ کے فرمانے سے اُسی وقت اُس کے سر پر جُوتے لگنے شروع ہوئے جن کا کچھ حساب اور اندازہ نہ رہا اور آپ نے ان تمام علمائے پنجاب اور ہندوستان کی بہت تعریف کی جنہوں نے اس شخص کو کافر اور دجّال ٹھہرایا اور آپ بار بار پیار کرتے اور کہتے تھے کہ یہ میرے علمائے ربّانی ہیں جن کے وجود سے مجھے فخر ہے۔ اس جگہ کرسی نشینی کی ترتیب کا کچھ ذکر نہیں کیا*۔ مگر مَیں گمان کرتا ہوں

* یہ تمام لوگ وہ ہیں جنہوں نے مجھے گالیاں دینا اپنے پر فرض کر رکھا ہے اور اب بعض اُن میں سے میری توہین کے ارادہ سے جھوٹی خوابیں اپنی طرف سے بناتے اور پھر ان کو شائع کرتے ہیں۔ منہ

کہ اُس کی ترتیب شائد یہ ہوگی کہ وہ غیر مرئی نورانی وجود جس نے اپنے تئیں اپنی قدیم طاقت کی وجہ سے خواب میں ظاہر کیا تھا کہ مَیں محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہوں جو ایک سونے کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا اُس کے اِس سونے کے تخت کے قریب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کی کرسی ہوگی۔ ساتھ ہی میاں عبدالحق غزنوی کی اور اس کے پہلو پر مولوی عبدالجبار صاحب کی کرسی اور اس کرسی سے ملی ہوئی ایک اور کرسی جس پر زینت بخش مولوی عبدالواحد صاحب غزنوی تھے اور کچھ فاصلہ سے مولوی رُسل بابا امرتسری کی کرسی تھی۔ اور ان دونوں کرسیوں کے درمیان ایک اور کرسی تھی جس کا اندر سے کچھ اَور رنگ تھا اور باہر سے کچھ اَور تھوڑی سے تحریک کے ساتھ بھی ہِل جاتی تھی اور کچھ ٹوٹی ہوئی بھی تھی۔ یہ کرسی مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری کی تھی اور اس کرسی کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی بنچ پر میاں چٹّو لاہوری بیٹھے ہوئے تھے جو اُسی دربار کے شریک تھے۔ اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی کرسی کے پاس ایک اور کرسی تھی جس پر ایک بڈھا نود سالہ بیٹھا ہوا تھا جس کو لوگ نذیر حسین کہتے تھے۔ اُس کی کرسی نے مولوی محمد حسین بٹالوی کو ایک بچّہ کی طرح اپنی گود میں لیا ہوا تھا۔ پھر اس کے بعد مولوی محمد اور مولوی عبدالعزیز لدھیانوی کی کرسیاں تھیں جن کے اندر سے بڑے زور کے ساتھ آواز آرہی تھی کہ یہ پنجاب کے تمام مولویوں میں سے تکفیر میں بڑے بہادر ہیں اور پیغمبر صاحب اس آواز سے بڑے خوش ہو رہے تھے اور بار بار پیار سے اُن کے ہاتھ اور نیز مولوی محمد حسین کے ہاتھ چوم کر کہہ رہے تھے کہ یہ ہاتھ مجھے پیارے معلوم ہوتے ہیں جنہوں نے ابھی تھوڑے دنوں میں میری اُمت میں سے تیس ہزار آدمی کا نام کافر اور دجّال رکھا اور فرماتے تھے کہ یہ سخت غلطی تھی کہ لوگوں نے ایسا سمجھا ہوا تھا کہ اگر سَو میں سے ننانوے کفر کے آثار پائے جائیں اور ایک ایمان کا نشان پایا جائے تو پھر اس کو مومن سمجھو بلکہ حق بات یہ ہے کہ جس شخص میں ننانوے نشان ایمان کے پائے جائیں اور ایک نشان کفر کا خیال کیا جائے یا ظن کیا جائے۔ یا بے تحقیق شہرت دی جائے تو اُس کو بلاشبہ کافر سمجھنا چاہیئے یہ فرمایا اور پھر مولوی

محمد حسین صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہا یہ عالم ربّانی ہے جس نے میرے اس منشا کو سمجھا
تب مولوی محمد علی بوپڑی کھڑا ہوا اور کہا کہ میں تو سب سے زیادہ مسجدوں اور گلیوں اور کوچوں بلکہ
لوگوں کے گھروں میں اس شخص کو جو کہتا ہے کہ میں مسیح ہوں گالیاں دیا کرتا ہوں اور لعنت بھیجا
کرتا ہوں اور ہر ایک وقت میرا کام ہے کہ ہر مجلس میں لوگوں کو اس شخص کی توہین و تحقیر و لعن و طعن
کرنے کے لئے کہتا رہتا ہوں اور ہمیشہ انہی کاموں کے لئے سفر بھی کرکے ترغیب دیتا رہتا ہوں
اور کوئی گالی نہیں کہ میں نے اُٹھا نہیں رکھی اور کوئی توہین نہیں جو میں نے نہیں کی۔ پس میرا کیا
اجر ہے۔ تب اس پیغمبر صاحب نے بہت پیار کے جوش سے اُٹھ کر بوپڑی کو اپنے گلے لگا لیا
اور کہا کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے تو نے میرا منشا سمجھا۔ غرض جیسا کہ حضرت خواب بین صاحب
بیان فرماتے ہیں پنجاب کے تمام مولویوں کی کرسیاں اس دربار میں موجود تھیں اور ہر ایک
فاخرہ لباس پہنے ہوئے نوابوں کی طرح بیٹھا تھا اور وہ پیغمبر صاحب ہر وقت اُن کا ہاتھ چومتے
تھے کہ یہ ہیں میرے پیارے علمائے ربّانی خیر الناس علی ظہر الارض اور پھر آگے چل کر ایک
اور کرسی تھی اُس پر ایک اَور مولوی صاحب کرسی پر کچھ چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے اور آواز
آرہی تھی کہ یہی ہیں خلیفہ شیخ بٹالوی محمد حسن لدھیانوی۔ اور ساتھ اُن کے ایک اَور کرسی
تھی اور لوگ کہتے تھے کہ یہ مولوی واعظ محمود شاہ کی کرسی ہے جو کسی مناسبت سے مولوی
محمد حسن کے ساتھ بچھائی گئی۔ اور سب سے پیچھے ایک نابینا وزیر آبادی تھا جس کو عبد المنان
کہتے تھے اور اس کی کرسی سے انا المکفر کی زور کے ساتھ آواز آرہی تھی۔ غرض یہ خواب ہے
جس میں ان تمام کرسی نشین مولوی صاحبوں کا ذکر ہے۔ مگر یہ کرسیوں کی ترتیب میری طرف سے
ہے جو اس خواب کے مناسب حال کی گئی لیکن خواب میں یہ حصہ داخل ہے کہ علمائے پنجاب
اس پیغمبر صاحب کے دربار میں بڑی تعظیم کے ساتھ کرسیوں پر بٹھائے گئے تھے اور تمام
عالم امرتسری بٹالوی لاہوری لدھیانوی دہلوی وزیر آبادی بوپڑی گولڑوی وغیرہ اس دربار
میں کرسیوں پر زینت بخش تھے۔ اور پیغمبر صاحب نے میری تکفیر اور ایذا اور توہین کی وجہ سے

بڑا پیار اُن سے ظاہر کیا تھا اور بڑی محبت اور تعظیم سے پیش آئے تھے گویا اُن پر فدا ہوتے جاتے تھے۔ یہ خواب کا مضمون ہے جو خط میں میری طرف لکھا گیا تھا۔ جس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ اِس خواب کا دیکھنے والا ایک بڑا بزرگ پاک باطن ہے جس کو دکھلایا کہ یہ سب مولوی پنجاب اور ہندوستان کے اقطاب اور ابدال کے درجہ پر ہیں۔ چونکہ یہ خط اتفاق سے گم ہو گیا ہے اور اِس وقت مجھے نہیں ملا اِس لئے میں صاحب راقم کی خدمت میں عذر کرتا ہوں کہ اگر کوئی حصہ اُن کے خواب کا جو پنجاب کے مولویوں کی بزرگ شان میں ہے یا جو اس دربار میں مجھے سزا دی گئی میرے لکھنے سے رہ گیا ہو تو معاف فرمائیں اور مَیں نے حتّی المقدور اس خواب کے کسی حصہ کو ترک نہیں کیا۔ یہ تمام ایک اعتراض ہے جو میرے پر کیا گیا ہے اور مجھے کذّاب دجّال کافر مفتری فاسق فریبی حرام خور ریاکار متکبّر بدگو بدزبان ٹھہرا کر پھر گویا اُس بزرگ کی اِس خواب کے ساتھ ان تمام الزاموں کا ثبوت دیکر اثبات دعویٰ سے سبکدوشی حاصل کر لی گئی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ صرف یہ کشف اور رؤیا ہی تمہارے کافر ہونے پر دلیل نہیں ہے بلکہ اُمت کا اجماع بھی تو ہو گیا۔ اور اجماع کے یہ معنے کئے گئے ہیں کہ گولڑہ سے دِلّی تک جسقدر مولوی اور سجّادہ نشین تھے سب نے کفر کی گواہی دے دی اب شک کیا رہا بلکہ اب تو کافر کہنا اور لعنت بھیجنا موجب درجات ہے اور بعض نفلی عبادتوں سے بہتر۔ اعتراض مذکورہ بالا میں جس قدر میری ذاتیات کی نسبت نکتہ چینی کی گئی ہے مَیں اس سے ناراض نہیں ہوں۔ کیونکہ کوئی رسول اور نبی اور مامور من اللہ نہیں گذرا جس کی نسبت ایسی نکتہ چینیاں نہیں ہوئیں۔ ابھی ایک رسالہ آریہ صاحبوں نے شائع کیا ہے جس میں نعوذ باللہ حضرت موسیٰ کو گویا تمام مخلوقات سے بدتر ٹھیرایا گیا ہے اور جسقدر میرے پر اعتراض کوتہ بینی اور تعصّب سے کئے جاتے ہیں وہ سب اُن پر کئے گئے ہیں یہاں تک کہ نعوذ باللہ انکو عہد شکن دروغگو اور ظلم سے بیگانہ کا مال حرام کھانے والا اور فریب کرنے والا اور دھوکا دینے والا قرار دیا ہے اور بعض الزام مجھ سے زیادہ لگائے گئے ہیں جیسے یہ کہ موسیٰ نے کئی لاکھ شیر خوار بچے قتل کرائے

۵۵

اب دیکھو کہ جو میرے پر اعتراض کرتے ہیں اُن کے ہاتھ میں تو کچھ ثبوت بھی نہیں محض بدظنی سے جھوٹ کی نجاست ہے مگر جنہوں نے حضرت موسیٰ پر اعتراض کئے وہ تو اپنے الزامات کے ثبوت میں توریت کی آیتیں پیش کرتے ہیں۔ ایسا ہی بہت سے اعتراض یہودیوں نے حضرت مسیح کی زندگی پر بھی کئے ہیں جو نہایت گندے اور ناقابلِ ذکر ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور ذاتی حالات پر جو جو اعتراضات میزان الحق اور پادری عماد الدین کی کتابوں اور امہات المومنین وغیرہ میں کئے ہیں وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔ پس اگر ان اعتراضات سے کچھ نتیجہ نکلتا ہے تو بس یہی کہ ہمیشہ ناپاک خیال لوگ ایسے ہی اعتراضات کرتے آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بھی منظور تھا کہ ان کا امتحان کرے اس لئے اپنے مقدس لوگوں کے بعض افعال اور معاملات کی حقیقت اُن پر پوشیدہ کر دی تا اُن کا خبث ظاہر کرے۔ اور جو میری پیشگوئیوں کی نسبت اعتراض کیا ہے میں اس کا جواب پہلے دے چکا ہوں کہ یہ اعتراض بھی سنّت اللہ کے موافق میرے پر کیا گیا ہے۔ یعنی کوئی نبی نہیں گذرا جس کی بعض پیشگوئیوں کی نسبت اعتراض نہیں ہوا۔ یہ کس قسم کی بدبختی اور بدقسمتی ہے کہ ہمیشہ سے اندھے لوگ خدا کے روشن نشانوں سے فائدہ نہیں اُٹھاتے رہے۔ اور اگر اُن میں کوئی نظری طور پر دقیق پیشگوئی اسی طور پر ظہور میں آئی جس کو موٹی عقلیں سمجھ نہ سکیں تو وہی محل اعتراض بنا لیا۔ جیسا کہ کتاب تریاق القلوب کے پڑھنے والے خوب جانتے ہیں کہ آج تک میرے ہاتھ پر سو سے زیادہ خدا تعالیٰ کا نشان ظاہر ہوا جن کے دنیا میں کئی لاکھ انسان گواہ ہیں۔ مگر کور چشم معترضوں نے ان کی طرف کچھ بھی توجہ نہیں کی اور نہ اُن سے کچھ فائدہ اُٹھایا۔ اور جب ایک دو نشان کی کوتہ اندیشی یا بخل یا فطرتی کور باطنی کی وجہ سے ان کو سمجھ نہ آئی تو بغیر اس کے کہ کچھ سوچتے اور تأمّل کرتے یا مجھ سے پوچھتے شور مچا دیا۔ اسی طرح ابوجہل وغیرہ مخالف انبیاء علیہم السلام شور مچاتے رہے ہیں۔ نہ معلوم اس ظلم کا خدا تعالیٰ کو کیا جواب دینگے۔ ان لوگوں کا بجز اس کے

اَور کچھ منشاء نہیں کہ چاہتے ہیں کہ نور الٰہی کو اپنے مُنہ کی پُھونکوں سے بُجھا دیں مگر وہ بُجھ نہیں سکتا۔ کیونکہ خدا کے ہاتھ نے اس کو روشن کیا ہے۔ نہ معلوم کہ میری تکذیب کے لئے اِس قدر کیوں مصیبتیں اٹھا رہے ہیں۔ اگر آسمان کے نیچے میری طرح کوئی اَور بھی تائید یافتہ ہے اور میرے اس دعوئ مسیح موعود ہونے کا مکذب ہے تو کیوں وہ میرے مقابل پر میدان میں نہیں آتا؛ عورتوں کی طرح باتیں بنانا یہ طریق کس کو نہیں آتا۔ ہمیشہ بے شرم منکر ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ لیکن جبکہ میں میدان میں کھڑا ہوں اور تیس ہزار کے قریب عقلاء اور علماء اور فقراء اور فہیم انسانوں کی جماعت میرے ساتھ ہے اور بارش کی طرح آسمانی نشان ظاہر ہو رہے ہیں تو کیا صرف مُنہ کی پھونکوں سے یہ الٰہی سلسلہ برباد ہوسکتا ہے؟ کبھی برباد نہیں ہوگا وہی برباد ہونگے جو خدا کے انتظام کو نابود کرنا چاہتے ہیں۔ (۱) خدا نے مجھے قرآنی معارف بخشے ہیں۔ (۲) خدا نے مجھے قرآن کی زبان میں اعجاز عطا فرمایا ہے (۳) خدا نے میری دُعاؤں میں سب سے بڑھ کر قبولیت رکھی ہے (۴) خدا نے مجھے آسمان سے نشان دیئے ہیں (۵) خدا نے مجھے زمین سے نشان دیئے ہیں (۶) خدا نے مجھے وعدہ دے رکھا ہے کہ تجھ سے ہر ایک مقابلہ کرنے والا مغلوب ہوگا (۷) خدا نے مجھے بشارت دی ہے کہ تیرے پیرو ہمیشہ اپنے دلائل صدق میں غالب رہیں گے اور دنیا میں اکثر وہ اور اُن کی نسل بڑی بڑی عزتیں پائیں گے تا اُن پر ثابت ہو کہ جو خدا کی طرف سے آتا ہے وہ کچھ نقصان نہیں اٹھاتا (۸) خدا نے مجھے وعدہ دے رکھا ہے کہ قیامت تک اور جب تک کہ دنیا کا سلسلہ منقطع ہو جائے مَیں تیری برکات ظاہر کرتا رہونگا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے۔ (۹) خدا نے آج سے بیس برس پہلے مجھے بشارت دی ہے کہ تیرا انکار کیا جائے گا اور لوگ تجھے قبول نہیں کرینگے پر مَیں تجھے قبول کروں گا اور بڑے زور آور حملوں سے تیری سچائی ظاہر کر دونگا۔ (۱۰) اور خدا نے مجھے وعدہ دیا ہے کہ تیری برکات کا دوبارہ نور ظاہر کرنے کے لئے تجھ سے ہی اور تیری ہی نسل میں سے ایک شخص کھڑا

صفحہ ۵۶

کیا جائیگا جس میں مَیں رُوح القدس کی برکات پُھونکوں گا۔ وہ پاک باطن اور خدا سے نہایت پاک تعلق رکھنے والا ہو گا اور مظہر الحق والعلاء ہو گا گویا خدا آسمان سے نازل ہوا۔ وتلك عشرة کاملة۔ دیکھو وہ زمانہ چلا آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا اِس سلسلہ کی دُنیا میں بڑی قبولیت پھیلائیگا اور یہ سلسلہ مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب میں پھیلیگا اور دنیا میں اسلام سے مراد یہی سلسلہ ہو گا۔ یہ باتیں انسان کی باتیں نہیں یہ اُس خدا کی وحی ہے جس کے آگے کوئی بات اَنہونی نہیں۔

اب مَیں مختصر طور پر اپنے مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کے دلائل ایک جگہ اکٹھے کرکے لکھ دیتا ہوں۔ شائد کسی طالب حق کو کام آئیں یا کوئی سینہ حق کے قبول کرنے کے لئے کُھل جائے۔ رب فاجعل فیھا من عندك برکة وتاثیرًا وھدایة وتنویرًا واجعل افئدة من الناس تھوی الیھا فانك علٰی کلّ شیءٍ قدیر وبالاجابة جدیر۔ ربّنا اغفر لنا ذنوبنا وادفع بلایانا وکروبنا ونجّنا من کلّ ھمّ قلوبنا وکفّل خطوبنا وکن معنا حیثما کنایا محبوبنا واستر عوراتنا وآمن روعاتنا۔ انّا توکّلنا علیك وفوّضنا الامر الیك انت مولٰنا فی الدنیا والاٰخرة وانت ارحم الراحمین۔ اٰمین۔ یارب العالمین۔

(۱) پہلی دلیل اس بات پر کہ مَیں ہی مسیح موعود اور مہدی معہود ہوں یہ ہے کہ میرا یہ دعوٰی مہدی اور مسیح ہونے کا قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے۔ یعنی قرآن شریف اپنے نصوص قطعیہ سے اس بات کو واجب کرتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے مقابل پر جو موسوی خلیفوں کے خاتم الانبیاء ہیں اس امت میں سے بھی ایک آخری خلیفہ پیدا ہو گا تاکہ وہ اِسی طرح محمدی سلسلۂ خلافت کا خاتم الاولیا ہو۔ اور مجدّدانہ حیثیت اور لوازم میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی مانند ہو اور اسی پر سلسلہ خلافتِ محمدیہ ختم ہو۔ جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام پر سلسلۂ خلافتِ موسویہ ختم ہو گیا ہے۔

تفصیل اِس دلیل کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثیل ٹھیرایا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو مسیح موعود تک سلسلۂ خلافت ہے اس سلسلہ کو خلافتِ موسویہ کے سلسلہ سے مشابہ قرار دیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ انّا ارسلنا الیکم رسولاً شاھدًا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً[1]۔ یعنی ہم نے یہ پیغمبر اُسی پیغمبر کی مانند تمہاری طرف بھیجا ہے کہ جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اور یہ اس بات کا گواہ ہے کہ تم کیسی ایک سرکش اور متکبّر قوم ہو جیسے کہ فرعون متکبر اور سرکش تھا۔ یہ تو وہ آیت ہے جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مماثلت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ثابت ہوتی ہے لیکن جس آیت سے دونوں سلسلوں یعنی سلسلہ خلافتِ موسویہ اور سلسلہ خلافت محمدیہ میں مماثلت ثابت ہے یعنی جس سے قطعی اور یقینی طور پر سمجھا جاتا ہے کہ سلسلۂ نبوتِ محمدیہ کے خلیفے سلسلۂ نبوّت موسویہ کے مشابہ ومماثل ہیں وہ یہ آیت ہے۔ وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم الخ[2] یعنی خدا نے اُن ایمانداروں سے جو نیک کام بجالاتے ہیں وعدہ کیا ہے جو اُن میں سے زمین پر خلیفے مقرر کرے گا انہی خلیفوں کی مانند جو اُن سے پہلے گزرے تھے۔ اب جب ہم مانند کے لفظ کو پیش نظر رکھ کر دیکھتے ہیں جو محمدی خلیفوں کی موسوی خلیفوں سے مماثلت واجب کرتا ہے تو ہمیں ماننا پڑتا ہے جو ان دونوں سلسلوں کے خلیفوں میں مماثلت ضروری ہے اور مماثلت کی پہلی بنیاد ڈالنے والا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے اور مماثلت کا آخری نمونہ ظاہر کرنے کا وہ مسیح خاتم خلفائے محمدیہ ہے جو سلسلۂ خلافتِ محمدیہ کا سب سے آخری خلیفہ ہے۔ سب سے پہلا خلیفہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے وہ حضرت یوشع بن نون کے مقابل اور اُن کا مثیل ہے جس کو خدا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت کے لئے اختیار کیا اور سب سے زیادہ فراست کی رُوح اُس میں پھونکی یہاں تک کہ وہ مشکلات جو

[1] المزمل: ۱۶ [2] النور: ۵۶

عقیدۂ باطلہ حیات مسیح کے مقابلہ میں خاتم الخلفاء کو پیش آنی چاہئیں تھیں ان تمام شبہات کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کمال صفائی سے حل کر دیا اور تمام صحابہ میں سے ایک فرد بھی ایسا نہ رہا جس کا گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی موت پر اعتقاد نہ ہو گیا ہو بلکہ تمام اُمور میں تمام صحابہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایسی ہی اطاعت اختیار کرلی جیسا کہ حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے حضرت یشوع بن نون کی اطاعت کی تھی اور خدا بھی موسیٰ اور یشوع بن نون کے نمونہ پر جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور آپ کا حامی اور مؤید تھا ایسا ہی ابوبکر صدیق کا حامی اور مؤید ہو گیا۔ درحقیقت خدا نے یشوع بن نون کی طرح اس کو ایسا مبارک کیا جو کوئی دشمن اس کا مقابلہ نہ کر سکا اور اسامہ کے لشکر کا ناتمام کام حضرت موسیٰ کے ناتمام کام سے مشابہت رکھتا تھا حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر پورا کیا۔ اور حضرت ابوبکر کی حضرت یشوع بن نون کے ساتھ ایک اور عجیب مناسبت یہ ہے جو حضرت موسیٰ کی موت کی اطلاع سب سے پہلے حضرت یوشع کو ہوئی اور خدا نے بلا توقف اُن کے دل میں وحی نازل کی جو موسیٰ مرگیا تا یہود حضرت موسیٰ کی موت کے بارے میں کسی غلطی یا اختلاف میں نہ پڑ جائیں۔ جیسا کہ یشوع کی کتاب باب اوّل سے ظاہر ہے اسی طرح سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر حضرت ابوبکر نے یقین کامل ظاہر کیا اور آپ کے جسدِ مبارک پر بوسہ دیکر کہا کہ تو زندہ بھی پاک تھا اور موت کے بعد بھی پاک ہے اور پھر وہ خیالات جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارے میں بعض صحابہ کے دل میں پیدا ہو گئے تھے ایک عام جلسہ میں قرآن شریف کی آیت کا حوالہ دیکر اُن تمام خیالات کو دُور کر دیا۔ اور ساتھ ہی اس غلط خیال کی بھی بیخ کنی کر دی جو حضرت مسیح کی حیات کی نسبت احادیث نبویہ میں پوری غور نہ کرنے کی وجہ سے بعض کے دلوں میں پایا جاتا تھا اور جس طرح حضرت یشوع بن نون نے دین کے سخت دشمنوں اور مفتریوں اور مفسدوں کو ہلاک کیا تھا

اِسی طرح بہت سے مفسد اور جھوٹے پیغمبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارے گئے اور جس طرح حضرت موسٰی راہ میں ایسے نازک وقت میں فوت ہو گئے تھے کہ جب ابھی بنی اسرائیل نے کنعانی دشمنوں پر فتح حاصل نہیں کی تھی اور بہت سے مقاصد باقی تھے۔ اور اردگرد دشمنوں کا شور تھا جو حضرت موسٰی کی وفات کے بعد اَور بھی خطرناک ہو گیا تھا۔ ایسا ہی ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک خطرناک زمانہ پیدا ہو گیا تھا کئی فرقے عرب کے مرتد ہو گئے تھے۔ بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا اور کئی جھوٹے پیغمبر کھڑے ہو گئے تھے اور ایسے وقت میں جو ایک بڑے مضبوط دل اور مستقل مزاج اور قوی الایمان اور دلاور اور بہادر خلیفہ کو چاہتا تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر کئے گئے اور ان کو خلیفہ ہوتے ہی بڑے غموں کا سامنا ہوا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ بباعث چند در چند فتنوں اور بغاوت اعراب اور کھڑے ہونے جھوٹے پیغمبروں کے میرے باپ پر جبکہ وہ خلیفہ رسول اللہ صلعم مقرر کیا گیا وہ مصیبتیں پڑیں اور وہ غم دل پر نازل ہوئے کہ اگر وہ غم کسی پہاڑ پر پڑتے تو وہ بھی گر پڑتا اور پاش پاش ہو جاتا اور زمین سے ہموار ہو جاتا۔ مگر چونکہ خدا کا یہ قانونِ قدرت ہے کہ جب خدا کے رسول کا کوئی خلیفہ اس کی موت کے بعد مقرر ہوتا ہے تو شجاعت اور ہمت اور استقلال اور فراست اور دل قوی ہونے کی رُوح اس میں پھونکی جاتی ہے۔ جیسا کہ یشوع کی کتاب باب اول آیت ۶ میں حضرت یشوع کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مضبوط ہو اور دلاوری کر۔ یعنی موسٰی تو مر گیا۔ اَب تُو مضبوط ہو جا۔ [+] یہی حکم قضا و قدر

[+] خدا تعالیٰ کے حکم دو قسم کے ہوتے ہیں ایک شرعی جیسا یہ کہ تو خون نہ کر۔ چوری نہ کر۔ جھوٹی گواہی مت دے دوسری قسم حکم کی قضاء و قدر کے حکم ہیں جیسا کہ یہ حکم کہ قُلنا یا نارُ کونی بردًا وسلامًا علٰی ابراھیم[1] شرعی حکم میں محکوم کا تخلف حکم سے جائز ہے جیسا کہ بہتیرے باوجود حکم شرعی پانے کے خون بھی کرتے ہیں چوری بھی کرتے ہیں جھوٹی گواہی بھی دیتے ہیں۔ مگر قضا و قدر کے حکم میں ہرگز تخلف جائز نہیں۔ انسان تو انسان قَدَرِیْ حکم سے جمادات بھی تخلف نہیں کر سکتے کیونکہ جبروتی کشش اسکے ساتھ ہوتی ہے۔ سو حضرت یشوع کو خدا کا یہ حکم کہ مضبوط دل ہو جا قَدَرِیْ حکم تھا یعنی قضاء و قدر کا حکم۔ وہی حکم حضرت ابوبکر کے دل پر بھی نازل ہوا تھا۔ منہ

[1] الانبیاء: ۷۰

کے رنگ میں نہ شرعی رنگ میں حضرت ابوبکر کے دل پر بھی نازل ہوا تھا تناسب اور تشابہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا ابوبکر بن قحافہ اور یشوع بن نون ایک ہی شخص ہے۔ استخلافی مماثلت نے اس جگہ کشش کر اپنی مشابہت دکھلائی ہے۔ یہ اس لئے کہ کسی دو لمبے سلسلوں میں باہم مشابہت کو دیکھنے والے طبعًا یہ عادت رکھتے ہیں کہ یا اوّل کو دیکھا کرتے ہیں اور یا آخر کو مگر دو سلسلوں کی درمیانی مماثلت کو جس کی تحقیق و تفتیش زیادہ وقت چاہتی ہے دیکھنا ضروری نہیں سمجھتے بلکہ اوّل اور آخر پر قیاس کر لیا کرتے ہیں اس لئے خدا نے اس مشابہت کو جو یشوع بن نون اور حضرت ابوبکر میں ہے جو دونوں خلافتوں کے اوّل سلسلہ میں ہیں اور نیز اس مشابہت کو جو حضرت عیسیٰ بن مریم اور اس اُمت کے مسیح موعود میں ہے جو دونوں خلافتوں کے آخر سلسلہ میں ہیں اجلیٰ بدیہیات کر کے دکھلا دیا۔ مثلاً یشوع اور ابوبکر میں وہ مشابہت درمیان رکھدی کہ گویا وہ دونوں ایک ہی وجود ہے یا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے ہیں۔ اور جس طرح بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد یوشع بن نون کی باتوں کے شنوا ہوگئے اور کوئی اختلاف نہ کیا اور سب نے اپنی اطاعت ظاہر کی یہی واقعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیش آیا اور سب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جدائی میں آنسو بہا کر دلی رغبت سے حضرت ابوبکر کی خلافت کو قبول کیا۔ غرض ہر ایک پہلو سے حضرت ابوبکر صدیق کی مشابہت حضرت یشوع بن نون علیہ السلام سے ثابت ہوئی۔ خدا نے جس طرح حضرت یشوع بن نون کو اپنی وہ تائیدیں دکھلائیں کہ جو حضرت موسیٰ کو دکھلایا کرتا تھا۔ ایسا ہی خدا نے تمام صحابہ کے سامنے حضرت ابوبکر کے کاموں میں برکت دی اور نبیوں کی طرح ان کا اقبال چمکا۔ اُس نے مفسدوں اور جھوٹے نبیوں کو خدا سے قدرت اور جلال پا کر قتل کیا تا کہ اصحاب رضی اللہ عنہم جانیں کہ جس طرح خدا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اس کے بھی ساتھ ہے۔ ایک اور عجیب مناسبت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت یشوع بن نون علیہ السلام سے ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت

ص ۵۹

یشوع بن نون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک ہولناک دریا سے جس کا نام یردن ہے عبور مع لشکر کرنا پیش آیا تھا اور یردن میں ایک طوفان تھا اور عبور غیر ممکن تھا اور اگر اس طوفان سے عبور نہ ہوتا تو بنی اسرائیل کی دشمنوں کے ہاتھ سے تباہی متصوّر تھی اور یہ وہ پہلا امر ہولناک تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یشوع بن نون کو اپنے خلافت کے زمانہ میں پیش آیا۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے اس طوفان سے اعجازی طور پر یشوع بن نون اور اس کے لشکر کو بچا لیا۔ اور یردن میں خشکی پیدا کر دی جس سے وہ بآسانی گذر گیا۔ وہ خشکی بطور جوار بھاٹا تھی یا محض ایک فوق العادت اعجاز تھا۔ بہرحال اس طرح خدا نے ان کو طوفان اور دشمن کے صدمہ سے بچایا۔ اسی طوفان کی مانند بلکہ اس سے بڑھکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر خلیفۃ الحق کو مع تمام جماعت صحابہ کے جو ایک لاکھ سے زیادہ تھے پیش آیا۔ یعنی ملک میں سخت بغاوت پھیل گئی اور وہ عرب کے بادیہ نشین جن کو خدا نے فرمایا تھا قالت الاعراب اٰمنا قل لم تومنوا و لٰکن قولوا اسلمنا و لمّا یدخل الایمان فی قلوبکم[1] (سورۃ حجرات) ضرور تھا کہ اس پیشگوئی کے مطابق وہ بگڑتے تا یہ پیشگوئی پوری ہوتی۔ پس ایسا ہی ہوا اور وہ سب لوگ مُرتد ہو گئے اور بعض نے زکوٰۃ سے انکار کیا اور چند شریر لوگوں نے پیغمبری کا دعویٰ کر دیا جن کے ساتھ کئی لاکھ بدبخت انسانوں کی جمعیت ہو گئی اور دشمنوں کا شمار اس قدر بڑھ گیا کہ صحابہ کی جماعت اُن کے آگے کچھ بھی چیز نہ تھی اور ایک سخت طوفان ملک میں برپا ہوا یہ طوفان اس خوفناک پانی سے بہت بڑھ کر تھا جس کا سامنا حضرت یشوع بن نون علیہ السلام کو پیش آیا تھا اور جیسا کہ یشوع بن نون حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد ناگہانی طور پر اس سخت ابتلاء میں مبتلا ہو گئے تھے کہ دریا سخت طوفان میں تھا اور کوئی جہاز نہ تھا۔ اور ہر ایک طرف سے دشمن کا خوف تھا۔ یہی ابتلاء حضرت ابوبکرؓ کو پیش آیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور ارتداد عرب کا ایک طوفان برپا ہو گیا اور جھوٹے پیغمبروں کا ایک

[1] الحجرات : ۱۵

دوسرا طوفان اس کو قوت دینے والا ہوگیا۔ یہ طوفان یوشع کے طوفان سے کچھ کم نہ تھا بلکہ بہت زیادہ تھا اور پھر جیسا کہ خدا کے کلام نے حضرت یوشع کو قوت دی اور فرمایا کہ جہاں جہاں تو جاتا ہے مَیں تیرے ساتھ ہوں تو مضبوط ہو اور دلاور بن جا اور بے دل مت ہو۔ تب یشوع میں بڑی قوت اور استقلال اور وہ ایمان پیدا ہوگیا جو خدا کی تسلی کے ساتھ پیدا ہوتا ہے ایسا ہی حضرت ابوبکر کو بغاوت کے طوفان کے وقت خدا تعالیٰ سے قوت ملی جس شخص کو اس زمانہ کی اسلامی تاریخ پر اطلاع ہے وہ گواہی دے سکتا ہے کہ وہ طوفان ایسا سخت طوفان تھا کہ اگر خدا کا ہاتھ ابوبکر کے ساتھ نہ ہوتا اور اگر درحقیقت اسلام خدا کی طرف سے نہ ہوتا اور اگر درحقیقت ابوبکر خلیفہ حق نہ ہوتا تو اس دن اسلام کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ مگر یشوع نبی کی طرح خدا کے پاک کلام سے ابوبکر صدیق کو قوت ملی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس ابتلاء کی پہلے سے خبر دے رکھی تھی۔ چنانچہ جو شخص اس آیت مندرجہ ذیل کو غور سے پڑھے گا۔ وہ یقین کرے گا کہ بلاشبہ اس ابتلاء کی خبر قرآن شریف میں پہلے سے دی گئی تھی۔ اور وہ خبر یہ ہے کہ وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکّنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدّلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا و من کفر بعد ذالک فاولٰئک ھم الفاسقون۔[1] یعنی خدا نے مومنوں کو جو نیکو کار ہیں وعدہ دے رکھا ہے جو ان کو خلیفے بنائے گا انہی خلیفوں کی مانند جو پہلے بنائے گئے تھے اور اُسی سلسلہ خلافت کی مانند سلسلہ قائم کرے گا جو حضرت موسیٰ کے بعد قائم کیا تھا۔ اور اُن کے دین کو یعنی اسلام کو جس پر وہ راضی ہوا زمین پر جما دے گا اور اُسکی جڑ لگا دے گا اور خوف کی حالت کو امن کی حالت کے ساتھ بدل دیگا۔ وہ میری پرستش کریں گے کوئی دوسرا میرے ساتھ نہیں ملائیں گے۔ دیکھو اس آیت میں صاف طور پر فرما دیا ہے کہ خوف کا زمانہ بھی آئے گا اور امن جاتا رہے گا مگر خدا اس خوف کے زمانہ کو پھر

[1] النور : ۵۶

امن کے ساتھ بدل دے گا۔ سو یہی خوف یشوع بن نون کو بھی پیش آیا تھا۔ اور جیسا کہ اس کو خدا کے کلام سے تسلی دی گئی ایسا ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی خدا کے کلام سے تسلی دی گئی اور چونکہ ہر ایک سلسلہ میں خدا کا یہ قانون قدرت ہے کہ اس کا کمال تب ظاہر ہوتا ہے کہ جب آخر حصہ سلسلہ کا پہلے حصہ سے مشابہ ہو جائے اس لئے ضروری ہوا کہ موسوی اور محمدی سلسلہ کا پہلا خلیفہ موسوی اور محمدی سلسلہ کے آخری خلیفہ سے مشابہ ہو کیونکہ کمال ہر ایک چیز کا استدارت + کو چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام بسائط گول شکل پر پیدا کئے گئے ہیں تا خدا کے ہاتھ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ناقص نہ ہوں۔ اسی بنا پر

+ استدارت کے لفظ سے میری مراد یہ ہے کہ جب ایک دائرہ پورے طور پر کامل ہو جاتا ہے تو جس نقطہ سے شروع ہوا تھا اسی نقطہ سے جا ملتا ہے۔ اور جب تک اس نقطہ کو نہ ملے تب تک اُس کو دائرہ کاملہ نہیں کہہ سکتے۔ پس آخری نقطہ کا پہلے نقطہ سے جا ملنا وہی امر ہے جس کو دوسرے لفظوں میں مشابہت تامہ کہا کرتے ہیں۔ پس جیسا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو یشوع بن نون سے مشابہت تھی یہاں تک کہ نام میں بھی تشابہ تھا ایسا ہی ابوبکر اور مسیح موعود کو بعض واقعات کے رُو سے بشدّت مشابہت ہے اور وہ یہ کہ ابوبکر کو خدا نے سخت فتنہ اور بغاوت اور مفتریوں اور مفسدوں کے عہد میں خلافت کے لئے مقرر کیا تھا۔ ایسا ہی مسیح موعود اس وقت ظاہر ہوا کہ جبکہ تمام علامات صغریٰ کا طوفان ظہور میں آچکا تھا اور کچھ کبریٰ میں سے بھی۔ اور دوسری مشابہت یہ ہے کہ جیسا کہ خدا نے حضرت ابوبکر کے وقت میں خوف کے بعد امن پیدا کر دیا اور برخلاف دشمنوں کی خواہشوں کے دین کو جما دیا ایسا ہی مسیح موعود کے وقت میں بھی ہوگا کہ اس طوفانِ تکذیب اور تکفیر اور تفسیق کے بعد یکدفعہ لوگوں کو محبت اور ارادت کی طرف میلان دیا جائیگا۔ اور جب بہت سے نور نازل ہونگے اور ان کی آنکھیں کھلیں گی تو وہ معلوم کریں گے کہ ہمارے اعتراض کچھ چیز نہ تھے اور ہم نے اپنے اعتراضوں میں بجز

ص ۶۱

ماننا پڑتا ہے کہ زمین کی شکل بھی گول ہے۔ کیونکہ دوسری تمام شکلیں کمالِ تام کے مخالف ہیں اور جو چیز خدا کے ہاتھ سے بلا واسطہ نکلی ہے اس میں مناسب حال مخلوقیت کے کمال تام ضرور چاہیئے تا اس کا نقص خالق کے نقص کی طرف عائد نہ ہو۔ اور نیز اسلئے بسائط کا گول رکھنا خدا تعالیٰ نے پسند کیا کہ گول میں کوئی جہت نہیں ہوتی۔ اور یہ امر توحید کے بہت مناسب حال ہے۔ غرض صنعت کا کمال مدّور شکل سے ہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس میں انتہائی نقطہ اس قدر اپنے کمال کو دکھلاتا ہے کہ پھر اپنے مبدأ کو جا ملتا ہے۔

اب ہم پھر اپنے اصل مدعا کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جو حضرت سیدنا

حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱

اس کے اَور کچھ نہ دکھلایا جو اپنے سطحی خیال اور موٹی عقل اور حسد اور تعصب کے زہر کو لوگوں پر ظاہر کر دیا۔ اور پھر اس کے بعد ابوبکر اور مسیح موعود میں یہ مشابہت ظاہر کر دی جائیگی کہ اس دین کو جس کی مخالف بیخکنی کرنا چاہتے ہیں زمین پر خوب جما دیا جائیگا اور ایسا مستحکم کیا جائیگا کہ پھر قیامت تک اس میں تزلزل نہیں ہو گا۔ اور پھر تیسری مشابہت یہ ہوگی کہ جو شرک کی ملونی مسلمانوں کے عقیدوں میں مل گئی تھی وہ بکلّی اُن کے دلوں میں سے نکال دی جائیگی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ شرک کا ایک بڑا حصّہ جو مسلمانوں کے عقائد میں داخل ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ دجال کو بھی خدائی کی صفتیں دی گئی تھیں اور حضرت مسیح کو ایک حصہ مخلوق کا خالق سمجھا گیا تھا یہ ہر ایک قسم کا شرک دُور کیا جائے گا جیسا کہ آیت یعبدوننی لایشرکون بی شیئًا[1] سے مستنبط ہوتا ہے۔ ایسا ہی اس پیشگوئی سے جو مسیح موعود اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں مشترک ہے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ جسطرح شیعہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتے ہیں اور اُن کے مرتبہ اور بزرگی سے منکر ہیں ایسا ہی مسیح موعود کی تکفیر بھی کی جائیگی اور ان کے مخالف ان کے مرتبہ ولایت سے انکار کرینگے کیونکہ اس پیشگوئی کے آخر میں یہ آیت ہے ومن کفر بعد ذالک فاولٰئک ھم الفاسقون[2]۔ اور اس آیت کے معنے جیسا کہ روافض کی

[1][2] النور: ۵۶

محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے پہلے خلیفہ تھے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے پہلے خلیفہ ہیں اشد مشابہت ہے۔ تو پھر اس سے لازم آیا کہ جیسا کہ سلسلہ محمدیہ کی خلافت کا پہلا خلیفہ سلسلہ موسویہ کی خلافت کے پہلے خلیفہ سے مشابہت رکھتا ہے ایسا ہی سلسلۂ محمدیہ کی خلافت کا آخری خلیفہ جو مسیح موعود سے موسوم ہے سلسلۂ موسویہ کے آخری خلیفہ سے جو حضرت عیسیٰ بن مریم ہے مشابہت رکھے تا دونوں سلسلوں کی مشابہت تامہ میں جو نص قرآنی سے ثابت ہوتی ہے کچھ نقص نہ رہے کیونکہ جب تک دونوں سلسلے یعنی سلسلہ موسویہ وسلسلہ محمدیہ اوّل سے آخر تک باہم مشابہت نہ دکھلائیں تب تک وہ مماثلت جو آیت

حاشیہ در حاشیہ: عملی حالت سے کھلے ہیں یہی ہیں کہ بعض گمراہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقام بلند سے منکر ہو جائیں گے اور ان کی تکفیر کریں گے۔ پس اس آیت سے سمجھا جاتا ہے کہ مسیح موعود کی بھی تکفیر ہوگی کیونکہ وہ خلافت کے اس آخری نقطہ پر ہے جو خلافت کے پہلے نقطہ سے ملا ہوا ہے۔ یہ بات بہت ضروری یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ہر ایک دائرہ کا عام قاعدہ یہی ہے کہ اُس کا آخری نقطہ پہلے نقطہ سے اتصال رکھتا ہے لہذا اس عام قاعدہ کے موافق خلافت محمدیہ کے دائرہ میں بھی ایسا ہی ہونا ضروری ہے یعنی یہ لازمی امر ہے کہ آخری نقطہ اُس دائرہ کا جس سے مراد مسیح موعود ہے جو سلسلۂ خلافتِ محمدیہ کا خاتم ہے وہ اس دائرہ کے پہلے نقطہ سے جو خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نقطہ ہے جو سلسلہ خلافت محمدیہ کے دائرہ کا پہلا نقطہ جو ابوبکر ہے وہ اس دائرہ کے انتہائی نقطہ سے جو مسیح موعود ہے اتصالِ تام رکھتا ہے جیسا کہ مشاہدہ اس بات پر گواہ ہے کہ آخر نقطہ ہر ایک دائرہ کا اسکے پہلے نقطہ سے جا ملتا ہے اب جبکہ اوّل اور آخر کے دونوں نقطوں کا اتصال ماننا پڑا تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو قرآنی پیشگوئیاں خلافت کے پہلے نقطہ کے حق میں ہیں یعنی حضرت ابوبکر کے حق میں وہی خلافت کے آخری نقطہ کے حق میں بھی ہیں یعنی مسیح موعود کے حق میں اور یہی ثابت کرنا تھا۔ منہ

کما استخلف الذین میں کما کے نقطہ سے مستنبط ہوتی ہے ثابت نہیں ہوسکتی۔ اور
پھر چونکہ ہم ابھی حاشیہ میں اکمل اور اتم طور پر ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق
رضی اللہ عنہ مسیح موعود سے مشابہت رکھتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی ثابت ہوگیا کہ
حضرت ابوبکر حضرت یوشع بن نون سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اور حضرت یوشع بن نون
اس قاعدہ کے رو سے جو دائرہ کا اوّل نقطہ دائرہ کے آخر نقطہ سے اتحاد رکھتا ہے۔
جیسا کہ ابھی ہم نے حاشیہ میں لکھا ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم سے مشابہت رکھتے
ہیں تو اس سلسلۂ مساوات سے لازم آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسلام کے مسیح موعود
سے جو شریعت اسلامیہ کا آخری خلیفہ ہے مشابہت رکھتے ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ حضرت
یشوع بن نون سے مشابہ ہیں اور حضرت یشوع بن نون حضرت ابوبکر سے مشابہ۔ اور پہلے
ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابوبکر اسلام کے آخری خلیفہ یعنی مسیح موعود سے مشابہ ہیں
تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ اسلام کے آخری خلیفہ سے جو مسیح موعود ہے
مشابہ ہیں۔ کیونکہ مشابہ کا مشابہ مشابہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر خط أ خط ا سے مساوی
ہے اور خط آ خط اُ سے مساوی۔ تو ماننا پڑے گا کہ خط آ خط اُ سے مساوی ہے
اور یہی مدعا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مشابہت من وجہ مغائرت کو چاہتی ہے اس لئے
قبول کرنا پڑا کہ اسلام کا مسیح موعود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں بلکہ اس کا غیر ہے
اور عوام جو باریک باتوں کو سمجھ نہیں سکتے اُن کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ خدا تعالیٰ
نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے دو رسول ظاہر کر کے اُن کو دو مستقل
شریعتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک شریعت موسویہ۔ دوسری شریعت محمدیہ۔ اور ان دونوں
سلسلوں میں تیرہ تیرہ خلیفے مقرر کئے ہیں۔ اور درمیانی بارہ خلیفے جو ان دونوں شریعتوں
میں پائے جاتے ہیں وہ ہر دو نبی صاحب الشریعت کی قوم میں سے ہیں۔ یعنی موسوی
خلیفے اسرائیلی ہیں اور محمدی خلیفے قریشی ہیں۔ مگر آخری دو خلیفے ان دونوں سلسلوں کے

ص۱۱۳

وہ ان ہر دو نبی صاحب الشریعت کی قوم میں سے نہیں ہیں۔ حضرت عیسٰےؑ اس لئے کہ ان کا کوئی باپ نہیں۔ اور اسلام کے مسیح موعود کی نسبت جو آخری خلیفہ ہے خود علمائے اسلام مان چکے ہیں کہ وہ قریش میں سے نہیں ہے اور نیز قرآن شریف فرماتا ہے کہ یہ دونوں مسیح ایک دوسرے کا عین نہیں ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں اسلام کے مسیح موعود کو موسوی مسیح موعود کا مثیل ٹھیراتا ہے نہ عین۔ پس محمدی مسیح موعود کو موسوی مسیح کا عین قرار دینا قرآن شریف کی تکذیب ہے۔ اور تفصیل اس استدلال کی یہ ہے کہ کَمَا کا لفظ جو آیت کما استخلف الذین من قبلھم میں ہے جس سے تمام محمدی سلسلہ کے خلیفوں کی موسوی سلسلہ کے خلیفوں کے ساتھ مشابہت ثابت ہوتی ہے ہمیشہ مماثلت کے لئے آتا ہے اور مماثلت ہمیشہ من وجہٍ مغائرت کو چاہتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک چیز اپنے نفس کی مثیل کہلائے بلکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں کچھ مغائرت ضروری ہے اور عین کسی وجہ سے اپنے نفس کا مغائر نہیں ہو سکتا۔ پس جیسا کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم حضرت موسٰی کے مثیل ہو کر اُنکے عین نہیں ہو سکتے ایسا ہی تمام محمدی خلیفے جن میں سے آخری خلیفہ مسیح موعود ہے وہ موسوی خلیفوں کے جن میں سے آخری خلیفہ حضرت عیسٰی علیہ السلام ہیں کسی طرح عین نہیں ہو سکتے اس سے قرآن شریف کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ کَمَا کا لفظ جیسا کہ حضرت موسٰی اور آنحضرت کی مشابہت کے لئے قرآن نے استعمال کیا ہے وہی کَمَا کا لفظ آیت کما استخلف الذین میں وارد ہے جو اسی قسم کی مغائرت چاہتا ہے جو حضرت موسٰی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں ہے۔ یاد رہے کہ اسلام کا بارھواں خلیفہ جو تیرھویں صدی کے سر پر ہونا چاہیئے وہ یحیٰی نبی کے مقابل پر ہے جس کا ایک پلید قوم کے لئے سر کاٹا گیا (سمجھنے والا سمجھ لے) اس لئے ضروری ہے کہ بارھواں خلیفہ قریشی ہو جیسا کہ حضرت یحیٰی اسرائیلی ہیں۔ لیکن اسلام کا تیرھواں خلیفہ جو چودھویں صدی کے سر پر ہونا چاہیئے جس کا نام مسیح موعود ہے اس کیلئے ضروری تھا کہ وہ قریش میں سے نہ ہو جیسا کہ حضرت

عیسٰی اسرائیلی نہیں ہیں سید احمد صاحب بریلوی سلسلۂ خلافت محمدیہ کے بارھویں خلیفہ ہیں جو حضرت یحییٰ کے مثیل ہیں اور سید ہیں۔

(۲) اور منجملہ ان دلائل کے جو میرے مسیح موعود ہونے پر دلالت کرتے ہیں خدا تعالیٰ کے وہ دو نشان ہیں جو دنیا کو کبھی نہیں بھولیں گے یعنی ایک وہ نشان جو آسمان میں ظاہر ہوا اور دوسرا وہ نشان جو زمین نے ظاہر کیا۔ آسمان کا نشان خسوف کسوف ہے جو ٹھیک ٹھیک مطابق آیت کریمہ وجمع الشمس والقمر[1] اور نیز دارقطنی کی حدیث کے موافق رمضان میں واقع ہوا۔ ✝ اور زمین کا نشان وہ ہے جس کی طرف یہ آیت کریمہ قرآن شریف کی یعنی واذا العشار عطلت[2] اشارہ کرتی ہے جس کی تصدیق میں مسلم میں یہ حدیث موجود ہے ویترک القلاص فلا یسعٰی علیہا۔ خسوف کسوف کا نشان تو کئی سال ہوئے جو دو مرتبہ ظہور میں آگیا۔ اور اونٹوں کے چھوڑے جانے

✝ شوکانی اپنی کتاب توضیح میں لکھتا ہے کہ آثار واردہ جو مسیح اور مہدی کے بارے میں ہیں وہ رفع کے حکم میں ہیں کیونکہ پیشگوئیوں میں اجتہاد کو راہ نہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ بہت سی پیشگوئیاں مہدی اور مسیح کے بارے میں ایسی ہیں جو باہم تناقض رکھتی ہیں یا قرآن شریف کے مخالف ہیں یا سنت اللہ کی ضد ہیں اور اس صورت میں اگر ان کا رفع بھی ہوتا تاہم بعض اُن میں سے ہرگز قبول کے لائق نہ تھیں۔ ہاں حسب اقرار شوکانی صاحب کسوف خسوف کی پیشگوئی بلاشبہ رفع کے حکم میں ہے بلکہ یہ پیشگوئی مرفوع متصل حدیث سے بھی صدہا درجہ قوی تر ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے وقوع سے اپنی سچائی آپ ظاہر کر دی اور قرآن شریف نے اس کے مضمون کی تصدیق کی اور نیز قرآن شریف نے اس کے مقابل کی ایک اور پیشگوئی بیان فرمائی یعنی اونٹوں کے بیکار ہونے کی پیشگوئی۔ اس زمینی نشان کا ذکر آسمانی نشان یعنی کسوف خسوف کا مصدق ہے۔ کیونکہ یہ دونوں نشان ایک دوسرے کے مقابل پڑے ہیں اور ایسا ہی توریت کے بعض صحیفوں میں اس کی تصدیق موجود ہے اور یہ مرتبہ ثبوت کا کسی دوسری حدیث مرفوع متصل کو جس کے ساتھ یہ لوازم نہ ہوں حاصل نہیں۔ منہ

[1] القیامہ : ۱۰ [2] التکویر : ۵

اور نئی سواری کا استعمال اگرچہ بلاد اسلامیہ میں قریباً سو برس سے عمل میں آ رہا ہے لیکن یہ پیشگوئی اب خاص طور پر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی ریل طیار ہونے سے پوری ہو جائےگی کیونکہ وہ ریل جو دمشق سے شروع ہو کر مدینہ میں آئے گی وہی مکہ معظمہ میں آئیگی۔ اور اُمید ہے کہ بہت جلد اور صرف چند سال تک یہ کام تمام ہو جائیگا۔ تب وہ اونٹ جو تیرہ سو برس سے حاجیوں کو لے کر مکہ سے مدینہ کی طرف جاتے تھے یکدفعہ بیکار ہو جائیں گے۔ اور ایک انقلاب عظیم عرب اور بلاد شام کے سفروں میں آجائیگا۔ چنانچہ یہ کام بڑی سرعت سے ہو رہا ہے اور تعجب نہیں کہ تین سال کے اندر اندر یہ ٹکڑا مکہ اور مدینہ کی راہ کا تیار ہو جائے اور حاجی لوگ بجائے بدوؤں کے پتھر کھانے کے طرح طرح کے میوے کھاتے ہوئے مدینہ منورہ میں پہنچا کریں۔ بلکہ غالباً معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تھوڑی ہی مدت میں اونٹ کی سواری تمام دنیا میں سے اُٹھ جائیگی۔ اور یہ پیشگوئی ایک چمکتی ہوئی بجلی کی طرح تمام دنیا کو اپنا نظارہ دکھائیگی اور تمام دنیا اس کو بچشم خود دیکھے گی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ کی ریل کا طیار ہو جانا گویا تمام اسلامی دنیا میں ریل کا پھر جانا ہے*۔ کیونکہ اسلام کا مرکز مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ ہے۔

---

* چونکہ ریل کا وجود اور اونٹوں کا بیکار ہونا مسیح موعود کے زمانہ کی نشانی ہے اور مسیح کے ایک یہ بھی معنے ہیں کہ بہت سیاحت کرنے والا۔ تو گویا خدا نے مسیح کیلئے اور اس کے نام کے معنے متحقق کرنے کیلئے اور نیز اس کی جماعت کیلئے جو اُسی کے حکم میں ہیں ریل کو ایک سیاحت کا وسیلہ پیدا کیا ہے تا وہ سیاحتیں جو پہلے مسیح نے ایک سو بیس برس تک بصد محنت پوری کی تھیں اس مسیح کے لئے صرف چند ماہ میں وہ تمام سیر و سیاحت میسر آجائے اور یہ یقینی امر ہے کہ جیسے اس زمانہ کا ایک مامور من اللہ ریل کی سواری کے ذریعہ سے خوشی اور آرام سے ایک بڑے حصہ دنیا کا چکر لگا کر اور سیاحت کر کے اپنے وطن میں آسکتا ہے یہ سامان پہلے نبیوں کے لئے میسر نہیں تھا اس لئے مسیح کا مفہوم جیسے اس زمانہ میں جلد پورا ہو سکتا ہے کسی دوسرے زمانہ میں اس کی نظیر نہیں۔ منہ

اگر سوچ کر دیکھا جائے تو اپنی کیفیت کے رُو سے خسوف کسوف کی پیشگوئی اور اونٹوں کے متروک ہونے کی پیشگوئی ایک ہی درجہ پر معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ خسوف کسوف کا نظارہ کروڑہا انسانوں کو اپنا گواہ بنا گیا ہے۔ ایسا ہی اونٹوں کے متروک ہونے کا نظارہ بھی ہے بلکہ یہ نظارہ کسوف خسوف سے بڑھ کر ہے کیونکہ خسوف کسوف صرف دو مرتبہ ہو کر اور صرف چند گھنٹہ تک رہ کر دُنیا سے گذر گیا۔ مگر اس نئی سواری کا نظارہ جس کا نام ریل ہے ہمیشہ یاد دلاتا رہیگا کہ پہلے اونٹ ہؤا کرتے تھے۔ ذرا اس وقت کو سوچو کہ جب مکہ معظمہ سے کئی لاکھ آدمی ریل کی سواری میں ایک ہیئت مجموعی میں مدینہ کی طرف جائیگا یا مدینہ سے مکہ کی طرف آئیگا تو اس نئی طرز کے قافلہ میں عین اس حالت میں جس وقت کوئی اہل عرب یہ آیت پڑھے گا کہ واذا العشار عطلت[1] یعنی یاد کرو وہ زمانہ جب کہ اونٹنیاں بے کار کی جائیں گی اور ایک حملدار اونٹنی کا بھی قدر نہ رہیگا جو اہل عرب کے نزدیک بڑی قیمتی تھی۔ اور یا جب کوئی حاجی ریل پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف جاتا ہؤا یہ حدیث پڑھے گا کہ ویترک القلاص فلا یُسعٰی علیھا یعنی مسیح موعود کے زمانہ میں اونٹنیاں بے کار ہو جائیں گی اور اُن پر کوئی سوار نہ ہو گا تو سُننے والے اس پیشگوئی کو سُن کر کس قدر وجد میں آئینگے اور کس قدر ان کا ایمان قوی ہو گا۔ جس شخص کو عرب کی پُرانی تاریخ سے کچھ واقفیت ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اونٹ اہل عرب کا بہت پُرانا رفیق ہے اور عربی زبان میں ہزار کے قریب اونٹ کا نام ہے۔ اور اونٹ سے اس قدر قدیم تعلقات اہل عرب کے پائے جاتے ہیں کہ میرے خیال میں بیس ہزار کے قریب عربی زبان میں ایسا شعر ہو گا جس میں اونٹ کا ذکر ہے اور خدا تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ کسی پیشگوئی میں اونٹوں کے ایسے انقلاب عظیم کا ذکر کرنا اس سے بڑھ کر اہل عرب کے دلوں پر اثر ڈالنے کے لئے اور پیشگوئی کی عظمت اُن کی طبیعتوں میں بٹھانے کے لئے اور کوئی راہ نہیں۔ اسی وجہ سے یہ عظیم الشان پیشگوئی قرآن شریف میں ذکر کی گئی ہے جس سے ہر ایک مومن کو خوشی

[1] التکویر : ۵

اچھلنا چاہیئے کہ خدا نے قرآن شریف میں آخری زمانہ کی نسبت جو مسیح موعود اور یاجوج ماجوج اور دجّال کا زمانہ ہے یہ خبر دی ہے کہ اُس زمانہ میں یہ رفیق قدیم عرب کا یعنی اونٹ جس پر وہ مکّہ سے مدینہ کی طرف جاتے تھے اور بلادِ شام کی طرف تجارت کرتے تھے ہمیشہ کے لئے اُن سے الگ ہو جائیگا۔ سبحان اللہ! کس قدر روشن پیشگوئی ہے۔ یہاں تک کہ دل چاہتا ہے کہ خوشی سے نعرے ماریں کیونکہ ہماری پیاری کتاب اللہ قرآن شریف کی سچائی اور منجانب اللہ ہونے کے لئے یہ ایک ایسا نشان دنیا میں ظاہر ہو گیا ہے کہ نہ توریت میں ایسی بزرگ اور کھلی پیشگوئی پائی جاتی ہے اور نہ انجیل میں اور نہ دنیا کی کسی اور کتاب میں۔ ہندوؤں کے ایک پنڈت دیانند نام نے ناحق فضولی کے طور پر کہا تھا کہ وید میں ریل کا ذکر ہے۔ یعنی پہلے زمانہ میں آریہ ورت (ملک ہند) میں ریل جاری تھی۔ مگر جب ثبوت مانگا گیا۔ تو بجز بیہودہ باتوں کے اَور کچھ جواب نہ تھا۔ اور دیانند کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وید میں پیشگوئی کے طور پر ریل کا ذکر ہے۔ کیونکہ دیانند اس بات کا معترف ہے کہ وید میں کوئی پیشگوئی نہیں بلکہ اس کا صرف یہ مطلب تھا کہ ہندوؤں کے عہد سلطنت میں بھی یورپ کے فلاسفروں کی طرح ایسے کاریگر موجود تھے اور اُس زمانہ میں بھی ریل موجود تھی۔ یعنی ہمارے بزرگ بھی انگریزوں کی طرح کئی صنعتیں ایجاد کرتے تھے۔ لیکن قرآن شریف یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ کسی زمانہ میں ملک عرب میں ریل موجود تھی بلکہ آخری زمانہ کے لئے ایک عظیم الشان پیشگوئی کرتا ہے کہ اُن دنوں میں ایک بڑا انقلاب ظہور میں آئیگا اور اونٹوں کی سواری بیکار ہو جائیگی اور ایک نئی سواری دنیا میں پیدا ہو جائیگی جو اونٹوں سے مستغنی کردیگی۔ یہ پیشگوئی جیسا کہ میں بیان کرچکا ہوں حدیث مسلم میں بھی موجود ہے جو مسیح موعود کے زمانہ کی علامت بیان کی گئی ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پیشگوئی کو قرآن شریف کی اس آیت سے ہی استنباط کیا ہے یعنی واذا العشار عطلت [1] سے۔ یاد رہے کہ قرآن شریف میں دو قسم کی پیشگوئیاں ہیں۔ ایک قیامت کی اور ایک زمانۂ آخری کی۔ مثلاً جیسے یاجوج ماجوج

۴۶

[1] التکویر : ۵

کا پیدا ہونا اور اُن کا تمام ریاستوں پر فائق ہونا - یہ پیشگوئی آخری زمانہ کے متعلق ہے - اور حدیث مسلم نے پیشگوئی یترك القلاص میں صاف تشریح کر دی ہے اور کھولکر بیان کر دیا ہے کہ مسیح کے وقت میں اونٹ کی سواری ترک کر دی جائیگی -

(۳) تیسری دلیل جو دلائل گذشتہ مذکورہ کی طرح وہ بھی قرآن شریف سے ہی مستنبط ہے سورۂ فاتحہ کی اس آیت کی بنا پر ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین[1] - یعنی اے ہمارے خدا ہمیں وہ سیدھی راہ عنایت کر جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہے - اور بچا ہم کو ان لوگوں کی راہ سے جن پر تیرا غضب ہے اور جو راہ کو بھول گئے ہیں - فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ اسلام کے تمام اکابر اور ائمہ کے اتفاق سے مغضوب علیھم سے مراد یہودی لوگ ہیں اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں - اور قرآن شریف کی آیت یاعیسٰی انّی متوفیك[2] سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں کے مغضوب علیھم ہونے کی بڑی وجہ جسکی سزا ان کو قیامت تک دی گئی اور دائمی ذلّت اور محکومیت میں گرفتار کئے گئے یہی ہے کہ انہوں نے حضرت عیسٰی کے ہاتھ پر خدا تعالیٰ کے نشان بھی دیکھ کر پھر بھی پورے عناد اور شرارت اور جوش سے اُن کی تکفیر اور توہین اور تفسیق اور تکذیب کی اور اُن پر اور اُن کی والدہ صدیقہ پر جھوٹے الزام لگائے جیسا کہ آیت وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ[2] سے صریح سمجھا جاتا ہے کیونکہ ہمیشہ کی محکومیت جیسی اور کوئی ذلّت نہیں - اور دائمی ذلّت کے ساتھ دائمی عذاب لازم پڑا ہوا ہے - اور اسی آیت کی تائید ایک دوسری آیت کرتی ہے جو جزو ۹ سورہ اعراف میں ہے اور وہ یہ ہے - واذ تاذن ربك لیبعثن علیھم الی یوم القیامۃ من یسومھم سوء العذاب[3] - یعنی خدا نے یہود کے لئے ہمیشہ کے لئے یہ وعدہ کیا ہے کہ ایسے بادشاہ اُن پر مقرر کرتا رہیگا جو انواع واقسام کے عذاب انکو دیتے رہیں گے - اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑی وجہ یہود کے

[1] الفاتحہ: ۶ تا ۸ [2] آل عمران: ۵۶ [3] الاعراف: ۱۶۸

مغضوب علیہم ہونے کی یہی ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سخت ایذاء دی۔ اُن کی تکفیر کی۔ اُن کی تفسیق کی۔ اُن کی توہین کی۔ اُن کو مصلوب قرار دیا تا وہ نعوذ باللہ لعنتی قرار دیئے جائیں۔ اور ان کو اس حد تک دُکھ دیا کہ حسب منطوق آیت وقولھم علیٰ مریم بھتاناً عظیماً[1] ✠ اُن کی ماں پر بھی سخت بہتان لگایا۔ غرض جسقدر ایذاء کی قسمیں ہو سکتی ہیں کہ تکذیب کرنا۔ گالیاں دینا اور افترا کے طور پر کئی تہمتیں لگانا اور کفر کا فتویٰ دینا اور انکی جماعت کو متفرق کرنے کے لئے کوشش کرنا اور حکام کے حضور میں انکی نسبت جھوٹی مخبریاں کرنا اور کوئی دقیقہ توہین کا نہ چھوڑنا اور بالآخر قتل کیلئے آمادہ ہونا یہ سب کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہود بد قسمت سے ظہور میں آیا۔ اور آیت وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ[2] کو غور سے پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آیت ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ[3] کی سزا بھی حضرت مسیح کی ایذاء کی وجہ سے ہی یہود کو دی گئی ہے۔ کیونکہ آیت موصوفہ بالا میں یہود کے لئے یہ دائمی وعید ہے کہ وہ ہمیشہ محکومیت میں جو ہر ایک عذاب اور ذلت کی جڑ ہے زندگی بسر کریں گے جیسا کہ اب بھی یہود کی ذلت کے حالات کو دیکھ کر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اب تک خدا تعالیٰ کا وہ غصہ نہیں اُترا جو اُس وقت

۴۷

✠ جیسا کہ شریر مخالفوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں پر بہتان لگایا اسی طرح میری بیوی کی نسبت شیخ محمد حسین اور اس کے دلی دوست جعفر زٹلی نے محض شرارت سے گندی خوابیں بنا کر سراسر بے حیائی کی راہ سے شائع کیں۔ اور میری دشمنی سے اسجگہ وہ لحاظ اور ادب بھی نہ رہا جو اہل بیت آلِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک دامن خواتین سے رکھنا چاہیئے۔ مولوی کہلانا اور یہ بے حیائی کی حرکات افسوس ہزار افسوس! یہی وہ بے جا حرکت تھی جس پر مسٹر جے۔ ایم ڈوئی صاحب بہادر آئی۔ سی۔ ایس سابق ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع گورداسپور نے مولوی محمد حسین کو چشم نمائی کی تھی۔ اور آئندہ ایسی حرکات سے روکا تھا۔ منہ

[1] النساء: ۱۵۷ [2] آل عمران: ۵۶ [3] البقرۃ: ۶۲

بھڑکا تھا جبکہ اُس وجیہہ نبی کو گرفتار کرا کر مصلوب کرنے کے لئے کھوپری کے مقام پر لے گئے تھے۔ اور جہاں تک بس چلا تھا ہر ایک قسم کی ذلّت پہنچائی تھی اور کوشش کی گئی تھی کہ وہ مصلوب ہو کر توریت کی نصوص صریحہ کے رُو سے ملعون سمجھا جائے اور اُس کا نام اُن میں لکھا جائے جو مرنے کے بعد تحت الثریٰ کی طرف جاتے ہیں اور خدا کی طرف اُن کا رفع نہیں ہوتا۔ غرض جبکہ یہ مقدمہ قرآن شریف کے نصوص صریحہ سے ثابت ہو گیا کہ مغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں اور ضالین سے مُراد نصاریٰ۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مغضوب علیہم کا پُرغضب خطاب جو یہودیوں کو دیا گیا یہ اُن یہودیوں کو خطاب ملا تھا جنہوں نے شرارت اور بے ایمانی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور اُن پر کفر کا فتویٰ لکھا۔ اور ہر ایک طرح سے اُن کی توہین کی اور اُن کو اپنے خیال میں قتل کر دیا اور اُن کے رفع سے انکار کیا بلکہ ان کا نام لعنتی رکھا تو اب اسجگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے کیوں مسلمانوں کو یہ دُعا سکھلائی؟ بلکہ قرآن شریف کا افتتاح بھی اِسی دُعا سے کیا اور اس دعا کو مسلمانوں کے لئے ایک ایسا ورد لازمی اور وظیفۂ دائمی کر دیا کہ پانچ وقت قریباً نوّے✣ کروڑ مسلمان مختلف دیار اور بلاد میں یہی دُعا اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں۔ اور باوجود بہت سے اختلافات کے جو اُن میں اور اُن کے نماز کے طریق میں پائے جاتے ہیں کوئی فرقہ مسلمانوں کا ایسا نہیں ہے کہ جو اپنی نماز میں یہ دُعا نہ پڑھتا ہو۔ اس سوال کا جواب خود قرآن شریف نے اپنے دوسرے مقامات میں دے دیا ہے مثلاً جیسا کہ آیت کما استخلف

✣ تحقیقات کے رو سے یہی صحیح تعداد مسلمانوں کی ہے یعنی نوّے کروڑ مسلمانوں کی مردم شماری صحت کو پہنچی ہے۔ انگریزوں کے مؤرخ عرب کے مختلف حصوں کی مردم شماری اور ایسا ہی بلاد شام اور بلاد روم کی مردم شماری کی تعداد صحت سے دریافت نہیں کر سکے اور افریقہ اور چین کی اسلامی آبادیاں شائد نظرانداز ہی رہیں۔ لہٰذا جو کچھ عیسائی مردم شماری میں اہل اسلام کی میزان دکھائی گئی ہے یہ صحیح نہیں ہے ہرگز صحیح نہیں ہے۔ منہ

الذین من قبلھم[1] سے صریح اور صاف طور پر سمجھا جاتا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔یعنی جبکہ مماثلت کی ضرورت کی وجہ سے واجب تھا کہ اس امت کے خلیفوں کا سلسلہ ایک ایسے خلیفہ پر ختم ہو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مثیل ہو تو منجملہ وجوہ مماثلت کے ایک وجہ یہ بھی ضروری الوقوع تھی کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت کے فقیہ اور مولوی اُنکے دشمن ہو گئے تھے اور اُن پر کفر کا فتویٰ لکھا تھا اور انکو سخت سخت گالیاں دیتے اور اُنکی اور اُن کی پردہ نشین عورتوں کی توہین کرتے اور اُن کے ذاتی نقص نکالتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ اُن کو لعنتی ثابت کریں ایسا ہی اسلام کے مسیح موعود پر اس زمانہ کے مولوی کفر کا فتویٰ لکھیں اور اس کی توہین کریں اور اس کو بے ایمان اور لعنتی قرار دیں اور گالیاں دیں اور اس کے پرائیوٹ امور میں دخل دیں اور طرح طرح کے اس پر افترا کریں اور قتل کا فتویٰ دیں۔پس چونکہ یہ امت مرحومہ ہے اور خدا نہیں چاہتا کہ ہلاک ہوں۔اس لئے اُس نے یہ دُعا غیر المغضوب علیھم کی سکھلا دی اور اس کو قرآن میں نازل کیا اور قرآن ابھی شروع ہوا اور یہ دُعا مسلمانوں کی نمازوں میں داخل کر دی تاکہ وہ کسی وقت سوچیں اور سمجھیں کہ کیوں انکو یہود کی اس سیرت سے ڈرایا گیا جس سیرت کو یہود نے نہایت بُرے طور سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ظاہر کیا تھا۔یہ بات صاف طور پر سمجھ آتی ہے کہ اس دُعا میں جو سورۃ فاتحہ میں مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے فرقہ غیر المغضوب علیھم سے مسلمانوں کا بظاہر کچھ بھی تعلق نہ تھا کیونکہ جبکہ قرآن شریف اور احادیث اور اتفاق علمائے اسلام سے ثابت ہو گیا ہے کہ مغضوب علیھم سے مراد یہود ہیں اور یہود بھی وہ جنہوں نے حضرت مسیح کو بہت ستایا اور دُکھ دیا تھا اور ان کا نام کافر اور لعنتی رکھا تھا اور اُن کے قتل کرنے میں کچھ فرق نہیں کیا تھا اور توہین کو اُن کی مستورات تک پہنچا دیا تھا تو پھر مسلمانوں کو اِس دُعا سے کیا تعلق تھا اور کیوں یہ دُعا ان کو سکھلائی گئی۔اب معلوم ہوا کہ یہ تعلق تھا کہ اسجگہ بھی پہلے مسیح کی مانند ایک مسیح آنے والا تھا اور مقدر تھا کہ اُس کی بھی ویسی ہی توہین اور

ص ۹۸

[1] النور: ۵۶

تکفیر ہو لہذا یہ دُعا سکھلائی گئی جس کے یہ معنے ہیں کہ اے خدا ہمیں اس گناہ سے محفوظ رکھ کہ ہم تیرے مسیح موعود کو دُکھ دیں اور اُس پر کفر کا فتویٰ لکھیں اور اس کو سزا دلانے کیلئے عدالتوں کی طرف کھینچیں اور اس کی پاکدامن اہل بیت کی توہین کریں اور اُس پر طرح طرح کے بہتان لگائیں اور اس کے قتل کے لئے فتوے دیں۔ غرض صاف ظاہر ہے کہ یہ دُعا اسی لئے سکھلائی گئی کہ تا قوم کو اس یادداشت کے پرچہ کی طرح جس کو ہر وقت اپنی جیب میں رکھتے ہیں یا اپنی نشستگاہ کی دیوار پر لگاتے ہیں اس طرف توجہ دی جائے کہ تم میں بھی ایک مسیح موعود آنے والا ہے اور تم میں بھی وہ مادہ موجود ہے جو یہودیوں میں تھا۔ غرض اس آیت پر ایک محققانہ نظر کے ساتھ غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک پیشگوئی ہے جو دُعا کے رنگ میں فرمائی گئی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے جانتا تھا کہ حسب وعدہ کما استخلف الذین من قبلھم[1] آخری خلیفہ اس امت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رنگ میں آئے گا[*]۔ اور ضرور ہے کہ

---

[*] ہم اپنی کتابوں میں بہت جگہ بیان کر چکے ہیں کہ یہ عاجز جو حضرت عیسیٰ بن مریم کے رنگ میں بھیجا گیا ہے بہت سے اُمور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مشابہت رکھتا ہے یہاں تک کہ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں ایک نُدرت تھی اس عاجز کی پیدائش میں بھی ایک نُدرت ہے اور وہ یہ کہ میرے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی اور یہ امر انسانی پیدائش میں نادرات سے ہے کیونکہ اکثر ایک ہی بچہ پیدا ہوا کرتا ہے۔ اور نُدرت کا لفظ مَیں نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ حضرت مسیح کا بغیر باپ پیدا ہونا بھی امور نادرہ میں سے ہے۔ خلاف قانون قدرت نہیں ہے۔ کیونکہ یونانی۔ مصری۔ ہندی طبیبوں نے اس امر کی بہت سی نظیریں لکھی ہیں کہ کبھی بغیر باپ کے بھی بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ بحکم قادرِ مطلق اُن میں دونوں قوتیں عاقدہ اور منعقدہ پائی جاتی ہیں اسلئے دونوں خاصیتیں ذکر اور اُنثیٰ کی اُن کے تخم میں موجود ہوتی ہیں۔ یونانیوں نے بھی ایسی پیدائشوں کی نظیریں دی ہیں اور ہندوؤں نے بھی نظیریں دی ہیں۔ اور ابھی حال میں مصر میں جو طبی کتابیں تالیف ہوئی ہیں

[1] النور: ۵۶

وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح قوم کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھائے اور اس پر کفر کا فتویٰ لکھا جاوے اور اس کے قتل کے ارادے کئے جائیں اس لئے ترحم کے طور پر تمام مسلمانوں کو

ہوشعنا نعسا

ان میں بھی بڑی تحقیق کے ساتھ نظیروں کو پیش کیا ہے۔ ہندوؤں کی کتابوں کے لفظ چندر بنسی اور سورج بنسی درحقیقت انہی امور کی طرف اشارات ہیں۔ پس اس قسم کی پیدائش صرف اپنے اندر ایک نُدرت رکھتی ہے۔ جیسے توام میں ایک نُدرت ہے اس سے زیادہ نہیں۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ بغیر باپ پیدا ہونا ایک ایسا امر فوق العادت ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خصوصیت رکھتا ہے۔ اگر یہ امر فوق العادت ہوتا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہی مخصوص ہوتا تو خدا تعالیٰ قرآن شریف میں اس کی نظیر جو اس سے بڑھ کر تھی کیوں پیش کرتا اور کیوں فرماتا اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ[1] یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسی ہے جیسے آدم کی مثال کہ خدا نے اس کو مٹی سے جو تمام انسانوں کی ماں ہے پیدا کیا۔ اور اس کو کہا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا۔ یعنی جیتا جاگتا ہو گیا۔ اب ظاہر ہے کہ کسی امر کی نظیر پیدا ہونے سے وہ امر بے نظیر نہیں کہلا سکتا۔ اور جس شخص کے کسی عارضۂ ذاتی کی کوئی نظیر مل جائے تو پھر وہ شخص نہیں کہہ سکتا کہ یہ صفت مجھ سے مخصوص ہے۔ اس مضمون کے لکھنے کے وقت خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ یَلَاش خدا کا ہی نام ہے۔ یہ ایک نیا الہامی لفظ ہے کہ اب تک مَیں نے اسکو اس صورت پر قرآن اور حدیث میں نہیں پایا اور نہ کسی لغت کی کتاب میں دیکھا۔ اس کے معنے میرے پر یہ کھولے گئے کہ یا لا شریک۔ اس نام کے الہام سے یہ غرض ہے کہ کوئی انسان کسی ایسی قابلِ تعریف صفت یا اسم یا کسی فعل سے مخصوص نہیں ہے جو وہ صفت یا اسم یا فعل کسی دوسرے میں نہیں پایا جاتا۔ یہی سر ہے جس کی وجہ سے ہر ایک نبی کی صفات اور معجزات اظلال کے رنگ میں اس کی اُمت کے خاص لوگوں میں ظاہر ہوتی ہیں جو اس کے

[1] آل عمران : ۶۰

یہ دُعا سکھلائی کہ تم خدا سے پناہ چاہو کہ تم اُن یہودیوں کی طرح نہ بن جاؤ جنہوں نے موسوی سلسلہ کے مسیح موعود کو کافر ٹھیرایا تھا اور اس کی توہین کرتے تھے اور اُن کو گالیاں دیتے تھے۔ اور اس دُعا میں صاف اشارہ ہے کہ تم پر بھی یہ وقت آنے والا ہے

منہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ ۲۰۲

جوہر سے مناسبت تامہ رکھتے ہیں تا کسی خصوصیت کے دھوکا میں جہلاء اُمت کے کسی نبی کو لاشریک نہ ٹھیرائیں۔ یہ سخت کفر ہے جو کسی نبی کو بلا مثل کا نام دیا جائے۔ کسی نبی کا کوئی معجزہ یا اور کوئی خارق عادت امر ایسا نہیں ہے جس میں ہزارہا اور لوگ شریک نہ ہوں۔ خدا کو سب سے زیادہ اپنی توحید پیاری ہے۔ توحید کے لئے تو یہ سلسلہ انبیاء علیہم السلام کا خدائے عزّ وجلّ نے زمین پر قائم کیا۔ پس اگر خدا کا یہ منشاء تھا کہ بعض صفات ربوبیت سے بعض انسانوں کو مخصوص کیا جائے تو پھر کیوں اس نے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تعلیم کی جس کے لئے عرب کے میدانوں میں ہزارہا مخلوق پرستوں کے خون بہائے گئے۔ پس اے دوستو! اگر تم چاہتے ہو کہ ایمان کو شیطان کے ہاتھ سے بچا کر آخری سفر کرو تو کسی انسان کو فوق العادت خصوصیت سے مخصوص مت کرو کہ یہی وہ گندہ چشمہ ہے جس سے شرک کی نجاستیں جوش مار کر نکلتی ہیں اور انسانوں کو ہلاک کرتی ہیں۔ پس تم اس سے اپنے آپ کو اور اپنی ذرّیت کو بچاؤ کہ تمہاری نجات اسی میں ہے۔ اے عقلمندو ذرا سوچو کہ اگر مثلاً حضرت عیسٰی علیہ السلام انیس سو برس سے دوسرے آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں اور باوجود یکہ فوت شدہ روحوں کو جا ملے اور حضرت یحیٰی کے زانو بزانو ہم نشین ہو گئے پھر بھی اسی جہان میں ہیں اور کبھی آخری زمانہ میں جو گویا اس امت کی ہلاکت کے بعد آئیگا آسمان پر سے اُتریں گے تو شرک سے بچنے کے لئے ایسی فوق العادت صفت کی کوئی نظیر تو پیش کرو یعنے کسی ایسے انسان کا نام لو جو قریباً دو ہزار برس سے آسمان پر چڑھا بیٹھا ہے اور نہ کھاتا نہ پیتا نہ سوتا اور نہ کوئی اور جسمانی خاصہ ظاہر کرتا اور پھر مجسم ہے اور رُوحوں کے ساتھ بھی ایسا

اور تم میں سے بھی بہتوں میں یہ مادہ موجود ہے۔ پس خبردار رہو اور دُعا میں مشغول رہو تا ٹھوکر نہ کھاؤ۔ اور اس آیت کا دوسرا فقرہ جو الضالین ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ ہمیں اے ہمارے پروردگار اس بات سے بھی بچا کہ ہم عیسائی بن جائیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ

ملا ہوا ہے کہ گویا ان رُوحوں میں ایک رُوح ہے اور پھر دنیوی زندگی میں بھی کچھ فتور نہیں۔ اس جہان میں بھی ہے اور اُس جہان میں بھی۔ گویا دونوں طرف اپنے دو پَیر پھیلا رکھے ہیں*۔ ایک پَیر دنیا میں اور دوسرا پَیر فوت شدہ رُوحوں میں۔ اور دنیوی زندگی بھی عجیب کہ باوجود اس قدر امتداد مدّت کے کھانے پینے کی محتاج نہیں اور نیند سے بھی فارغ ہے اور پھر آخری زمانہ میں بڑے کرّوفر اور جلالی فرشتوں کے ساتھ آسمان پر سے اُترے گا۔ اور گو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا معراج کی رات میں نہ چڑھنا دیکھا گیا اور نہ اترنا مگر حضرت مسیح کا اُترنا دیکھا جائیگا۔ تمام مولویوں کے روبرو فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُترے گا۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ مسیح نے وہ کام دکھلائے جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم باوجود اصرار مخالفوں کے دکھلا نہ سکے۔ باربار قرآنی اعجاز کا ہی حوالہ دیا۔ بقول تمہارے مسیح سچ مچ مُردوں کو زندہ کرتا رہا۔ شہر کے لاکھوں انسان ہزاروں برسوں کے مرے ہوئے زندہ کر ڈالے۔ ایک دفعہ شہر کا شہر زندہ کر دیا۔ مگر

* ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ حضرت مسیح کو اتنی بڑی خصوصیت آسمان پر زندہ چڑھنے اور اتنی مدت تک زندہ رہنے اور پھر دوبارہ اُترنے کی جو دی گئی ہے اسکے ہر ایک پہلو سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کا ایک بڑا تعلق جس کا کچھ حد و حساب نہیں حضرت مسیح سے ہی ثابت ہوتا ہے مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تو سو برس تک بھی عمر نہ پہنچی مگر حضرت مسیح اب قریباً دو ہزار برس سے زندہ موجود ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چھُپانے کیلئے ایک ایسی ذلیل جگہ تجویز کی جو نہایت متعفّن اور تنگ اور تاریک اور حشرات الارض کی نجاست کی جگہ تھی مگر حضرت مسیح کو آسمان پر جو بہشت کی جگہ اور فرشتوں کی ہمسائگی کا مکان ہے بلا لیا۔ اب بتلاؤ محبت کس سے زیادہ کی؟ عزت کس کی زیادہ کی؟ قرب کا مکان کس کو دیا اور پھر دوبارہ آنے کا شرف کس کو بخشا؟ منہ

ہے کہ اُس زمانہ میں جب کہ مسیح موعود ظاہر ہوگا عیسائیوں کا بہت زور ہوگا اور عیسائیت

ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک مکھی بھی زندہ نہ کی۔ اور پھر مسیح نے بقول تمہارے ہزارہا پرندے بھی پیدا کئے اور اب تک کچھ خدا کی مخلوقات اور کچھ اس کی مخلوقات دنیا میں موجود ہے اور ان تمام فوق العادت کاموں میں وہ وحدہٗ لاشریک ہے بلکہ بعض امور میں خدا سے بڑھا ہوا ہے* اور اس کی پیدائش کے وقت شیطان نے بھی اُس کو مس نہیں کیا مگر دوسرے تمام پیغمبروں کو مس کیا۔ وہ قیامت کو بھی اپنا کوئی گناہ نہیں تبلائے گا مگر دوسرے تمام نبی گناہوں میں مبتلا ہونگے یہاں تک کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم بھی نہیں کہہ سکیں گے کہ میں معصوم ہوں۔ اب بتلاؤ کہ اس قدر خصوصیتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں جمع کرکے کیا ان مولویوں نے حضرت عیسیٰ کو خدائی کے مرتبہ تک نہیں پہنچایا۔ اور کیا کسی حد تک پادریوں کے دوش بدوش نہیں چلے؟ اور کیا ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو وحدہٗ لاشریک کا مرتبہ دینے میں کچھ فرق کیا ہے؟ مگر مجھے خدا نے اس تجدید کے لئے بھیجا ہے کہ میں لوگوں پر ظاہر کردوں کہ ایسا خیال کرنا

* خدا سے بڑھا ہوا اس طرح پر کہ خدا تو نو مہینے میں انسان کا بچہ پیدا کرتا ہے اور ہر ایک حیوان کی پیدائش کچھ نہ کچھ مہلت چاہتی ہے مگر مسیح کی یہ عجیب خالقیت کئی درجہ خدا کی خالقیت سے بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے کیونکہ مسیح کا یہ کام تھا کہ فی الفور ایک مٹی کا جانور بنایا اور پھونک مارتے ہی وہ زندہ ہو کر اُڑنے لگا اور خدا کے پرندوں میں جا ملا۔ میں نے ایک دفعہ ایک غیر مقلد سے جو اہلحدیث کہلاتے ہیں پوچھا کہ جبکہ بقول تمہارے حضرت مسیح نے ہزارہا پرندے بنائے تو کیا تم ان دو قسم کے پرندوں میں کچھ فرق کر سکتے ہو کہ مسیح کے کونسے ہیں اور خدا کے کونسے۔ اُس نے جواب دیا کہ آپس میں مل گئے اب کیونکر فرق ہو سکتا ہے۔ اس اعتقاد سے نعوذ باللہ خدا تعالیٰ بھی دھوکہ باز ٹھیرتا ہے کہ اپنے بندوں کو تو حکم دیا کہ میرا کوئی شریک نہ بناؤ اور پھر آپ حضرت مسیح کو ایسا بڑا شریک اور حصہ دار بنا دیا کہ کچھ تو خدا کی مخلوقات اور کچھ حضرت مسیح کی مخلوقات ہے بلکہ مسیح خدا کے بعث بعد الموت میں بھی شریک اور علم غیب میں بھی شریک کیا اب بھی نہ کہیں کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ منہ

کی ضلالت ایک سیلاب کی طرح زمین پر پھیلے گی۔ اور اس قدر طوفانِ ضلالت جوش ماریگا

کفر اور صریح کفر اور سخت کفر ہے۔ بلکہ اگر واقعی طور پر حضرت مسیح نے کوئی معجزہ دکھلایا ہے یا کوئی اعجازی صفت حضرت موصوف کے کسی قول یا فعل یا دعا یا توجہ میں پائی جاتی ہے تو بلاشبہ وہ صفت کروڑہا اور انسانوں میں بھی پائی جاتی ہے ومن انکرہٗ فقد کفر واغضب ربّہ۔ اللّٰہ اکبر۔ واللّٰہ تفرّد بتوحیدہ لا الٰہ الّا ھو۔ ولیس کمثلہ احد من نوع البشر۔ والعباد یشابہ بعضھم بعضًا فلا تجعل احدًا منھم وحیدًا واتّق اللّٰہ واحذر۔

سخت تعجب ان لوگوں کی فہم پر ہے جو کہتے ہیں کہ ہم اہل حدیث اور غیر مقلّد ہیں اور دعوے کرتے ہیں کہ ہم توحید کی راہوں کو پسند کرتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو حنفیوں کو یہ الزام دیتے ہیں کہ تم بعض اولیاء کو صفاتِ الٰہیہ میں شریک کر دیتے ہو اور ان سے حاجتیں مانگتے ہو۔ اور ابھی ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ لوگ حضرت عیسٰی علیہ السلام میں بہت سی خدائی صفات قائم کرتے ہیں اور اُن کو خالق اور محی الاموات اور عالم الغیب قرار دیتے ہیں۔ اور اُن کے لئے وہ صفتیں قائم کرتے ہیں جو کسی انسان میں اُن کی نظیر پایا جانا عقیدہ نہیں رکھتے۔ حالانکہ توحیدِ الٰہی کی جڑ یہی ہے کہ وہ وحدہٗ لاشریک اپنی ذات میں اور اپنی صفات میں اور اپنے کاموں میں ہے اور کوئی دوسرا مخلوق اس کی مانند وحدہٗ لاشریک نہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو ان کرامات پر اعتراض کیا کرتے تھے جو حضرت سید شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور دوسرے اولیائے کرام سے ظہور میں آئیں۔ یہ وہی موحّد کہلانے والے ہیں جو اس بات پر ہنستے تھے کہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک کشتی بارہ برس کے بعد دریا میں سے نکلی اور جس قدر لوگ غرق ہوئے تھے سب اس میں زندہ موجود ہوں۔ اب یہ لوگ دجّال میں وہ صفاتِ اعجاز قائم کرتے ہیں جو کبھی کسی ولی کی نسبت روا نہیں رکھتے تھے۔ یہ لوگ

کہ بجز دُعا کے اَور کوئی چارہ نہ ہوگا اور تثلیث کے واعظ اس قدر مکر کا جال پھیلائینگے

کہا کرتے تھے کہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئًا لِلّٰہ کہنا کفر ہے۔ اور اب اس کفر کو جو اُس سے بڑھ کر ہے مسیح کی نسبت جائز سمجھتے ہیں٭۔ اور اُن کو بعض صفات خارق عادت میں خدا تعالیٰ کی طرح وحدہٗ لاشریک ٹھیرتے ہیں۔ اور یاد رہے کہ خدا نے بے باپ پیدا ہونے میں حضرت آدم سے حضرت مسیح کو مشابہت دی ہے اور یہ بات کہ کسی دوسرے انسان سے کیوں مشابہت نہیں دی یہ محض اس غرض سے ہے کہ تا ایک مشہور متعارف نظیر پیش کی جائے۔ کیونکہ عیسائیوں کو یہ دعوی تھا کہ بے باپ پیدا ہونا حضرت مسیح کا خاصہ ہے اور یہ خدائی کی دلیل ہے۔ پس خدا نے اس حجت کے توڑنے کے لئے وہ نظیر پیش کی جو عیسائیوں کے نزدیک مسلّم اور مقبول ہے۔ اگر خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے کوئی اور نظیر پیش کرتا تو وہ اس نظیر کی طرح بدیہی اور مسلم الثبوت نہ ہوتی اور ایک نظری امر ہوتا۔ ورنہ دنیا میں ہزارہا افراد ایسے ہیں جو بے باپ پیدا ہوئے ہیں اور غایت کار یہ امر امور نادرہ میں سے ہے نہ یہ کہ خلافِ قانون قدرت اور عادت اللہ سے باہر ہے پس یہ نُدرت اسی قسم کی ہے جیسے توام میں نُدرت ہے جو فطرتِ الٰہی نے اِس راقم کے حصّے میں رکھی تھی تا تشابہ فی النُدرت ہو جائے اور نیز خدا تعالیٰ نے جو قرآن شریف میں حضرت مسیح کو آدم سے مشابہت دی ہے اور پھر براہین احمدیہ میں جس کو شائع ہوئے ۲۰ بیس برس گذر گئے میرا نام آدم رکھا ہے۔ اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم سے مشابہت ہے ایسا ہی مجھے

٭ ان لوگوں کے عقائد باطلہ محرّفہ پر یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ اسلام حقیقی کے لئے وعدہ ہے کہ وہ ہر ایک مذہب پر غالب آئیگا لیکن یہ لوگ عیسائی مذہب جیسے قابلِ شرم عقائد کے سامنے ایک منٹ بھی اپنے اِن اصولوں کے ساتھ ٹھہر نہیں سکتے اور سخت شکست کھا کر بھاگتے ہیں۔ منہ

کہ قریب ہوگا کہ راستبازوں کو بھی گمراہ کریں لہذا اِس دُعا کو بھی پہلی دُعا کے ساتھ

بھی مشابہت ہے۔ ایک تو یہی مشابہت جو نُدرت فی الخلقت میں ہے۔ دوسری مشابہت اس بات میں کہ وہ اسرائیلی خلیفوں میں سے آخری خلیفہ ہیں مگر اسرائیل کے خاندان سے نہیں حالانکہ زبور میں وعدہ تھا کہ تمام خلیفے اس سلسلہ کے اسرائیلی خاندان میں سے ہونگے۔ پس گویا ماں کا اسرائیلی ہونا اس وعدہ کے ملحوظ رکھنے کے لئے کافی سمجھا گیا۔ ایسا ہی میں بھی محمدی سلسلہ کے خلیفوں میں سے آخری خلیفہ ہوں مگر باپ کے رو سے قریش میں سے نہیں ہوں گو بعض دادیاں سادات میں سے ہونے کی وجہ سے قریش میں سے ہوں۔ تیسری مشابہت حضرت عیسٰی علیہ السلام سے میری یہ ہے کہ وہ ظاہر نہیں ہوئے جب تک حضرت موسٰی کی وفات پر چودھویں صدی کا ظہور نہیں ہوا۔ ایسا ہی میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے چودھویں صدی کے سر پر مبعوث ہوا ہوں۔ چونکہ خدا تعالیٰ کو یہ پسند آیا ہے کہ رُوحانی قانون قدرت کو ظاہری قانون قدرت سے مطابق کرکے دکھلائے اس لئے اُس نے مجھے چودھویں صدی کے سر پر پیدا کیا کیونکہ سلسلۂ خلافت سے اصل مقصود یہ تھا کہ سلسلہ ترقی کرتا کرتا کمالِ تام کے نقطہ پر ختم ہو یعنی اسی نقطہ پر جہاں اسلامی معارف اور اسلامی انوار اور اسلامی دلائل اور حجج پورے طور پر جلوہ گر ہوں اور چونکہ چاند چودھویں رات میں اپنے نور میں کمال تک پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ مسیح موعود کو چودھویں صدی کے سر پر پیدا کرنا اس طرف اشارہ تھا کہ اسکے وقت میں اسلامی معارف اور برکات کمال تک پہنچ جائیں گی۔ جیسا کہ آیت لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ[1] میں اسی کمالِ تام کی طرف اشارہ ہے۔ اور نیز چونکہ چاند اپنے کمالِ تام کی رات میں یعنی چودھویں رات میں مشرق کی طرف سے ہی طلوع کرتا ہے۔ اس لئے یہ مناسبت بھی جو خدا کے ظاہری اور رُوحانی قانون میں ہونی چاہیئے یہی چاہتی تھی جو مسیح موعود جو اسلام کے کمال تام کو ظاہر کرنے والا ہے ممالک مشرقیہ میں سے ہی پیدا ہو

[1] الصف : ۱۰

شامل کر دیا گیا۔ اور اسی ضلالت کے زمانہ کی طرف اشارہ ہے جو حدیث میں آیا

ضمیمہ حاشیہ

چوتھی مشابہت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مجھے یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُس وقت ظاہر ہوئے تھے کہ جب کہ اُنکے ملک زاد بوم اور اس کے گرد و نواح سے بکلی بنی اسرائیل کی حکومت جاتی رہی تھی اور ایسے ہی زمانہ میں مجھے خدا نے مبعوث فرمایا۔ پانچویں مشابہت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مجھے یہ ہے کہ وہ رومی سلطنت کے وقت یعنی قیصر روم کے زمانہ میں مامور ہوئے تھے۔ پس ایسا ہی میں بھی رومی سلطنت اور قیصر ہند کے ایام دولت میں مبعوث کیا گیا ہوں۔ اور عیسائی سلطنت کو مَیں نے اِس لئے رومی سلطنت کے نام سے یاد کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس عیسائی سلطنت کا نام جو مسیح موعود کے وقت میں ہوگی روم ہی رکھا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث سے ظاہر ہے۔ چھٹی مشابہت مجھے حضرت مسیح سے یہ ہے کہ جیسے اُن کو کافر بنایا گیا گالیاں دی گئیں اُن کی والدہ کی توہین کی گئی۔ ایسا ہی میرے پر کفر کا فتویٰ لگا اور گالیاں دی گئیں اور میرے اہل بیت کی توہین کی گئی۔ ساتویں مشابہت مجھے حضرت مسیح سے یہ ہے کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کے گرفتار کرنے کیلئے جھوٹے مقدمات بنائے گئے اور جھوٹی مخبریاں کی گئیں اور یہود کے مولویوں نے اُن پر جاکر عدالت میں گواہیاں دیں ایسا ہی میرے پر بھی جھوٹے مقدمات بنائے گئے۔ اور ان جھوٹے مقدمات کی تائید میں مولوی محمد حسین بٹالوی نے میرے پھانسی دلانے کیلئے عدالت میں بحضور کپتان ڈگلس صاحب پادریوں کی حمایت میں گواہی دی۔ آخر عدالت نے ثابت کیا کہ مقدمہ الزام قتل جھوٹا ہے۔ پس خود سوچ لو کہ اس مولوی کی گواہی کس قسم کی تھی۔ آٹھویں مشابہت مجھے حضرت مسیح سے یہ ہے کہ حضرت مسیح کی پیدائش ایسے ظالم بادشاہ یعنی ہیروڈیس کے وقت میں ہوئی تھی جو اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا۔ ایسا ہی میری پیدائش بھی سکھوں کے زمانہ کے آخری حصہ میں ہوئی تھی جو مسلمانوں کے لئے ہیروڈیس سے کم نہ تھے۔ منہ

ہے کہ جب تم دجّال کو دیکھو تو سورۂ کہف کی پہلی آیتیں پڑھو اور وہ یہ ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۝ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ ...... وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔[1]
ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دجّال سے کس گروہ کو مراد رکھا ہے*۔ اور عِوَج کے لفظ سے اس جگہ مخلوق کو شریک الباری ٹھیرانے سے مراد ہے جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ٹھیرایا ہے۔ اور اسی لفظ سے فیج اعوج مشتق ہے۔ اور فیج اعوج سے وہ درمیانی زمانہ مُراد ہے جس میں مسلمانوں نے عیسائیوں کی طرح حضرت مسیح کو بعض صفات میں شریک الباری ٹھیرا دیا۔ اسجگہ ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے کہ اگر دجّال کا بھی کوئی علیحدہ وجود ہوتا تو سورۃ فاتحہ میں اُس کے فتنہ کا بھی ذکر ضرور ہوتا اور اُس کے فتنہ سے بچنے کے لئے بھی کوئی علیحدہ دُعا ہوتی۔ مگر ظاہر ہے کہ اسجگہ یعنی سورۃ فاتحہ میں صرف مسیح موعود کو ایذا دینے سے بچنے کے لئے اور نصاریٰ کے فتنے سے محفوظ رہنے کیلئے دُعا کی گئی ہے حالانکہ بموجب خیالات حال کے مسلمانوں کا دجّال ایک اَور شخص ہے

* نسائی نے ابو ہریرہ سے دجّال کی صفت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث لکھی ہے:۔ یخرج فی اٰخر الزمان دجال یختلون الدنیا بالدین۔ یلبسون للناس جلود الضأن۔ السنتھم احلی من العسل و قلوبھم قلوب الذیاب یقول اللّٰہ عزّ وجلّ ابی یغترون ام علیّ یجترؤن۔ یعنی آخری زمانہ میں ایک گروہ دجّال نکلے گا۔ وہ دنیا کے طالبوں کو دین کے ساتھ فریب دینگے یعنی اپنے مذہب کی اشاعت میں بہت سا مال خرچ کریں گے۔ بھیڑوں کا لباس پہن کر آئیں گے۔ اُنکی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہونگی اور دل بھیڑیوں کے ہونگے۔ خدا کہے گا کہ کیا تم میرے حلم کے ساتھ مغرور ہو گئے اور کیا تم میرے کلمات میں تحریف کرنے لگے۔ جلد ۷ صفحہ ۱۷۴ کنز العمال۔ منہ

[1] الکھف: ۲ تا ۶

اور اس کا فتنہ تمام فتنوں سے بڑھکر ہے تو گویا نعوذ باللہ خدا بھول گیا کہ ایک بڑے فتنہ کا ذکر بھی نہ کیا۔ اور صرف دو فتنوں کا ذکر کیا۔ ایک اندرونی یعنی مسیح موعود کو یہودیوں کی طرح ایذا دینا۔ دوسرے عیسائی مذہب اختیار کرنا۔ یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ سورۃ فاتحہ میں صرف دو فتنوں سے بچنے کے لئے دُعا سکھلائی گئی ہے (۱) اوّل یہ فتنہ کہ اسلام کے مسیح موعود کو کافر قرار دینا۔ اُس کی توہین کرنا۔ اُس کی ذاتیات میں نقص نکالنے کی کوشش کرنا۔ اُس کے قتل کا فتویٰ دینا جیسا کہ آیت غیر المغضوب علیھم میں انہی باتوں کی طرف اشارہ ہے (۲) دوسرے نصاریٰ کے فتنے سے بچنے کے لئے دُعا سکھلائی گئی اور سورۃ کو اسی کے ذکر پر ختم کرکے اشارہ کیا گیا ہے کہ فتنۂ نصاریٰ ایک سیلِ عظیم کی طرح ہوگا۔ اس سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔ غرض اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ اس عاجز کی نسبت قرآن شریف نے اپنی پہلی سورۃ میں ہی گواہی دے دی۔ ورنہ ثابت کرنا چاہیئے کہ کن مغضوب علیھم سے اِس سورۃ میں ڈرایا گیا ہے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ حدیث اور قرآن شریف میں آخری زمانہ کے بعض علماء کو یہود سے نسبت دی ہے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ مغضوب علیھم سے مراد وہ یہود ہیں جنہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو جو سلسلہ موسویہ کے آخری خلیفہ اور مسیح موعود تھے کافر ٹھیرایا تھا اور اُنکی سخت توہین کی تھی اور اُن کے پرائیویٹ امور میں افترائی طور پر نقص ظاہر کئے تھے۔ پس جبکہ یہی لفظ مغضوب علیھم کا اُن یہودیوں کے مثیلوں پر بولا گیا جن کا نام بوجہ تکفیر و توہین حضرت مسیح مغضوب علیھم رکھا گیا تھا۔ پس اسجگہ مغضوب علیھم کے پورے مفہوم کو پیش نظر رکھ کر جب سوچا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ آنے والے مسیح موعود کی نسبت صاف اور صریح پیشگوئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ سے پہلے مسیح کی طرح ایذا اُٹھائے گا۔ اور یہ دُعا کہ یا الٰہی ہمیں مغضوب علیھم ہونے سے بچا۔ اس کے قطعی اور یقینی معنے ہیں کہ ہمیں اس سے بچا کہ ہم تیرے مسیح موعود کو جو پہلے مسیح کا مثیل ہے ایذا نہ دیں اُس کو کافر نہ ٹھیرائیں۔ اِن معنوں کے لئے یہ قرینہ کافی ہے کہ

مغضوب علیہم صرف اُن یہودیوں کا نام ہے جنہوں نے حضرت مسیح کو ایذاء دی تھی اور حدیثوں میں آخری زمانہ کے علماء کا نام یہود رکھا گیا ہے یعنی وہ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکفیر و توہین کی تھی۔* اور اس دُعا میں ہے کہ یا الٰہی ہمیں وہ فرقہ مت بنا جن کا نام مغضوب علیہم ہے۔ پس دُعا کے رنگ میں یہ ایک پیشگوئی ہے جو دو خبر پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ اس اُمت میں بھی ایک مسیح موعود پیدا ہوگا۔ اور دوسری یہ پیشگوئی ہے کہ بعض لوگ اس اُمت میں سے اُس کی بھی تکفیر اور توہین کرینگے اور وہ لوگ موردِ غضب الٰہی ہونگے اور اس وقت کا نشان یہ ہے کہ فتنہ نصاریٰ بھی اُن دنوں میں حد سے بڑھا ہوا ہوگا۔ جن کا نام ضالین ہے اور ضالین پر بھی یعنی عیسائیوں پر بھی اگرچہ خدا تعالیٰ کا غضب ہے کہ وہ خدا کے حکم کے شنوا نہیں ہوئے مگر اس غضب کے آثار قیامت کو ظاہر ہونگے۔ اور اس جگہ مغضوب علیہم سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر بوجہ تکفیر و توہین و ایذاء و ارادۂ قتل مسیح موعود کے دنیا میں ہی غضب الٰہی نازل ہوگا۔ یہ میرے جانی دشمنوں کیلئے قرآن کی پیشگوئی ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ جو شخص راہ راست کو چھوڑتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے غضب کے نیچے آتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کا اپنے مجرموں سے دو قسم کا معاملہ ہے اور مجرم دو قسم کے ہیں (۱) ایک وہ مجرم ہیں جو حد سے زیادہ نہیں بڑھتے اور گو نہایت درجہ کے تعصب سے ضلالت کو نہیں چھوڑتے مگر وہ ظلم اور ایذاء کے طریقوں میں ایک معمولی درجہ تک رہتے ہیں اپنے جور و ستم اور بیباکی کو انتہا تک نہیں پہنچاتے۔ پس وہ تو اپنی سزا قیامت کو پائیں گے اور خدائے حلیم اُن کو اس جگہ نہیں پکڑتا کیونکہ ان کی روش میں حد سے زیادہ سختی نہیں۔ لہٰذا ایسے گناہوں کی سزا کے لئے صرف ایک ہی

* حدیثوں میں صاف طور پر یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ مسیح موعود کی بھی تکفیر ہوگی۔ اور علمائے وقت اُس کو کافر ٹھیرائینگے اور کہیں گے کہ یہ کیسا مسیح ہے اس نے تو ہمارے دین کی بیخ کنی کر دی۔ منہ

دن مقرر ہے جو یوم المجازات اور یوم الدین اور یوم الفصل کہلاتا ہے (۲) دوسری قسم کے وہ مجرم ہیں جو ظلم اور ستم اور شوخی اور بے باکی میں حد سے بڑھ جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ خدا کے ماموروں اور رسولوں اور راستبازوں کو درندوں کی طرح پھاڑ ڈالیں اور دنیا پر سے ان کا نام و نشان مٹا دیں اور ان کو آگ کی طرح بھسم کر ڈالیں۔ ایسے مجرموں کیلئے جن کا غضب انتہا تک پہنچ جاتا ہے سنت اللہ یہی ہے کہ اسی دنیا میں خدا تعالیٰ کا غضب اُن پر بھڑکتا ہے اور اسی دنیا میں وہ سزا پاتے ہیں علاوہ اس سزا کے جو قیامت کو ملے گی۔ اس لئے قرآنی اصطلاح میں اُن کا نام مغضوب علیہم ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں حقیقی مصداق اس نام کا ان یہودیوں کو ٹھیرایا ہے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نابود کرنا چاہا تھا۔ پس ان کے دائمی غضب کے مقابل پر خدا نے بھی ان کو دائمی غضب کے وعید سے پامال کیا جیسا کہ آیت وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ[۱] سے سمجھا جاتا ہے اس قسم کا غضب جو قیامت تک منقطع نہ ہو اس کی نظیر قرآن شریف میں بجز حضرت مسیح کے دشمنوں کے یا آنے والے مسیح موعود کے دشمنوں کے اور کسی قوم کے لئے پائی نہیں جاتی[+] اور مغضوب علیہم کے لفظ میں دنیا کے غضب کی وعید ہے جو دونوں مسیحوں کے دشمنوں کے متعلق ہے۔ یہ ایسی نص صریح ہے کہ اس سے انکار قرآن سے انکار ہے۔

اور یہ معنے جو ابھی میں نے سورۃ فاتحہ کی دُعا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین[۲] کے متعلق بیان کئے ہیں انہی کی طرف قرآن شریف کی آخری چار سورتوں میں اشارہ ہے جیسا کہ سورۃ تبّت کی پہلی آیت یعنی تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ[۳] اس موذی کی طرف

[+] اگرچہ بدقسمت یہود ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی دشمنی رکھتے تھے مگر اس مظفر و منصور نبی کے مقابل پر جس کے تیر دشمنوں کو خوب تیزی دکھلاتے تھے یہود نامسعود کی کچھ چالاکی پیش نہیں گئی۔ منہ

[۱] آل عمران: ۵۶ [۲] الفاتحۃ: ۸ [۳] اللّھب: ۲

اشارہ کرتی ہے جو مظہر جلال احمدی یعنی احمد مہدی کا مکفّر اور مکذّب اور مہین ہوگا۔ چنانچہ آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۰ میں یہی آیت بطور الہام اس عاجز کے حق میں موجود ہے اور وہ الہام جو صفحہ مذکورہ کی ۱۹ اور ۲۲ سطر میں ہے یہ ہے:۔ اذ یمکر بك الذی کفّر۔ اوقد لی یا ھامان لعلی اطّلع علی الٰہ موسٰی۔ و انی لاظنّہ من الکاذبین۔ تبّت یدا ابی لھب وتب ما کان لہ ان ید خل فیھا الا خائفا وما اصابك فمن اللہ۔ یعنی یاد کر وہ زمانہ جبکہ ایک مولوی تجھ پر کفر کا فتویٰ لگائے گا اور اپنے کسی حامی کو جس کا لوگوں پر اثر پڑ سکے کہیگا کہ میرے لئے اس فتنہ کی آگ بھڑکا۔ یعنی ایسا کر اور اس قسم کا فتویٰ دے دے کہ تمام لوگ اس شخص کو کافر سمجھ لیں تا میں دیکھوں کہ اس کا خدا سے کیا تعلق ہے۔ یعنی یہ جو موسٰی کی طرح اپنا کلیم اللہ ہونا ظاہر کرتا ہے کیا خدا اس کا حامی ہے یا نہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ یہ جھوٹا ہے۔ ہلاک ہوگئے دونوں ہاتھ ابی لہب کے (جبکہ اُس نے یہ فتویٰ لکھا) اور وہ آپ بھی ہلاک ہوگیا۔ اُس کو نہیں چاہیئے تھا کہ اس کام میں دخل دیتا مگر ڈر ڈر کر۔ اور جو رنج تجھے پہنچیگا وہ تو خدا کی طرف سے ہے۔ یہ پیشگوئی قریباً فتویٰ تکفیر سے بارہ برس پہلے براہین احمدیہ میں شائع ہو چکی ہے یعنی جبکہ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب نے یہ فتویٰ تکفیر لکھا اور میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کو کہا کہ سب سے پہلے اس پر مُہر لگا دے اور میرے کفر کی نسبت فتویٰ دیدے اور تمام مسلمانوں میں میرا کافر ہونا شائع کر دے۔ سو اس فتویٰ اور میاں صاحب مذکور کے مُہر سے بارہ برس پہلے یہ کتاب تمام پنجاب اور ہندوستان میں شائع ہو چکی تھی اور مولوی محمد حسین جو بارہ برس کے بعد اوّل المکفّرین بنے بانی تکفیر کے وہی تھے اور اس آگ کو اپنی شہرت کی وجہ سے تمام ملک میں سلگانے والے میاں نذیر حسین صاحب دہلوی تھے۔ اسجگہ سے خدا کا علم غیب ثابت ہوتا ہے کہ ابھی اس فتویٰ کا نام و نشان نہ تھا بلکہ مولوی محمد حسین صاحب میری نسبت

ش

خادموں کی طرح اپنے تئیں سمجھتے تھے اُس وقت خدا تعالیٰ نے یہ پیشگوئی فرمائی۔ جس کو کچھ بھی حصہ عقل اور فہم سے ہے وہ سوچے اور سمجھے کہ کیا انسانی طاقتوں میں یہ بات داخل ہو سکتی ہے کہ جو طوفان بارہ برس کے بعد آنے والا تھا جس کا پُر زور سیلاب مولوی محمد حسین جیسے مدعی اخلاص کو درجۂ ضلالت کی طرف کھینچ لے گیا اور نذیر حسین جیسے مخلص کو جو کہتا تھا کہ براہین احمدیہ جیسی اسلام میں کوئی کتاب تالیف نہیں ہوئی اس سیلاب نے دبا لیا۔ اِس طوفان کی پہلے مجھے یا کسی اَور کو محض عقلی قرائن سے خبر ہوتی۔ سو یہ خالص علم الٰہی ہے جس کو معجزہ کہتے ہیں۔ غرض براہین احمدیہ کے اس الہام میں سورۃ تبّت کی پہلی آیت کا مصداق اس شخص کو ٹھہرایا ہے جس نے سب سے پہلے خدا کے مسیح موعود پر تکفیر اور توہین کے ساتھ حملہ کیا۔ اور یہ دلیل اس بات پر ہے کہ قرآن شریف نے بھی اسی سورۃ میں ابولہب کے ذکر میں علاوہ دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسیح موعود کے دشمن کو بھی مراد لیا ہے✝۔ اور یہ تفسیر اس الہام کے ذریعہ سے کھلی ہے جو آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں درج ہو کر کروڑ ہا انسانوں یعنی عیسائیوں اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں شائع ہو چکا تھا۔ اس لئے یہ تفسیر سراسر حقانی ہے اور تکلّف اور تصنّع سے پاک ہے اور ہر ایک صاحب عقل و انصاف کو اس بات میں شبہ نہ ہوگا کہ جب کہ خدا کے الہام نے آج سے بیس برس پہلے ایک عظیم الشان پیشگوئی میں جو براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۰ میں درج ہے اور کمال صفائی سے پوری ہو چکی ہے یہی معنے کئے ہیں تو

✝ ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں اور ابو نعیم نے اپنی کتاب حلیہ میں ابی قلابہ سے روایت کی ہے کہ ابوالدرداءؓ نے کہا ہے کہ انک لا تفقہ کل الفقہ حتّٰی تری للقرآن وجوھا یعنی تجھ کو قرآن کا پورا فہم کبھی عطا نہیں ہوگا جب تک تجھ پر یہ نہ کھلے کہ قرآن کئی وجوہ پر اپنے معنے رکھتا ہے۔ ایسا ہی مشکوٰۃ میں یہ مشہور حدیث ہے کہ قرآن کے لئے ظہر اور بطن ہے اور وہ علم اوّلین اور آخرین پر مشتمل ہے۔ منہ

یہ محض اجتہادی نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہو کر یقینی اور قطعی ہیں اور اس الہامی پیشگوئی کے وثوق پر مبنی ہیں جس نے بجمال صفائی اپنی سچائی ظاہر کردی ہے۔ غرض آیت تبّت یدا ابی لھب وتب جو قرآن شریف کے آخری سپارہ میں چار آخری سورتوں میں سے پہلی سورۃ ہے جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے موذی دشمنوں پر دلالت کرتی ہے ایسا ہی بطور اشارۃ النص اسلام کے مسیح موعود کے ایذاء دہندہ دشمنوں پر اس کی دلالت ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً آیت ھو الذی ارسل رسوله بالھدٰی ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلّہ[1] آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے اور پھر یہی آیت مسیح موعود کے حق میں بھی ہے۔ جیسا کہ تمام مفسر اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ پس یہ بات کوئی غیر معمولی امر نہیں ہے کہ ایک آیت کا مصداق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہوں اور پھر مسیح موعود بھی اسی آیت کا مصداق ہو۔ بلکہ قرآن شریف جو ذوالوجوہ ہے اُس کا محاورہ اسی طرز پر واقع ہو گیا ہے کہ ایک آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مُراد اور مصدّق[*] ہوتے ہیں اور اسی آیت کا مصداق مسیح موعود بھی ہوتا ہے جیسا کہ آیت هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى[2] سے ظاہر ہے۔ اور رسول سے مراد اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اور مسیح بھی مراد ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ آیت تبّت یدا ابی لھب جو قرآن شریف کے آخر میں ہے آیت مغضوب علیہم کی ایک شرح ہے جو قرآن شریف کے اوّل میں ہے کیونکہ قرآن شریف کے بعض حصّے بعض کی تشریح ہیں۔ پھر اس کے بعد جو سورۃ فاتحہ میں ولا الضالین ہے اس کے مقابل پر اور اس کی تشریح میں سورۃ تبّت کے بعد سورۃ اخلاص ہے۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ سورۃ فاتحہ میں تین دُعائیں سکھلائی گئی ہیں (۱) ایک یہ دُعا کہ خدا تعالیٰ اُس جماعت میں داخل رکھے جو صحابہ کی جماعت ہے اور پھر اس کے بعد

---

[*] صحیح لفظ مصداق ہے۔ مصحح [1][2] الصف : ۱۰

اس جماعت میں داخل رکھے جو مسیح موعود کی جماعت ہے جن کی نسبت قرآن شریف فرماتا ہے وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ[1]۔ غرض اسلام میں یہی دو جماعتیں منعم علیہم کی جماعتیں ہیں اور انہی کی طرف اشارہ ہے آیت صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ[2] میں کیونکہ تمام قرآن پڑھکر دیکھو جماعتیں دو ہی ہیں۔ ایک صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت۔ دوسری وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ کی جماعت جو صحابہ کے رنگ میں ہے اور وہ مسیح موعود کی جماعت ہے۔ پس جب تم نماز میں یا خارج نماز کے یہ دُعا پڑھو کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ[3] تو دل میں یہی ملحوظ رکھو کہ میں صحابہ اور مسیح موعود کی جماعت کی راہ طلب کرتا ہوں۔ یہ تو سورۃ فاتحہ کی پہلی دعا ہے (۲) دوسری دُعا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہے جس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسیح موعود کو دُکھ دینگے اور اس دُعا کے مقابل پر قرآن شریف کے اخیر میں سورۃ تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ ہے (۳) تیسری دُعا وَلَا الضَّالِّيْنَ ہے اور اس کے مقابل پر قرآن شریف کے اخیر میں سورہ اخلاص ہے یعنی قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ[4] اور اس کے بعد دو اور سورتیں جو ہیں یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس یہ دونوں سورتیں سورۃ تبّت اور سورۃ اخلاص کے لئے بطور شرح کے ہیں اور ان دونوں سورتوں میں اس تاریک زمانہ سے خدا کی پناہ مانگی گئی ہے جب کہ لوگ خدا کے مسیح کو دکھ دینگے اور جبکہ عیسائیت کی ضلالت تمام دنیا میں پھیلے گی۔ پس سورہ فاتحہ میں اُن تینوں دعاؤں کی تعلیم بطور براعت الاستہلال ہے یعنی وہ اہم مقصد جو قرآن میں مفصل بیان کیا گیا ہے سورۃ فاتحہ میں بطور اجمال اس کا افتتاح کیا ہے اور پھر سورۃ تبت اور سورۃ اخلاص اور سورۃ فلق اور سورہ الناس میں ختم قرآن کے وقت میں انہی دونوں بلاؤں سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے پس افتتاح کتاب اللہ بھی انہی دونوں دُعاؤں سے ہوا اور پھر اختتام کتاب اللہ بھی انہی دونوں دعاؤں پر کیا گیا۔......

[1] الجمعة : ۴ [2] الفاتحہ : ۷ [3] الفاتحہ : ۶۔۷ [4] الاخلاص ۲ تا ۵

اور یاد رہے کہ ان دونوں فتنوں کا قرآن شریف میں مفصّل بیان ہے اور سورہ فاتحہ اور آخری سورتوں میں اجمالاً ذکر ہے۔ مثلاً سورۃ فاتحہ میں دُعا ولا الضالین میں صرف دو لفظ میں سمجھایا گیا ہے کہ عیسائیت کے فتنہ سے بچنے کے لئے دُعا مانگتے رہو۔ جس سے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی فتنہ عظیم الشان درپیش ہے جس کے لئے یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ نماز کے پنجوقت میں یہ دُعا شامل کر دی گئی۔ اور یہاں تک تاکید کی گئی کہ اس کے بغیر نماز ہو نہیں سکتی۔ جیسا کہ حدیث لاصلوٰۃ الّا بالفاتحۃ سے ظاہر ہوتا ہے[+]۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں ہزارہا مذہب پھیلے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ پارسی یعنی مجوسی اور براہمہ یعنی ہندو مذہب۔ اور بُدھ مذہب جو ایک بڑے حصہ دنیا پر قبضہ رکھتا ہے اور چینی مذہب جس میں کروڑ ہا لوگ داخل ہیں اور ایسا ہی تمام بُت پرست جو تعداد میں سب مذہبوں سے زیادہ ہیں اور یہ تمام مذہب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بڑے زور و جوش سے پھیلے ہوئے تھے۔ اور عیسائی مذہب ان کے نزدیک ایسا تھا جیسا کہ ایک پہاڑ کے مقابل پر ایک تنکا۔ پھر کیا وجہ کہ سورۃ فاتحہ میں یہ دُعا نہیں سکھلائی کہ مثلاً خدا چینی مذہب کی ضلالتوں سے پناہ میں رکھے یا مجوسیوں کی ضلالتوں سے پناہ میں رکھے یا بدھ مذہب کی ضلالتوں سے پناہ میں رکھے یا آریہ مذہب کی ضلالتوں سے پناہ میں رکھے یا دوسرے بُت پرستوں کی ضلالتوں سے پناہ میں رکھے بلکہ یہ فرمایا گیا کہ تم دُعا کرتے رہو کہ عیسائی مذہب کی ضلالتوں سے محفوظ رہو۔ اس میں کیا بھید ہے؟ اور عیسائی مذہب میں کونسا عظیم الشان فتنہ آئندہ کسی زمانہ میں پیدا ہونے والا تھا جس سے بچنے کے لئے زمین کے تمام مسلمانوں کو تاکید کی گئی۔ بس سمجھو اور یاد رکھو کہ یہ دُعا خدا کے اس

+ اس جگہ ان لوگوں پر سخت افسوس آتا ہے جو کہتے ہیں کہ ہم اہل حدیث ہیں اور سورۃ فاتحہ پر ہمیشہ زور دیتے ہیں کہ اس کے بغیر نماز پوری نہیں ہوتی۔ حالانکہ سورۃ فاتحہ کا مغز مسیح موعود کی تابعداری ہے جیسا کہ متن میں ثابت کیا گیا ہے۔ منہ

علم کے مطابق ہے کہ جو اُس کو آخری زمانہ کی نسبت تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ تمام مذہب بُت پرستوں اور چینیوں اور پارسیوں اور ہندوؤں وغیرہ کے تنزل پر ہیں اور اُن کے لئے کوئی ایسا جوش نہیں دکھلایا جائیگا جو اسلام کو خطرہ میں ڈالے۔ مگر عیسائیت کے لئے وہ زمانہ آنا جاتا ہے کہ اُس کی حمایت میں بڑے بڑے جوش دکھلائے جائیں گے اور کروڑہا روپیہ سے اور ہر ایک تدبیر اور ہر ایک مکر اور حیلہ سے اُس کی ترقی کے لئے قدم اٹھایا جائے گا اور یہ تمنا کی جائے گی کہ تمام دنیا مسیح پرست ہو جائے۔ تب وہ دن اسلام کے لئے سخت دن ہونگے اور بڑے ابتلاء کے دن ہونگے۔ سو اب یہ وہی فتنہ کا زمانہ ہے جس میں تم آج ہو۔ تیرہ[۱۳۰۰] سو برس کی پیشگوئی جو سورۃ فاتحہ میں تھی آج تم میں اور تمہارے ملک میں پوری ہوئی اور اس فتنہ کی جڑ مشرق ہی نکلا۔ اور جیسا کہ اس فتنہ کا ذکر قرآن کے ابتدا میں فرمایا گیا۔ ایسا ہی قرآن شریف کے انتہا میں بھی ذکر فرما دیا تا یہ امر مؤکّد ہو کر دلوں میں بیٹھ جائے۔ ابتدائی ذکر جو سورۃ فاتحہ میں ہے وہ تو تم بار بار سُن چکے ہو۔ اور انتہائی ذکر یعنی جو قرآن شریف کے آخر میں اس فتنۂ عظیمہ کا ذکر ہے اس کی ہم کچھ اور تفصیل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ سورتیں یہ ہیں:۔

(۱۔ سورۃ) قل ھواللّٰہ احد اللّٰہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد۔[۱]

(۲۔ سورۃ) قل اعوذ برب الفلق۔ من شرّ ما خلق۔ ومن شرّ غاسق اذا وقب۔ ومن شرّ النفّٰثٰت فی العقد۔ ومن شرّ حاسدٍ اذا حسد[۲]

(۳ سورۃ) قل اعوذ برب الناس۔ ملک الناس۔ اِلٰہ الناس۔ من شرّ الوسواس الخنّاس۔ الذی یوسوس فی صدور الناس۔ من الجنّۃ والنّاس۔[۳]

ترجمہ:۔ تم اے مسلمانو! نصاریٰ سے کہو کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔ اور تم جو نصاریٰ کا فتنہ دیکھو گے اور مسیح موعود کے دشمنوں کا نشانہ بنو گے یوں دُعا

[۱] الاخلاص: ۲ تا ۵ [۲] الفلق: ۲ تا ۶ [۳] الناس: ۲ تا ۷

مانگا کرو کہ میں تمام مخلوق کے شر سے جو اندرونی اور بیرونی دشمن ہیں اس خدا کی پناہ مانگتا ہوں جو صبح کا مالک ہے۔ یعنی روشنی کا ظاہر کرنا اس کے اختیار میں ہے۔ اور میں اس اندھیری رات کے شر سے جو عیسائیت کے فتنہ اور انکار مسیح موعود کے فتنہ کی رات ہے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس وقت کے لئے یہ دعا ہے جبکہ تاریکی اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ اور میں خدا کی پناہ اُن زن مزاج لوگوں کی شرارت سے مانگتا ہوں جو گنڈوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکتے ہیں (یعنی جو عقدے شریعت محمدیہ میں قابل حل ہیں اور جو ایسے مشکلات اور معضلات ہیں جن پر جاہل مخالف اعتراض کرتے ہیں اور ذریعہ تکذیب دین ٹھیراتے ہیں اُن پر اور بھی عناد کی وجہ سے پھونکیں مارتے ہیں یعنی شریر لوگ اسلامی دقیق مسائل کو جو ایک عقدہ کی شکل پر ہیں دھوکہ دہی کے طور پر ایک پیچیدہ اعتراض کی صورت پر بنا دیتے ہیں تا لوگوں کو گمراہ کریں۔ اُن نظری اُمور پر اپنی طرف سے کچھ حاشیے لگا دیتے ہیں اور یہ لوگ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو صریح مخالف اور دشمن دین ہیں جیسے پادری جو ایسی تراش خراش سے اعتراض بناتے رہتے ہیں۔ اور دوسرے وہ علمائے اسلام ہیں جو اپنی غلطی کو چھوڑنا نہیں چاہتے اور نفسانی پھونکوں سے خدا کے فطری دین میں عقدے پیدا کر دیتے ہیں اور زنانہ خصلت رکھتے ہیں کہ کسی مرد خدا کے سامنے میدان میں نہیں آسکتے صرف اپنے اعتراضات کو تحریف تبدیل کی پھونکوں سے عقدہ لاینحل کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح پر زیادہ تر مشکلات خدا کے مصلح کی راہ میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ قرآن کے مکذّب ہیں کہ اس کی منشاء کے برخلاف اصرار کرتے ہیں۔ اور اپنے ایسے افعال سے جو مخالف قرآن ہیں اور دشمنوں کے عقائد سے ہمرنگ ہیں دشمنوں کو مدد دیتے ہیں۔ پس اس طرح اُن عقدوں میں پھونک مار کر انکو لاینحل بنانا چاہتے ہیں۔ پس ہم ان کی شرارتوں سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں اور نیز ہم ان لوگوں کی شرارتوں سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں جو حسد کرتے اور حسد کے طریقے سوچتے ہیں اور ہم اس وقت سے پناہ مانگتے ہیں جب وہ حسد کرنے لگیں۔ اور کہو کہ تم یوں دُعا مانگا کرو کہ ہم وسوسہ انداز

شیطان کے وسوسوں سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے اور اُن کو دین سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے کبھی بطور خود اور کبھی کسی انسان میں ہو کر۔ خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ وہ خدا جو انسانوں کا پروردہ ہے انسانوں کا بادشاہ ہے انسانوں کا خدا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک زمانہ آنے والا ہے جو اُس میں نہ ہمدردی انسانی رہے گی۔ جو پرورش کی جڑ ہے اور نہ سچا انصاف رہے گا جو بادشاہت کی شرط ہے۔ تب اُس زمانہ میں خدا ہی خدا ہوگا جو مصیبت زدوں کا مرجع ہوگا۔ یہ تمام کلمات آخری زمانہ کی طرف اشارات ہیں جبکہ امان اور امانت دنیا سے اُٹھ جائے گی۔ غرض قرآن نے اپنے اوّل میں بھی مغضوب علیھم اور ضالین کا ذکر فرمایا ہے اور اپنے آخر میں بھی جیسا کہ آیت لم یلد ولم یولد بصراحت اس پر دلالت کر رہی ہے اور یہ تمام اہتمام تاکید کے لئے کیا گیا اور نیز اس لئے کہ تا مسیح موعود اور غلبۂ نصرانیت کی پیشگوئی نظری نہ رہے اور آفتاب کی طرح چمک اُٹھے۔ یاد رہے کہ قرآن شریف کے ایک موقعہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ مسیح کو جو انسان ہے خدا کر کے ماننا یہ امر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا گراں اور اُس کے غضب کا موجب ہے کہ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں۔ پس یہ بھی مخفی طور پر اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ جب دنیا خاتمہ کے قریب آجائیگی تو یہی مذہب ہے جس کی وجہ سے انسانوں کی زندگی کی صف لپیٹ دی جائے گی۔ اس آیت سے بھی یقینی طور پر سمجھا جاتا ہے کہ گو کیسا ہی اسلام غالب ہو اور گو تمام ملّتیں ایک ہلاک شدہ جانور کی طرح ہو جائیں لیکن یہ مقدر ہے کہ قیامت تک عیسائیت کی نسل منقطع نہیں ہوگی بلکہ بڑھتی جائے گی اور ایسے لوگ بکثرت پائے جائیں گے کہ جو بہائم کی طرح بغیر سوچنے سمجھنے کے حضرت مسیح کو خدا جانتے رہیں گے یہاں تک کہ اُن پر قیامت برپا ہو جائے گی۔ یہ قرآن شریف کی آیت کا ترجمہ اور اس کا منشا ہے۔ ہماری طرف سے نہیں۔ پس ہمارے مخالف مسلمانوں کا یہ عقیدہ

ص۹۲

کہ آخری زمانہ میں ایک خونی مہدی ظاہر ہوگا اور وہ تمام عیسائیوں کو ہلاک کر دیگا اور زمین کو خون سے بھر دیگا اور جہاد ختم نہیں ہوگا جب تک وہ ظاہر نہ ہو۔ اور اپنی تلوار سے ایک دنیا کو ہلاک نہ کرے۔ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں جو قرآن کے نص صریح والقینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ[1] سے مخالف اور منافی ہیں ہر ایک مسلمان کو چاہیئے کہ ان باتوں پر ہرگز اعتقاد نہ رکھے بلکہ جہاد اب قطعاً حرام ہے اُسی وقت تک جہاد تھا کہ جب اسلام پر مذہب کے لئے تلوار اُٹھائی جاتی تھی۔ اب خود بخود ایک ایسی ہوا چلی ہے جو ہر ایک فریق اس کارروائی کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے جو مذہب کے لئے خون کیا جائے۔ پہلے زمانوں میں صرف مسلمانوں میں ہی جہاد نہیں تھا بلکہ عیسائیوں میں بھی جہاد تھا اور انہوں نے بھی مذہب کے لئے ہزارہا بندگان خدا کو اس دنیا سے رخصت کر دیا تھا مگر اب وہ لوگ بھی ان بیجا کارروائیوں سے کنارہ کش ہو گئے ہیں اور عام طور پر تمام لوگوں میں عقل اور تہذیب اور شائستگی آگئی ہے اس لئے مناسب ہے کہ اب مسلمان بھی جہاد کی تلوار کو توڑ کر کلبہ رانی کے ہتھیار بنا لیں۔ کیونکہ مسیح موعود آگیا اور اب تمام جنگوں کا خاتمہ زمین پر ہو گیا۔ ہاں آسمانی جنگ ابھی باقی ہیں جو معجزات اور نشانوں کے ساتھ ہونگے نہ تلوار اور بندوق کے ساتھ اور وہی حقیقی جنگ ہیں جن سے ایمان قوی ہوتے ہیں اور نور یقین بڑھتا ہے ورنہ تلوار کا جنگ ایسا جائے اعتراض ہے کہ اگر اسلام کے صدر اور ابتدائی حالت میں یہ عذر اہل اسلام کے ہاتھ میں نہ ہوتا کہ وہ مخالفوں کے بیجا حملوں سے پیسے گئے اور نابود ہونے تک پہنچ گئے تب تلوار اٹھائی گئی تو بغیر اس عذر کے اسلام پر جہاد کا ایک داغ ہوتا۔ خدا اُن بزرگوں اور راستبازوں پر ہزاراں ہزار رحمت کی بارش کرے جنہوں نے موت کا پیالہ پینے کے بعد پھر اپنی ذریت اور اسلام کے بقا کے لئے وہی پیالہ دشمنوں کا

[1] المائدۃ: ۶۵

اُن کو واپس کیا۔ مگر اب مسلمانوں پر کونسی مصیبت ہے اور کون اُن کو ہلاک کر رہا ہے کہ وہ بیجا طور پر تلوار اٹھاتے ہیں اور دلوں میں جہاد کی خواہش رکھتے ہیں۔ انہی مخفی خواہشوں کی وجہ سے جو اکثر مولویوں کے دلوں میں ہیں آئے دن سرحد میں بے گناہ لوگوں کے خون ہوتے ہیں۔ یہ خون کس گروہ کی گردن پر ہیں؟ مَیں بے دھڑک کہونگا کہ انہی مولویوں کی گردن پر جو اخلاص سے اس بدعت کو دُور کرنے کے لئے پوری کوشش نہیں کرتے۔

اس جگہ ایک بات کسی قدر زیادہ تفصیل کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے تمام مسلمانوں کو سورۃ فاتحہ میں یہ دُعا سکھلائی ہے کہ وہ اس فریق کی راہ خدا تعالیٰ سے طلب کرتے رہیں جو منعم علیہم کا فریق ہے اور اور منعم علیہم کے کامل طور پر مصداق باعتبار کثرت کمیّت اور صفائی کیفیت اور نعمائے حضرت احدیت از روئے نص صریح قرآنی اور احادیث متواترہ حضرت مرسل یزدانی دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ صحابہ اور دوسرا گروہ جماعت مسیح موعود۔ کیونکہ یہ دونوں گروہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کے تربیت یافتہ ہیں کسی اپنے اجتہاد کے محتاج نہیں وجہ یہ کہ پہلے گروہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم موجود تھے جو خدا سے براہ راست ہدایت پاکر وہی ہدایت نبوت کی پاک توجہ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں ڈالتے تھے اور ان کے لئے مربّی بے واسطہ تھے۔ اور دوسرے گروہ میں مسیح موعود ہے۔ جو خدا سے الہام پاتا اور حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے فیض اٹھاتا ہے۔ لہٰذا اس کی جماعت بھی اجتہاد خشک کی محتاج نہیں ہے۔ جیسا کہ آیت وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ[1] سے سمجھا جاتا ہے۔ اور درمیانی گروہ جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج کے نام سے موسوم کیا ہے اور جنکی نسبت

[1] الجمعۃ: ۴

فرمایا ہے لیسوا منی ولست منھم ؎۔ یعنی وہ لوگ مجھ میں سے نہیں ہیں۔ اور نہ
مَیں اُن میں سے ہوں۔ یہ گروہ حقیقی طور پر منعم علیہم نہیں ہیں۔ اور اگرچہ زمانہ فیج اعوج
میں بھی جماعت کثیر گمراہوں کے مقابل نیک اور اہل اللہ اور ہر صدی کے سر پر مجدّد بھی
ہوتے رہے ہیں لیکن حسب منطوق آیت ثلۃ من الاولین وثلۃ من الاٰخرین[1] خالص
محمدی گروہ جو ہر ایک پلید ملونی اور آمیزش سے پاک اور توبہ نصوح سے غسل دیئے ہوئے
ایمان اور دقائق عرفان اور علم اور عمل اور تقوٰی کے لحاظ سے ایک کثیر التعداد جماعت ہے
یہ اسلام میں صرف دو گروہ ہیں یعنی گروہ اوّلین و گروہ آخرین جو صحابہ اور مسیح موعود کی

؎ اس حدیث کا یہ فقرہ جو لیسوا منی ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ وہ لوگ مجھ میں سے نہیں ہیں یہی لفظ
یعنی منّی مہدیٔ معہود کیلئے اس حدیث میں بھی وارد ہے جس کو ابو داؤد اپنی کتاب میں لایا ہے۔ اور
وہ یہ ہے لو لم یبق من الدنیا الا یوم لطول اللہ ذالک الیوم حتّی یبعث فیہ رجلاً منّی
یعنی اگر دنیا میں سے صرف ایک دن باقی ہوگا تو خدا اس دن کو لمبا کر دیگا جبتک کہ ایک انسان
یعنی مہدی کو ظاہر کرے جو مجھ میں سے ہوگا یعنی میرے صفات اور اخلاق لیکر آئیگا۔ ظاہر ہے کہ اسجگہ منّی کے
لفظ سے قریشی ہونا مراد نہیں ورنہ یہ حدیث صرف مہدی کا قریشی ہونا ظاہر کرتی اور کسی عالی مفہوم پر
مشتمل نہ ہوتی لیکن جس طرز سے ہم نے لفظ منّی کے معنے مراد لئے ہیں یعنی آنحضرتؐ کے اخلاق اور کمالات اور معجزات
اور کلام معجز نظام کا ظلّی طور پر وارث ہونا اس سے صریح ثابت ہوتا ہے کہ مہدی افراد کاملہ میں سے
اور اپنے کمالات اخلاق میں ظل النّبی ہے اور یہی عظیم الشان اشارہ ہے جو منّی کے لفظ سے
نکلتا ہے ورنہ جسمانی طور پر یعنی محض قریشی ہونے سے کچھ عظمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس صورت
میں ایک بے دین اور بد عاقبت آدمی بھی اس لفظ کا مصداق ہو سکتا ہے۔ غرض منّی کے لفظ
سے قریش سمجھنا محض بیہودہ ہے۔ ورنہ لازم آتا ہے کہ جو لوگ حدیث لیسوا منّی کے نیچے ہیں اُن
سے تمام وہ لوگ مراد ہوں جو قریشی نہیں ہیں اور یہ معنے صریح فاسد ہیں۔ منہ

[1] الواقعۃ : ۴۰ - ۴۱

جماعت سے مراد ہے۔ اور چونکہ حکم کثرت مقدار اور کمال صفائی انوار پر ہوتا ہے اسلئے اس سورۃ میں انعمت علیھم کے فقرہ سے مراد یہی دونوں گروہ ہیں یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مع اپنی جماعت کے اور مسیح موعود معہ اپنی جماعت کے۔ خلاصہ کلام یہ کہ خدا نے ابتدا سے اس اُمت میں دو گروہ ہی تجویز فرمائے ہیں اور انہی کی طرف سورۃ فاتحہ کے فقرہ انعمت علیھم میں اشارہ ہے (۱) ایک اوّلین جو جماعت نبوی ہے (۲) دوسرے آخرین جو جماعت مسیح موعود ہے۔ اور افراد کاملہ جو درمیانی زمانہ میں ہیں جو فیج اعوج کے نام سے موسوم ہے جو بوجہ اپنی کمی مقدار اور کثرت اشرار و فجّار و ہجوم افواج بدمذاہب و بدعقائد و بداعمال شاذ و نادر کے حکم میں سمجھے گئے گو دوسرے فرقوں کی نسبت درمیانی زمانہ کے صلحائے اُمت محمدیہ بھی باوجود طوفان بدعات کے ایک دریائے عظیم کی طرح ہیں۔ بہرحال خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کا علم جس میں غلطی کو راہ نہیں یہی بتلاتا ہے کہ درمیانی زمانہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بلکہ تمام خیر القرون کے زمانہ سے بعد میں ہے اور مسیح موعود کے زمانہ سے پہلے ہے یہ زمانہ فیج اعوج کا زمانہ ہے یعنی ٹیڑھے گروہ کا زمانہ جس میں خیر نہیں مگر شاذ و نادر۔ یہی فیج اعوج کا زمانہ ہے جس کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے لیسوا منی ولست منھم۔ یعنی نہ یہ لوگ مجھ میں سے ہیں اور نہ مَیں ان میں سے ہوں یعنی مجھے اُن سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ یہی زمانہ ہے جس میں ہزارہا بدعات اور بے شمار ناپاک رسومات اور ہر ایک قسم کے شرک خدا کی ذات اور صفات اور افعال میں اور گروہ در گروہ پلید مذہب جو تہتّر تک پہنچ گئے پیدا ہو گئے اور اسلام جو بہشتی زندگی کا نمونہ لیکر آیا تھا اس قدر ناپاکیوں سے بھر گیا جیسے ایک سڑی ہوئی اور پُر نجاست زمین ہوتی ہے اس فیج اعوج کی مذمت میں وہ الفاظ کافی ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے اس کی تعریف میں نکلے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی دوسرا انسان

اِس فیج اعوج کے زمانہ کی بدی کیا بیان کرے گا۔ اُسی زمانہ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زمین جور اور ظلم سے بھر جائیگی۔ لیکن مسیح موعود کا زمانہ جس سے مراد چودھویں صدی من اوّلہ الی آخرہ ہے اور نیز کچھ اور حصّہ زمانہ کا جو خیر القرون سے برابر اور فیج اعوج کے زمانہ سے بالاتر ہے۔ یہ ایک ایسا مبارک زمانہ ہے کہ فضل اور جود الٰہی نے مقدر کر رکھا ہے کہ یہ زمانہ پھر لوگوں کو صحابہ کے رنگ میں لائے گا اور آسمان سے کچھ ایسی ہوا چلے گی کہ یہ تہتّر فرقے مسلمانوں کے جن میں سے بجز ایک کے سب عار اسلام اور بدنام کنندہ اس پاک چشمہ کے ہیں خود بخود کم ہوتے جائیں گے۔ اور تمام ناپاک فرقے جو اسلام میں مگر اسلام کی حقیقت کے منافی ہیں صفحہ زمین سے نابود ہو کر ایک ہی فرقہ رہ جائے گا جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے رنگ پر ہوگا۔ اب ہر ایک انسان سوچ سکتا ہے کہ اس وقت ٹھیک ٹھیک قرآن پر چلنے والے فرقے مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سے کس قدر کم ہیں۔ جو مسلمانوں کے تہتر گروہ میں سے صرف ایک گروہ ہے اور پھر اس میں سے بھی وہ لوگ جو درحقیقت تمام اقسام ہوا اور نفس اور خلق سے منقطع ہو کر محض خدا کے ہو گئے ہیں اور ان کے اعمال اور اقوال اور حرکات اور سکنات اور نیّات اور خطرات میں کوئی طونی خباثت کی باقی نہیں ہے وہ کس قدر اس زمانہ میں کبریت احمر کے حکم میں ہیں۔ غرض تمام مفاسد کی تفصیلات کو زیر نظر رکھ کر بخوبی سمجھ آسکتا ہے کہ درحقیقت موجودہ حالت اسلام کی کسی خوشی کے لائق نہیں اور وہ بہت سے مفاسد کا مجموعہ ہو رہا ہے اور اسلام کے ہر ایک فرقہ کو ہزارہا کیڑے بدعات اور افراط اور تفریط اور خطا اور بیبا کی اور شوخی کے چمٹ رہے ہیں اور اسلام میں بہت سے مذہب ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ جو اسلام کا دعویٰ کرکے پھر اسلام کے مقاصد توحید تقویٰ و تہذیب اخلاق و اتباع نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن ہیں۔ غرض یہ وجوہ ہیں جن کے رو سے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ثلّۃ من الاوّلین وثلّۃ من الآخرین[1]۔ یعنی ابرار اخیار کے بڑے گروہ جن کے ساتھ بد مذاہب کی آمیزش نہیں وہ دو ہی ہیں۔ ایک پہلوں کی جماعت یعنی صحابہ کی جماعت

۸۲

[1] الواقعۃ: ۴۰-۴۱

جو زیر تربیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ دوسری پچھلوں کی جماعت جو بوجہ تربیت رُوحانی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جیسا کہ آیت وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ سے سمجھا جاتا ہے صحابہ کے رنگ میں ہیں۔ یہی دو جماعتیں اسلام میں حقیقی طور پر منعم علیہم ہیں اور خدائے تعالیٰ کا انعام اُن پر یہ ہے کہ اُن کو انواع و اقسام کی غلطیوں اور بدعات سے نجات دی ہے۔ اور ہر ایک قسم کے شرک سے ان کو پاک کیا ہے اور خالص اور روشن توحید ان کو عطا فرمائی ہے جس میں نہ دجّال کو خدا بنایا جاتا ہے اور نہ ابن مریم کو خدائی صفات کا شریک ٹھیرایا جاتا ہے اور اپنے نشانوں سے اس جماعت کے ایمان کو قوی کیا ہے اور اپنے ہاتھ سے ان کو ایک پاک گروہ بنایا ہے۔ ان میں سے جو لوگ خدا کا الہام پانے والے اور خدا کے خاص جذبہ سے اس کی طرف کھینچے ہوئے ہیں نبیوں کے رنگ میں ہیں اور جو لوگ اُن میں سے بذریعہ اپنے اعمال کے صدق اور اخلاص دکھلانے والے اور ذاتی محبت سے بغیر کسی غرض کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں وہ صدیقوں کے رنگ میں ہیں اور جو لوگ اُن میں سے آخری نعمتوں کی امید پر دُکھ اُٹھانے والے اور جزا کے دن کا بچشم دل مشاہدہ کرکے جان کو ہتھیلی پر رکھنے والے ہیں وہ شہیدوں کے رنگ میں ہیں۔ اور جو لوگ اُن میں سے ہر ایک فساد سے باز رہنے والے ہیں وہ صلحاء کے رنگ میں ہیں اور یہی سچے مسلمان کا مقصود بالذات ہے کہ ان مقامات کو طلب کرے اور جب تک حاصل نہ ہوں تب تک طلب اور تلاش میں سُست نہ ہو اور وہ دو گروہ جو ان لوگوں کے مقابل پر بیان فرمائے گئے ہیں وہ مغضوب علیہم اور ضالین ہیں جن سے محفوظ رہنے کے لئے خدا تعالیٰ سے اِسی سورۃ فاتحہ میں دُعا مانگی گئی ہے اور یہ دُعا جس وقت اکٹھی پڑھی جاتی ہے یعنی اس طرح پر کہا جاتا ہے کہ اے خدا ہمیں منعم علیہم میں داخل کر اور مغضوب علیہم اور ضالین سے بچا تو اُس وقت صاف سمجھ آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے علم میں منعم علیہم میں سے ایک وہ فریق ہے جو مغضوب علیہم اور ضالین کا ہمعصر ہے اور جبکہ مغضوب علیہم سے مراد

اس سورۃ میں بالیقین وہ لوگ ہیں جو مسیح موعود سے انکار کرنے والے اور اس کی تکفیر اور تکذیب اور توہین کرنے والے ہیں تو بلاشبہ اُن کے مقابل پر منعم علیہم سے وہی لوگ اسجگہ مراد رکھے گئے ہیں جو صدق دل سے مسیح موعود پر ایمان لانے والے اور اُس کی دل سے تعظیم کرنے والے اور اس کے انصار ہیں اور دُنیا کے سامنے اسکی گواہی دیتے ہیں۔ رہے ضالین پس جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت✠ اور تمام اکابر اسلام کی شہادت سے ضالین سے مراد عیسائی ہیں اور ضالین سے پناہ مانگنے کی دُعا بھی ایک پیشگوئی کے رنگ میں ہے۔ کیونکہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عیسائیوں کا کچھ بھی زور نہ تھا بلکہ فارسیوں کی سلطنت بڑی قوت اور شوکت میں تھی۔ اور مذاہب میں سے تعداد کے لحاظ سے بدھ مذہب دُنیا میں تمام مذاہب سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ اور مجوسیوں کا مذہب بھی بہت زور و جوش میں تھا

۸۳

✠ بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سورۃ فاتحہ میں المغضوب علیہم سے مراد یہود اور الضالین سے مراد نصاریٰ ہیں دیکھو کتاب درمنثور صفحہ نمبر۹۔ اور عبدالرزاق اور احمد نے اپنی مسند میں اور عبد ابن حمید اور ابن جریر اور بغوی نے معجم الصحابہ میں اور ابن منذر اور ابوالشیخ نے عبداللہ بن شقیق سے روایت کی ہے۔ قال اخبرنی من سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو بوادی القریٰ علی فرس لہ و سالہ رجل من بنی القین فقال من المغضوب علیھم یارسول اللہ۔ قال الیہود۔ قال فمن الضالون۔ قال النصاریٰ۔ یعنی کہا کہ مجھے اس شخص نے خبر دی ہے جس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا جبکہ آپ وادی قریٰ میں گھوڑے پر سوار تھے کہ بنی قین میں سے ایک شخص نے آنحضرت سے سوال کیا کہ سورۃ فاتحہ میں مغضوب علیہم سے کون مراد ہے۔ فرمایا کہ یہود۔ پھر سوال کیا کہ ضالین سے کون مراد ہے۔ فرمایا کہ نصاریٰ۔ درمنثور صفحہ نمبر ۱۷۔ منہ

اور ہندو بھی علاوہ قومی اتفاق کے بڑی شوکت اور سلطنت اور جمعیت رکھتے تھے۔ اور چینی بھی اپنی تمام طاقتوں میں بھرے ہوئے تھے تو پھر اسجگہ طبعاً یہ سوال ہوتا ہے کہ یہ تمام قدیم مذاہب جن کی بہت پُرانی اور زبردست سلطنتیں تھیں اور جن کی حالتیں قومی اتفاق اور دولت اور طاقت اور قدامت اور دوسرے اسباب کی رُو سے بہت ترقی پر تھیں اُن کے شر سے بچنے کے لئے کیوں دُعا نہیں سکھلائی؟ اور عیسائی قوم جو اُس وقت نسبتی طور پر ایک کمزور قوم تھی کیوں اُن کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے دُعا سکھلائی گئی؟ اس سوال کا یہی جواب ہے جو بخوبی یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ کے علم میں یہ مقدر تھا کہ یہ قوم روز بروز ترقی کرتی جائیگی یہاں تک کہ تمام دنیا میں پھیل جائیگی اور اپنے مذہب میں داخل کرنے کے لئے ہر ایک تدبیر سے زور لگائینگے اور کیا علمی سلسلہ کے رنگ میں اور کیا مالی ترغیبوں سے اور کیا اخلاق اور شیرینی کلام دکھلانے سے اور کیا دولت اور شوکت کی چمک سے اور کیا نفسانی شہوات اور اباحت اور بے قیدی کے ذرائع سے اور کیا نکتہ چینیوں اور اعتراضات کے ذریعہ سے اور کیا بیماروں اور ناداروں اور درماندوں اور یتیموں کا متکفل بننے سے ناخنوں تک یہ کوشش کرینگے کہ کسی بدقسمت نادان یا لالچی یا شہوت پرست یا جاہ طلب یا بیکس یا کسی بچہ بے پدر و مادر کو اپنے قبضہ میں لاکر اپنے مذہب میں داخل کریں سو اسلام کے لئے یہ ایک ایسا فتنہ تھا کہ کبھی اسلام کی آنکھ نے اس کی نظیر نہیں دیکھی اور اسلام کے لئے یہ ایک عظیم الشان ابتلا تھا جس سے لاکھوں انسانوں کے ہلاک ہو جانے کی امید تھی۔ اس لئے خدا نے سورۃ فاتحہ میں جس سے قرآن کا افتتاح ہوتا ہے اس مہلک فتنہ سے بچنے کے لئے دُعا سکھلائی۔ اور یاد رہے کہ قرآن شریف میں یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جس کی نظیر اَور کوئی پیشگوئی نہیں کیونکہ اگرچہ قرآن شریف میں اور بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو اس ہمارے زمانہ میں پوری ہوگئی ہیں

جیسے اجتماع کسوف قمر و شمس کی پیشگوئی جو آیت جمع الشمس والقمر[1] سے معلوم ہوتی ہے۔ اونٹوں کے بیکار ہونے اور مکہ اور مدینہ میں ریل جاری ہونے کی پیشگوئی جو آیت واذا العشار عطلت[2] سے صاف طور پر سمجھی جاتی ہے لیکن اس پیشگوئی کے مشہور کرنے اور ہمیشہ امت کے پیش نظر رکھنے میں سب سے زیادہ خدا تعالیٰ نے اہتمام فرمایا ہے کیونکہ اس سورۃ میں یعنی سورۃ فاتحہ میں بطور دعا اسے تعلیم فرمایا ہے جس کو پنجوقت کروڑہا مسلمان اپنے فرائض اور نمازوں میں پڑھتے ہیں اور ممکن نہیں کہ زیرک مسلمانوں کے دلوں میں اس جگہ یہ خیال نہ گذرے کہ جس حالت میں اس زمانہ کے عام مسلمانوں کے خیال کے موافق اس امت کے لئے دجال کا فتنہ سب فتنوں سے بڑھکر ہے جس کی نظیر حضرت آدم سے دنیا کے آخیر تک کوئی نہیں تو خدا تعالیٰ نے ایسی عظیم الشان دعا میں جو بوجہ کثرت تکرار و دائمی مناجات اوقات متبرکہ اکثر احتمال قبولیت کا رکھتی ہے اس بزرگ فتنہ کا ذکر کیوں چھوڑ دیا اس طرح پر سورہ فاتحہ میں دعا کیوں نہ سکھلائی کہ غیر المغضوب علیھم ولا الدجال۔ اس کا جواب یہی ہے کہ دجال کوئی علیحدہ فرقہ نہیں ہے اور نہ کوئی ایسا شخص ہے کہ جو عیسائیوں اور مسلمانوں کو پامال کر کے دنیا کا مالک ہو جائیگا ایسا خیال کرنا قرآن شریف کی تعلیم کے مخالف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ[3] یعنی اے عیسیٰ خدا تیرے حقیقی تابعین کو جو مسلمان ہیں اور ادعائی تابعین کو جو عیسائی ہیں ادعائی طور پر قیامت تک ان لوگوں پر غالب رکھے گا جو تیرے دشمن اور منکر اور مکذب ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ہمارے مخالف مولویوں کا دجال مفروض بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا منکر ہوگا۔ پس اگر عیسائیوں اور مسلمانوں پر اُس کو غالب کیا گیا۔ اور تمام زمین کی عنان سلطنت اور حکومت اُس کے ہاتھ میں دی گئی تو اس سے قرآن شریف کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اور نہ صرف ایک پہلو سے بلکہ نعوذ باللہ دو پہلو سے خدا تعالیٰ کا کلام جھوٹا ٹھیرتا ہے

[1] القیامۃ: ۱۰ [2] التکویر: ۵ [3] آل عمران: ۵۶

(۱) ایک یہ کہ جن قوموں کے قیامت تک غالب اور حکمران رہنے کا وعدہ تھا وہ اِس صورت میں غالب اور حکمران نہیں رہیں گے (۲) دوسرے یہ کہ جن دوسری قوموں کے مغلوب ہونے کا وعدہ تھا وہ غالب ہو جائیں گے اور مغلوب نہ رہیں گے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اگرچہ ان قوموں کی سلطنت اور قوت اور دولت قیامت تک قائم رہے گی اور ہم اس کو قبول کرتے ہیں مگر دجّال بھی کسی چھوٹے سے راجہ یا رئیس کی طرح دس بیس یا سو پچاس گاؤں کا والی اور فرمانروا بن جائیگا تو یہ قول بھی ایسا ہی قرآن شریف کے مخالف ہے جیسا کہ پہلا قول مخالف ہے کیونکہ جب کہ دجّال تمام انبیاء علیہم السلام کا اس قدر دشمن ہے کہ ان کو مفتری سمجھتا ہے اور خود خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو بموجب منطوق آیت کے چاہیئے تھا کہ ایک ساعت کے لئے بھی وہ خودسر حاکم نہ بنایا جاتا تا مضمون فوق الذین کفروا میں کچھ حرج اور خلل عائد نہ ہوتا۔ ماسوا اِس کے جب کہ یہ مانا گیا ہے کہ بجز حرمین شریفین کے ہر ایک ملک میں دجّال کی سلطنت قائم ہوجائیگی تو پھر آیت وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ[1] دجّال کی عام سلطنت کی صورت میں کیونکر سچی رہ سکتی ہے بلکہ دجّالی سلطنت کے قائم ہونے سے تو ماننا پڑتا ہے کہ جو حضرت مسیح کے تابعین کے لئے فوقیت اور غالبیت کا دائمی وعدہ تھا وہ چالیس برس تک دجّال کی طرف منتقل ہو جائیگا۔ جو شخص قرآن شریف کو خدا کا کلام اور سچّا مانتا ہے وہ تو اس بات کو صریح کفر سمجھے گا کہ ایسا عقیدہ رکھا جائے جس سے خدا تعالیٰ کی پاک کلام کی تکذیب لازم آتی ہے۔ تم آپ ہی فکر کرو اور سوچو کہ جبکہ بموجب آیت وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ[2] ہمارا یہ ایمان ہونا چاہیئے کہ قیامت تک دولت اور سلطنت مسلمانوں اور عیسائیوں میں قائم رہے گی اور وہ لوگ جو حضرت مسیح کے منکر ہیں وہ کبھی بلادِ اسلامیہ کے مالک اور بادشاہ نہیں بنیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائیگی تو اس صورت میں دجّال کی کہاں گنجائش ہے؟ قرآن کو چھوڑنا اور ایسی حدیث کو پکڑنا جو اس کے صریح منطوق کے مخالف ہے اور محض ایک ظنّی امر ہے کیا یہی

[1] [2] آل عمران: ۵۶

اسلام ہے؟ اور اگر یہ سوال ہو کہ جب کہ دجّال کا بھی حدیثوں میں ذکر پایا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں ظاہر ہوگا اور پہلے نبوت کا دعویٰ کرے گا اور پھر خدائی کا دعویدار بن جائے گا تو اس حدیث کی ہم کیا تاویل کریں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اب تمہاری تاویل کی کچھ ضرورت نہیں۔ واقعات کے ظہور نے خود اس حدیث کے معنے کھول دیئے ہیں یعنی یہ حدیث ایک ایسی قوم کی طرف اشارہ کرتی ہے جو اپنے افعال سے دکھلادیں گے کہ انہوں نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا ہے اور خدائی کا دعویٰ بھی۔ نبوت کا دعویٰ اس طرح پر کہ وہ لوگ خدا تعالیٰ کی کتابوں میں اپنی تحریف اور تبدیل اور انواع واقسام کی بیجا دست اندازیوں سے جو نہایت جرأت اور بیباکی اور شوخی سے ہونگی اسقدر دخل دینگے اور اسقدر اپنی طرف سے تصرّفات کرینگے اور ترجموں کو عمدًا بگاڑینگے کہ گویا وہ خود نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ پس یہ تو نبوت کا دعویٰ ہوا۔ اب خدائی کے دعوے کی بھی تشریح سُنیئے اور وہ یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ لوگ ایجاد اور صنعت اور خدائی کے کاموں کی کُنہ معلوم کرنے میں اور اس دُھن میں کہ الوہیت کے ہر ایک کام اور صنعت کی نقل اُتارلیں اسقدر حریص ہونگے کہ گویا وہ خدائی کا دعویٰ کر رہے ہیں۔✠ وہ چاہیں گے کہ مثلاً کسی طرح بارش

✠ ربوبیت کی عظمت اور الوہیت کے جلال اور صفات باری کی وحدانیت کو ملحوظ رکھ کر انکسار اور ادب عبودیت کے ساتھ ایجاد اور صنعت کی طرف بقدر اعتدال مشغول ہونا یہ اَور امر ہے مگر شوخی اور تکبّر کو اپنے دماغ میں جگہ دیکر اور قضاء وقدر کے سلسلہ پر ٹھٹھا مار کر خدا کے پہلو میں اپنی انانیت کو کسی فعل ایجاد وغیرہ سے ظاہر کرنا یہی دجّالیت ہے۔ اور دجّال کے لفظ سے ہماری وہ مراد نہیں ہے جو حال کے مولوی مراد لیتے ہیں اور اُس کو ایسا شخص سمجھتے ہیں جس سے وہ لڑائیاں کرینگے کیونکہ ہمارے نزدیک دجّال ہو یا کوئی ہو اُس سے دین کیلئے لڑائی کرنا منع ہے۔ ہریک مخلوق سے سچی ہمدردی چاہیئے۔ اور لڑائی کے خیالات سب باطل ہیں اور دجّال سے مراد صرف وہ فرقہ ہے جو کلام الٰہی میں تحریف کرتے ہیں یا دہریہ کے رنگ میں خدا سے لاپروا ہیں۔ اور اس لفظ میں کوئی اور خطرناک مفہوم مخفی نہیں ہے بلکہ یہ لفظ محرّف کے لفظ یا دہریہ کے لفظ سے مترادف ہے۔ منہ

کرنا اور بارش کو بند کر دینا اور پانی بکثرت پیدا کرنا اور پانی کو خشک کر دینا۔ اور ہوا کا چلانا اور ہوا کو بند کر دینا۔ اور کانوں کے ہر ایک قسم کے جواہر کو اپنی دستکاری سے پیدا کرلینا۔ غرض مخلوقات کے تمام افعال طبعیہ پر قبضہ کر لینا۔ یہاں تک کہ انسانی نطفہ کو بھی پچکاری کے ذریعہ سے جس رحم میں چاہیں ڈال دینا اور اس سے حمل ٹھہرانے کیلئے کامیاب ہو جانا اور کسی طور سے مُردوں کو زندہ کر دینا اور عمروں کو بڑھا دینا۔ اور غیب کی باتیں معلوم کر لینا اور تمام نظام طبعی پر تصرف تام کر لینا اُن کے ہاتھ میں آجائے اور کوئی بات اُن کے آگے انہونی نہ ہو۔ پس جبکہ ادب ربوبیت اور عظمتِ الوہیت اُن کے دلوں پر سے بکلّی اُٹھ جائیگی اور خدائی تقدیروں کو ٹالنے کے لئے بالمقابل جنگ کرنے والے کی طرح تدابیر اور اسباب تلاش کرتے رہیں گے تو وہ آسمان پر ایسے ہی سمجھے جائیں گے کہ گویا وہ خدائی کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ اور مجھے اُس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہی معنے حق ہیں۔ اور جو دجّال کی آنکھوں کی نسبت حدیثوں میں آیا ہے کہ ایک آنکھ اُس کی بالکل اندھی ہوگی اور ایک میں پھُولا ہوگا۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ گروہ جو دجّالی صفات سے موسوم ہوگا اُس کا یہ حال ہوگا کہ ایک آنکھ اُس کی تو کم دیکھے گی اور حقائق کے چہرے اُس کو دھندلے نظر آئیں گے مگر دوسری آنکھ بالکل اندھی ہوگی۔ وہ کچھ بھی دیکھ نہیں سکیگی۔ جیساکہ یہ قوم جو نظر کے سامنے ہے توریت پر تو کسی قدر ایمان لاتی ہے گو ناقص اور غلط طور پر مگر قرآن شریف کو دیکھ نہیں سکتے گویا اُنکی ایک آنکھ میں انگور کے دانے کی طرح ٹینٹ پڑا ہوا ہے مگر دوسری آنکھ جس سے قرآن شریف کو دیکھنا تھا بالکل اندھی ہے۔ یہ کشفی رنگ میں دجّال کی صورت ہے اور اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ لوگ خدا تعالیٰ کی آخری کتاب کو بالکل شناخت نہیں کرینگے۔ اور ظاہر ہے کہ اِس تاویل کی رو سے جو بالکل معقول اور قرین قیاس ہے کسی نئے دجّال کی تلاش کی ضرورت نہیں بلکہ جس گروہ نے قرآن شریف کی تکذیب کی اور جن کو خدا نے کتاب دی۔ اور پھر

ص۸۶

انہوں نے اِس کتاب پر عمل نہ کیا اور اپنی طرف سے اِس قدر تحریف کی کہ گویا نئی کتاب نازل ہو رہی ہے اور نیز کارخانہ قضاء و قدر میں اس قدر دست اندازی کی کہ خدا کی عظمت دلوں پر سے بکلی اُٹھ گئی۔ وہی لوگ دجّال ہیں۔ ایک پہلو سے نبوت کے مدعی اور دوسرے پہلو سے خدائی کے دعویدار۔ تمام حدیثوں کا منشاء یہی ہے اور یہی قرآن شریف سے مطابق ہے اور اسی سے وہ اعتراض دُور ہوتا ہے جو ولا الضالین کی دُعا پر عائد ہو سکتا تھا اور یہ وہ امر ہے کہ جس پر واقعات کے سلسلہ کی ایک زبردست شہادت پائی جاتی ہے اور ایک منصف انسان کو بجز ماننے کے بن نہیں پڑتا اور گو لفظ دجّال کے ایک غلط اور خطرناک معنے کرنے میں بہت سی تعداد مسلمانوں کی آلودہ ہے مگر جو امر قرآن کے نصوص صریحہ اور اُن احادیث کے نصوص واضحہ سے جو قرآن کے مطابق ہیں غلط ثابت ہوگیا اور عقل سلیم نے بھی اسی کی تصدیق کی تو ایسا امر ایک انسان یا کروڑ انسان کے غلط خیالات کی وجہ سے غلط نہیں ٹھیر سکتا ورنہ لازم آتا ہے کہ جس مذہب کا دنیا میں تعداد کثیر ہو وہی سچا ہو۔ غرض اب یہ ثبوت کمال کو پہنچ گیا ہے اور اگر اب بھی کوئی مُنہ زوری سے باز نہ آوے تو وہ حیا سے عاری اور قرآن شریف کی تکذیب پر دلیر ہے اور وہ احادیث واضحہ جو قرآن کی منشاء کے موافق دجال کی حقیقت ظاہر کرتی ہیں وہ اگرچہ بہت ہیں مگر ہم اس جگہ بطور نمونہ ایک اُن میں سے درج کرتے ہیں۔ وہ حدیث یہ ہے:۔ یخرج فی اٰخر الزمان دجال یختلون الدنیا بالدین۔ یلبسون للناس جلود الضان من الدین۔ السنتھم احلی من العسل و قلوبھم قلوب الذیاب یقول اللّٰہ عزّوجلّ ابی یغترون ام علیّ یجترؤن۔ حتّٰی حلفت لابعثن علی اولٰئک منھم فتنۃ الخ کنز العمال جلد نمبر۷ صفحہ ۱۷۴

یعنی آخری زمانہ میں دجّال ظاہر ہوگا وہ ایک مذہبی گروہ ہوگا جو زمین پر جا بجا خروج کرے گا اور وہ لوگ دنیا کے طالبوں کو دین کے ساتھ فریب دیں گے یعنی ان کو اپنے

دین میں داخل کرنے کے لئے بہت سامان پیش کرینگے اور ہر قسم کے آرام اور لذّات دنیوی
کی طمع دینگے اور اس غرض سے کہ کوئی اُن کے دین میں داخل ہو جائے بھیڑوں کی پوستین
پہن کر آئیں گے۔ اُن کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہونگی اور ان کے دل بھیڑیوں کے
دل ہونگے اور خدائے عزّوجلّ فرمائیگا کہ کیا یہ لوگ میرے حلم پر مغرور ہو رہے ہیں کہ
مَیں اُن کو جلد تر نہیں پکڑتا اور کیا یہ لوگ میرے پر افترا کرنے میں دلیری کر رہے
ہیں یعنی میری کتابوں کی تحریف کرنے میں کیوں اسقدر مشغول ہیں۔ مَیں نے قسم کھائی ہے
کہ مَیں انہی میں سے اور انہی کی قوم میں سے ان پر ایک فتنہ برپا کرونگا + دیکھو
کنز العمال جلد نمبر ۷ صفحہ نمبر ۱۷۴۔ اب تبلاؤ کہ کیا اس حدیث سے دجال ایک شخص
معلوم ہوتا ہے اور کیا یہ تمام اوصاف جو دجّال کے لکھے گئے ہیں یہ آجکل کسی قوم پر
صادق آرہی ہیں یا نہیں؟ اور ہم پہلے اس سے قرآن شریف سے بھی ثابت کر چکے ہیں کہ دجّال
ایک گروہ کا نام ہے نہ یہ کہ کوئی ایک شخص اور اس حدیث مذکورہ بالا میں جو دجّال
کے لئے جمع کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں جیسے یختلون اور یلبسون اور یغترون
اور یجترؤن اور اولئك اور منهم یہ بھی بآواز بلند پکار رہے ہیں کہ دجّال ایک
جماعت ہے نہ ایک انسان۔ اور قرآن شریف میں جو یاجوج ماجوج کا ذکر ہے جن کو
خدا کی پہلی کتابوں نے یورپ کی قومیں قرار دیا ہے اور قرآن نے اس بیان کی تکذیب
نہیں کی یہ دجّال کے اُن معنوں پر جو ہم نے بیان کئے ہیں ایک بڑا ثبوت ہے۔ بعض
حدیثیں بھی توریت کے اس بیان کی مصدق ہیں۔ اور لنڈن میں یاجوج ماجوج کی پتھر
کی ہیکلیں کسی پُرانے زمانہ سے اب تک محفوظ ہیں۔ یہ تمام امور جب یکجائی نظر سے
دیکھے جائیں تو عین الیقین کے درجہ پر یہ ثبوت معلوم ہوتا ہے اور تمام دجّالی خیالات
ایک ہی لمحہ میں منتشر ہو جاتے ہیں۔ اگر اب بھی یہ بات قبول نہ کی جائے کہ حقیقت
حقّہ صرف اسی قدر ہے جو سورۃ فاتحہ کے آخری فقرہ یعنی ولاالضالین سے

سمجھی جاتی ہے تو گویا اس بات کا قبول کرنا ہوگا کہ قرآن کی تعلیم کو ماننا کچھ ضروری نہیں بلکہ اس کے مخالف قدم رکھنا بڑے ثواب کی بات ہے۔ پس وہ لوگ جو ہماری اس مخالفت پر خون پینے کو تیار ہیں مناسب ہے کہ اس موقعہ پر ذرا خدا تعالیٰ سے خوف کرکے سوچیں کہ وہ کس قدر خدا تعالیٰ کی پاک کلام سے دشمنانہ لڑائی کر رہے ہیں گو فرض کے طور پر اُن کے پاس ایسی حدیثیں انبار در انبار ہوں جن سے دجّال معہود کا ایک خوفناک وجود ظاہر ہوتا ہو جو اپنی جسامت کی وجہ سے ایک ایسی سواری کا محتاج ہے جس کے دونوں کانوں کا فاصلہ قریباً تین سو ہاتھ ہے۔ اور زمین و آسمان اور چاند اور سورج اور دریا اور ہوائیں اور مینہ اس کے حکم میں ہیں لیکن ایسا ہیبتناک وجود پیش کرنے سے کوئی ثبوت پیدا نہیں ہوگا۔ اس عقل اور قیاس کے زمانہ میں ایسا خلاف قانون قدرت وجود ماننا اسلام پر ایک داغ ہوگا۔ اور غایت کار ہندوؤں کے مہادیو اور بشن اور برہما کی طرح مسلمانوں کے ہاتھ میں بھی لوگوں کے ہنسانے کیلئے یہ ایک لغو کہانی ہوگی جو قرآن کی پیشگوئی ولا الضالین کے بھی مخالف ہے اور نیز اس کی تعلیم توحید کے بھی سراسر مخالف۔ اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ایسے وجود کو ماننا جس کے ہاتھ میں گو تھوڑے عرصہ کے لئے تمام خدائی قوت اور خدائی انتظام ہوگا اس قسم کے شرک کو اختیار کرنا ہے جس کی نظیر ہندوؤں اور چینیوں اور پارسیوں میں بھی کوئی نہیں۔ افسوس کہ اہل حدیث جو موحّد کہلاتے ہیں۔ اس شرک کی قسم سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں جو چوہے سے بھی کمتر ہے اور اس شرک کو اپنے گھر میں داخل کرتے ہیں جو ہاتھی سے بھی زیادہ ہے۔ ان لوگوں کی توحید بھی عجیب طور کی پختہ ہے کہ عیسیٰ بن مریم کو خالقیت میں خدا کا قریباً نصف کا شریک مان کر پھر توحید میں کچھ خلل نہیں آیا۔ تعجب کہ یہ لوگ جو اسلام کی اصلاح اور توحید کا دم مارتے ہیں وہی اس قسم کے شرکوں پر زور مار رہے ہیں اور خدا کی طرح مسیح کو بلکہ دجّال کو بھی

بے انت اور بے انتہا کمالاتِ الوہیت سے موصوف سمجھتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ اُنکی نظر میں خدا کی سلطنت بھی ایسے ہمسر شریکوں سے پاک نہیں ہے اور پھر خاصے موحّد اور اہل حدیث ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مشرک ہیں۔ اور گو عیسائی مانیں یا نہ مانیں لیکن یہ لوگ درحقیقت مشنریوں پر بہت ہی احسان کر رہے ہیں کہ ایک مسلمان کو اگر وہ اُن کے اِن عقیدوں کا پابند ہو جائے جن کو یہ مولوی مسیح اور دجّال کی نسبت سکھلا رہے ہیں بہت آسانی سے عیسائی مذہب کے قریب لے آتے ہیں یہاں تک کہ ایک پادری صرف چند منٹ میں ہی ہنسی خوشی میں ان کو مرتد کر سکتا ہے۔ یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ دجّال کو الوہیت کی صفات دینے سے عیسائیوں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے گو مسیح میں ایسی صفات قائم کرنے سے تو فائدہ پہنچتا ہے۔ کیونکہ جبکہ دجّال جیسے دشمن دین اور ناپاک طبع کی نسبت مان لیا گیا کہ وہ اپنے اختیار سے بارش برسانے اور مُردوں کے زندہ کرنے اور بارش کے روکنے اور دوسری صفاتِ الوہیت پر قادر ہوگا تو اس سے بہت صفائی کے ساتھ یہ راہ کھل جاتی ہے کہ جبکہ ایک خدا کا دشمن خدائی کے مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے اور جبکہ خدائی کارخانہ میں ایسی بدانتظامی اور گڑبڑ پڑا ہوا ہے کہ دجّال بھی اپنی جھوٹی خدائی چالیس برس تک یا چالیس دن تک چلائیگا تو پھر حضرت عیسٰی کی خدائی میں کونسا اشکال عائد حال ہو سکتا ہے۔ پس ایسے لوگوں کے بپتسمہ پانے پر بڑی بڑی اُمیدیں پادری صاحبوں کو دلوں میں رکھنی چاہئیں۔ اور درحقیقت اگر خدا تعالیٰ آسمان سے اپنے اس سلسلہ کی بنیاد اس نازک وقت میں نہ ڈالتا تو ان اعتقادوں کے طفیل سے ہزاروں مولویوں کی روحیں پادری عماد الدین کی رُوح سے مل جاتیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی غیرت اور اس کا وہ وعدہ جو صدی کے سر سے متعلق تھا وہ پادری صاحبوں کی اس کامیابی میں حائل ہو گیا۔ مگر مولوی صاحبوں کی طرف سے کوئی فرق نہیں رہا تھا۔ دانشمند

خوب جانتے ہیں کہ اسلام کی آئندہ ترقی کے لئے اور نیز پادریوں کے حملوں سے اسلام کو بچانے کے لئے یہ نہایت نیک فال ہے کہ وہ تمام باتیں جس سے مسیح کو زندہ آسمان پر چڑھایا گیا اور فقط اُسی کو زندہ رسول اور معصوم رسول مس شیطان سے پاک اور ہزاروں مُردوں کو زندہ کرنے والا اور بے شمار پرندوں کو پیدا کرنے والا اور قریباً نصف میں خدا کا شریک سمجھا گیا تھا۔ اور دوسرے تمام نبی مُردے اور عاجز اور مس شیطان سے آلودہ سمجھے گئے تھے جنہوں نے ایک مکھی بھی پیدا نہ کی۔ یہ تمام افترا اور جھوٹ کے طلسم خدا نے مجھے مبعوث فرما کر ایسے توڑ دیئے کہ جیسے ایک کاغذ کا تختہ لپیٹ دیا جائے اور خدا نے عیسیٰ بن مریم سے تمام زوائد کو الگ کر کے معمولی انسانی درجہ پر بٹھا دیا اور اُس کو دوسرے نبیوں کے افعال اور خوارق کی نسبت ایک ذرہ خصوصیت نہ رہی اور ہر ایک پہلو سے ہمارے سیّد و مولیٰ نبی الوریٰ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد عالیہ آفتاب کی طرح چمک اُٹھے۔ اے خدا! ہم تیرے احسانوں کا کیونکر شکر کریں کہ تُو نے ایک تنگ و تاریک قبر سے اسلام اور مسلمانوں کو باہر نکالا اور عیسائیوں کے تمام فخر خاک میں ملا دیئے اور ہمارا قدم جو ہم محمدی گروہ ہیں ایک بلند اور نہایت اونچے مینار پر رکھ دیا۔ ہم نے تیرے نشان جو محمدی رسالت پر روشن دلائل ہیں اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ ہم نے آسمان پر رمضان میں اُس خسوف کسوف کا مشاہدہ کیا جس کی نسبت تیری کتاب قرآن اور تیرے نبی کی طرف سے تیرہ سو برس سے پیشگوئی تھی ہم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ تیری کتاب اور تیرے نبی کی پیشگوئی کے مطابق اونٹوں کی سواری ریل کے جاری ہونے سے موقوف ہو گئی اور عنقریب مکہ اور مدینہ کی راہ سے بھی یہ سواریاں موقوف ہونے والی ہیں۔ ہم نے تیری کتاب قرآن کی پیشگوئی لا الضالین کو بھی بڑے زور شور سے پورے ہوتے دیکھ لیا اور ہم نے یقین کر لیا کہ درحقیقت یہی وہ فتنہ ہے جس کی آدم سے لے کر قیامت تک اسلام کی ضرر رسانی میں

کوئی نظیر نہیں۔ اسلام کی مزاحمت کے لئے یہی ایک بھاری فتنہ تھا جو ظہور میں آ گیا۔ اب اس کے بعد قیامت تک کوئی ایسا بڑا فتنہ نہیں۔ اے کریم! تو ایسا نہیں ہے کہ اپنے مذہب اسلام پر دو موتیں جمع کرے۔ ایک موت جو عظیم ابتلا تھا اور جو مسلمانوں اور اسلام کے لئے مقدر تھا وہ ظہور میں آ گیا۔ اب اے ہمارے رحیم خدا! ہماری رُوح گواہی دیتی ہے کہ جیسا کہ تُونے نوح کے دنوں میں کیا کہ بہت سے آدمیوں کو ہلاک کرکے پھر تجھے رحم آیا اور تو نے توریت میں وعدہ کیا کہ مَیں پھر اس طرح انسانوں کو طوفان سے ہلاک نہیں کرونگا۔ پس دیکھ اے ہمارے خدا اس امت پر یہ طوفان نوح کے دنوں سے کچھ کم نہیں آیا۔ لاکھوں جانیں ہلاک ہوگئیں اور تیرے نبی کریم کی عزّت ایک ناپاک کیچڑ میں پھینک دی گئی۔ پس کیا اس طوفان کے بعد اس امت پر کوئی اَور بھی طوفان ہے یا کوئی اَور بھی دجال ہے[*] جس کے خوف سے ہماری جانیں گداز ہوتی رہیں۔ تیری رحمت بشارت دیتی ہے کہ "کوئی نہیں" کیونکہ تو وہ نہیں کہ اسلام اور مسلمانوں پر دو موتیں جمع کرے مگر ایک موت جو واقع ہو چکی۔ اب اس ایک دفعہ کے قتل کے بعد اس خوبصورت جوان کے قتل پر کوئی دجّال قیامت تک قادر نہیں ہوگا۔ یاد رکھو اس پیشگوئی کو۔ اے لوگو! خوب یاد رکھو کہ یہ خوبصورت پہلوان کہ جو جوانی کی

[*] دجّال کے لفظ کی نسبت ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ اس سے وہ خونی شخص مراد نہیں ہے جس کی مسلمانوں کو انتظار ہے بلکہ اس سے صرف ایک فرقہ مراد ہے جو کتابوں کی تحریف اور تبدیل کرکے سچائی کو دفن کرتا ہے۔ اور دجال کے قتل کرنے سے صرف یہ مراد ہے کہ انکو دلائل کے ساتھ مغلوب کیا جائے اور مسیح ابن مریم جو خطرناک بیماروں کو جو بوجہ شدت غشی مُردوں کی طرح تھے زندہ کرتا تھا۔ اس زمانہ میں اس کے نمونہ پر مسیح موعود کا یہ کام ہے کہ اسلام کو زندہ کرے جیسا کہ براہین احمدیہ میں یہ الہام ہے کہ یقیم الشریعۃ ویحیی الدین۔ منہ

تمام قوتوں سے بھرا ہوا ہے یعنی اسلام بہ صرف ایک ہی دفعہ دجّال کے ہاتھ سے قتل ہونا تھا۔ سو جیسا کہ مقدر تھا یہ مشرقی زمین میں قتل ہو گیا اور نہایت بے دردی سے اُس کے جسم کو چاک کیا گیا اور پھر دجّال نے یعنی اس کی عمر کے خاتمہ نے چاہا کہ یہ جوان زندہ ہو چنانچہ اب وہ خدا کے مسیح کے ذریعہ سے زندہ ہو گیا اور اب سے اپنی تمام طاقتوں میں دوبارہ بھرتا جائیگا اور پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جائیگا ولا ترد علیہ موتۃ الاموتتہ الاولیٰ - واذا ھلک الدجّال فلا دجّال بعدہ الی یوم القیامۃ امر من لدن حکیم علیم و نبأ من عند ربنا الکریم وبشارۃ من اللہ الرءُوف الرحیم۔ لایأتی بعد ھٰذا الانصر من اللہ وفتح عظیم۔

اے قادر خدا! تیری شان کیا ہی بلند ہے تو نے اپنے بندہ کے ہاتھ پر کیسے کیسے بزرگ نشان دکھلائے۔ جو کچھ تیرے ہاتھ نے جمالی رنگ میں آتھم کے ساتھ کیا اور پھر جلالی رنگ میں لیکھرام کے ساتھ کیا یہ چمکتے ہوئے نشان عیسائیوں میں کہاں ہیں اور کس ملک میں ہیں کوئی دکھلاوے۔ اے قادر خدا! جیسا تُو نے اپنے اس بندہ کو کہا کہ میں ہر میدان میں تیرے ساتھ ہونگا اور ہر ایک مقابلہ میں رُوح القدس سے میں تیری مدد کرونگا آج عیسائیوں میں ایسا شخص کون ہے جس پر اس طور سے غیب اور اعجاز کے دروازے کھلے گئے ہوں۔ اس لئے ہم جانتے ہیں اور بچشم خود دیکھتے ہیں کہ تیرا وہی رسول فضل اور سچائی لے کر آیا ہے جس کا نام محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضرت عیسٰی کی نبوت کو بھی اسی کے وجود سے رنگ اور رونق ہے۔ ورنہ حضرت مسیح کی نبوت پر اگر گذشتہ قصوں کو الگ کر کے کوئی زندہ ثبوت مانگا جائے تو ایک ذرہ کے برابر بھی ثبوت نہیں مل سکتا اور قصّے تو ہر ایک قوم کے پاس ہیں کیا ہندوؤں کے پاس نہیں ہیں؟

اور منجملہ اُن دلائل کے جو میرے مسیح موعود ہونے پر دلالت کرتے ہیں وہ ذاتی نشانیاں ہیں جو مسیح موعود کی نسبت بیان فرمائی گئی ہیں اور ان میں سے ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ

مسیح موعود کیلئے ضروری ہے کہ وہ آخری زمانہ میں پیدا ہو جیسا کہ یہ حدیث ہے یکون فی اٰخرالزمان عند تظاھر من الفتن وانقطاع من الزمن۔ اور اس بات کے ثبوت کیلئے کہ درحقیقت یہ آخری زمانہ ہے جس میں مسیح ظاہر ہو جانا چاہیئے دو طور کے دلائل موجود ہیں (۱) اول وہ آیات قرآنیہ اور آثار نبویہ جو قیامت کے قرب پر دلالت کرتے ہیں اور پورے ہو گئے ہیں جیسا کہ خسوف کسوف کا ایک ہی مہینہ میں یعنی رمضان میں ہونا۔ جس کی تصریح آیت وجمع الشمس والقمر[۱] میں کی گئی ہے۔ اور اونٹوں کی سواری کا موقوف ہو جانا جس کی تصریح آیت واذا العشار عطلت[۲] سے ظاہر ہے۔ اور ملک میں نہروں کا بکثرت نکلنا جیسا کہ آیت واذا البحار فجرت[۳] سے ظاہر ہے اور ستاروں کا متواتر ٹوٹنا جیسا کہ آیت واذا الکواکب انتثرت[۴] سے ظاہر ہے اور قحط پڑنا اور وبا پڑنا اور امساک باراں ہونا جیسا کہ آیت واذا السماء انفطرت[۵] سے منکشف ہے✠۔ اور سخت قسم کا کسوف شمس واقع ہونا جس سے تاریکی پھیل جائے جیسا کہ آیت اذا الشمس کوّرت[۶] سے ظاہر ہے اور پہاڑوں کو اپنی جگہ سے اٹھا دینا جیسا کہ آیت واذا الجبال سیّرت[۷] سے سمجھا جاتا ہے اور جو لوگ وحشی اور ارازل اور اسلامی شرافت سے بے بہرہ ہیں ان کا اقبال چمک اٹھنا جیسا کہ آیت واذا

۹۰

✠ قرآن شریف میں سمآء کا لفظ نہ صرف آسمان پر ہی بولا جاتا ہے جیسا کہ عوام کا خیال ہے بلکہ کئی معنوں پر سما کا لفظ قرآن شریف میں آیا ہے۔ چنانچہ مینہہ کا نام بھی قرآن شریف میں سما ہے اور اہل عرب مینہہ کو سما کہتے ہیں اور کتب تعبیر میں سما سے مُراد بادشاہ بھی ہوتا ہے۔ اور آسمان کے پھٹنے سے بدعتیں اور ضلالتیں اور ہر ایک قسم کا جور اور ظلم مراد لیا جاتا ہے اور نیز ہر قسم کے فتنوں کا ظہور مراد لیا جاتا ہے۔ کتاب تعطیر الانام میں لکھا ہے:۔ فان رای السماء انشقت دَلّ علی البدعۃ والضلالۃ دیکھو صفحہ ۳۰۵ تعطیر الانام۔ منہ

۱؎ القیامۃ: ۱۰ ۲؎ التکویر: ۵ ۳؎ الانفطار: ۴ ۴؎ الانفطار: ۳ ۵؎ الانفطار: ۲ ۶؎ التکویر: ۲ ۷؎ التکویر: ۴

الوحوش حشرت[1] سے مترشح ہو رہا ہے*۔ اور تمام دنیا میں تعلقات اور ملاقاتوں کا سلسلہ گرم ہو جانا اور سفر کے ذریعہ سے ایک کا دوسرے کو ملنا سہل ہو جانا جیسا کہ بدیہی طور پر آیت واذا النفوس زوّجت[2] سے سمجھا جاتا ہے اور کتابوں اور رسالوں اور خطوط کا ملکوں میں شائع ہو جانا جیسا کہ آیت واذا الصحف نشرت[3] سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اور علماء کی باطنی حالت کا جو نجوم اسلام ہیں مکدّر ہو جانا جیسا کہ واذا النجوم انکدرت[4] سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ اور بدعتوں اور ضلالتوں اور ہر قسم کے فسق و فجور کا پھیل جانا جیسا کہ آیت اذا السماء انشقّت[5] سے مفہوم ہوتا ہے۔ یہ تمام علامتیں قرب قیامت کی ظاہر ہو چکی ہیں اور دنیا پر ایک انقلاب عظیم آگیا ہے۔ اور جبکہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ قرب قیامت کا زمانہ ہے جیسا کہ آیت اقتربت الساعۃ وانشق القمر[6] سے سمجھا جاتا ہے تو پھر یہ زمانہ جس پر تیرہ سو برس اور گذر گیا اس کے آخری زمانہ ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے اور علاوہ نصوص صریحہ قرآن شریف اور احادیث کے تمام اکابر اہل کشوف کا اس پر

ص ۹۱

* ہم اس سے پہلے ابو الدرداء کی روایت سے لکھ چکے ہیں کہ قرآن ذو الوجوہ ہے۔ اور جس شخص نے قرآن شریف کی آیات کو ایک ہی پہلو پر محدود کر دیا اُس نے قرآن شریف کو نہیں سمجھا اور نہ اس کو کتاب اللہ کا تفقہ حاصل ہوا۔ اور اس سے بڑھکر کوئی جاہل نہیں۔ ہاں ممکن ہے کہ ان آیات میں سے بعض قیامت سے بھی تعلق رکھتی ہوں مگر اوّل مصداق ان آیات کا یہی دنیا ہے کیونکہ یہ آخری زمانہ کی نشانیاں ہیں اور جب دنیا کا سلسلہ ہی لپیٹا گیا تو پھر کس بات کی یہ نشانیاں ہونگی۔ غالباً اسلام میں ایسے جاہل بھی ہونگے جو اس راز کو نہیں سمجھے ہونگے۔ اور خدا تعالیٰ کی پیشگوئیاں جن سے ایمان قوی ہوتا ہے اُن کی نظر میں تمام وہ امور بعد الدنیا ہیں۔ یہ تمام قرآنی پیشگوئیاں پہلی کتابوں میں مسیح موعود کے وقت کی نشانیاں ٹھیرائی گئی ہیں۔ دیکھو دانیئل باب نمبر ۱۲ - منہ

[1] التکویر: ۶ [2] التکویر: ۸ [3] التکویر: ۱۱ [4] التکویر: ۳ [5] الانشقاق: ۲ [6] القمر: ۲

اتفاق ہے کہ چودھویں صدی وہ آخری زمانہ ہے جس میں مسیح موعود ظاہر ہوگا۔ ہزارہا اہل اللہ کے دل اسی طرف مائل رہے ہیں کہ مسیح موعود کے ظہور کا زمانہ غایت کار چودھویں صدی ہے اس سے بڑھ کر ہرگز نہیں۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں نے بھی اپنی کتاب حجج الکرامہ میں اس بات کو لکھا ہے۔ اور پھر ماسوا اس کے سورۃ مرسلات میں ایک آیت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب قیامت کی ایک بھاری علامت یہ ہے کہ ایسا شخص پیدا ہو جس سے رسولوں کی حدبست ہو جائے یعنے سلسلہ استخلاف محمدیہ کا آخری خلیفہ جس کا نام مسیح موعود اور مہدی معہود ہے ظاہر ہو جائے اور وہ آیت یہ ہے۔ واذا الرسل اقّتت۔ یعنے وہ آخری زمانہ جس سے رسولوں کے عدد کی تعیین ہو جائے گی یعنی آخری خلیفہ کے ظہور سے قضاء وقدر کا اندازہ جو مرسلین کی تعداد کی نسبت مخفی تھا ظہور میں آجائیگا۔ یہ آیت بھی اس بات پر نص صریح ہے کہ مسیح موعود اسی اُمّت میں سے ہوگا کیونکہ اگر بھلا[1] مسیح ہی دوبارہ آجائے تو وہ افادہ تعیین عدد نہیں کرسکتا کیونکہ وہ تو نبی اسرائیل کے نبیوں میں سے ایک رسول ہے جو فوت ہو چکا ہے اور اسجگہ خلفائے سلسلۂ محمدیہ کی تعیین مطلوب ہے۔ اور اگر یہ سوال ہو کہ اقّتت کے یہ معنے یعنے معیّن کرنا اس عدد کا جو ارادہ کیا گیا ہے کہاں سے معلوم ہُوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کتب لُغت لسان العرب وغیرہ میں لکھا ہے۔ قد یجیئُ التوقیت بمعنی تبیین الحد والعدد والمقدار کما جاء فی حدیث ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ لم یقت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی الخمر حدًّا ای لم یقدّر ولم یحدّہ بعدد مخصوص۔ لیعنی لفظ توقیت جس سے اُقّتت نکلا ہے کبھی حد اور شمار اور مقدار کے بیان کرنے کے لئے آتا ہے جیسا کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ میں ہے

[1] یہ لفظ پہلا ہے غلطی کاتب سے بھلا لکھا گیا ہے۔ مصحح

کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خمر کی کچھ توقیت نہیں کی۔ یعنی خمر کی حد کی کوئی تعداد اور مقدار بیان نہیں کی اور تعیین عدد بیان نہیں فرمائی۔ پس یہی معنے آیت واذا الرسل اقتت[1] کے ہیں جن کو خدائے تعالیٰ نے میرے پر ظاہر فرمایا اور یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسولوں کی آخری میزان ظاہر کرنے والا مسیح موعود ہے اور یہ صاف بات ہے کہ جب ایک سلسلہ کا آخر ظاہر ہو جاتا ہے تو عند العقل اس سلسلہ کی پیمائش ہو جاتی ہے۔ اور جب تک کہ کوئی خط ممتد کسی نقطہ پر ختم نہ ہو ایسے خط کی پیمائش ہونا غیر ممکن ہے کیونکہ اس کی دوسری طرف غیر معلوم اور غیر متعین ہے۔ پس اس آیت کریمہ کے یہ معنے ہیں کہ مسیح موعود کے ظہور سے دونوں طرف سلسلہ خلافت محمدیہ کے معین اور مشخص ہو جائیں گے گویا یوں فرماتا ہے

واذا الخلفاء بیّن تعدادهم وحدد عددهم بخليفة هو اٰخر الخلفاء الذى هو المسيح الموعود فان اٰخر كل شيء يعين مقدار ذالك الشيء وتعداده فهٰذا هو معنى واذا الرسل اُقّتت۔

اور دوسری دلیل زمانہ کے آخری ہونے پر یہ ہے کہ قرآن شریف کی سورۂ عصر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا یہ زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے ہزار ششم پر واقع ہے۔ یعنے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے یہ چھٹا ہزار جاتا ہے۔ اور ایسا ہی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آدم سے لیکر اخیر تک دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے*۔ لہذا آخر ہزار ششم وہ

* حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ عمر دنیا سات ہزار سال ہے۔ اور انس بن مالک سے روایت ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں ایک مسلمان کی حاجت براری کرے اس کے لئے عمر دنیا کے اندازہ پر دن کو روزہ رکھنا اور رات کو عبادت کرنا لکھا جاتا ہے اور عمر دنیا سات ہزار سال ہے۔ دیکھو تاریخ ابن عساکر اور نیز وہی مؤلف انس سے مرفوعاً روایت کرتا ہے کہ عمر دنیا آخرت کے دنوں میں سے

ص ۹۲

[1] المرسلات: ۱۲

۹۲ آخری حصہ اِس دنیا کا ہوا جس سے ہر ایک جسمانی اور روحانی تکمیل وابستہ ہے - کیونکہ

سات دن یعنی حسب منطوق اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ[1] سات ہزار سال ہے - اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ تمہارا ہزار سال خدا کا ایک دن ہے ایسا ہی طبرانی نے اور نیز بیہقی نے دلائل میں اور سُہیلی نے روض الانف میں عمر دنیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزار سال روایت کی ہے۔ ایسا ہی بطریق صحیح ابن عباس سے منقول ہے کہ دنیا سات دن ہیں اور ہر ایک دن ہزار سال کا ہے اور بعثت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آخر ہزار ہفتم میں ہے مگر یہ حدیث دو پہلو سے موردِ اعتراض ہے جس کا دفع کرنا ضروری ہے - اول یہ کہ اس حدیث کو بعض دوسری حدیثوں سے تناقض ہے کیونکہ دوسری احادیث میں یوں لکھا ہے کہ بعثت نبوی آخر ہزار ششم میں ہے اور اس حدیث میں ہے کہ ہزار ہفتم میں ہے پس یہ تناقض تطبیق کو چاہتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امر واقعی اور صحیح یہ ہے کہ بعثت نبوی ہزار ششم کے آخر میں ہے جیسا کہ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ بالاتفاق گواہی دے رہی ہیں لیکن چونکہ آخر صدی کا یا مثلاً آخر ہزار کا اُس صدی یا ہزار کا سر کہلاتا ہے جو اس کے بعد شروع ہونے والا ہے اور اس کے ساتھ پیوستہ ہے اس لئے یہ محاورہ ہر ایک قوم کا ہے کہ مثلاً وہ کسی صدی کے آخری حصے کو جس پر گویا صدی ختم ہونے کے حکم میں ہے دوسری صدی پر جو اس کے بعد شروع ہونے والی ہے اطلاق کر دیتے ہیں مثلاً کہہ دیتے ہیں کہ فلاں مجدّد بارھویں صدی کے سر پر ظاہر ہوا تھا گو وہ گیارھویں صدی کے اخیر پر ظاہر ہوا ہو یعنی گیارھویں صدی کے چند سال رہتے اس نے ظہور کیا ہو - اور پھر بسا اوقات بباعث تسامح کلام یا قصورِ فہم راویوں کی وجہ سے یا بوجہ عدم ضبط کلمات نبویہ اور ذہول کے جو لازم نشأ بشریت ہے کسی قدر اور بھی تغیّر ہو جاتا ہے - سو اس قسم کا تعارض قابلِ التفات نہیں بلکہ درحقیقت یہ کچھ تعارض ہی نہیں - یہ سب باتیں عادت اور محاورہ میں داخل ہیں کوئی عقلمند اس کو تعارض نہیں سمجھے گا۔

(۲) دوسرا پہلو جس کے رو سے اعتراض ہوتا ہے یہ ہے کہ بموجب اس حساب کے

[1] الحج : ۴۸

خدائی کارخانہ قدرت میں چھٹے دن اور چھٹے ہزار کو الہٰی فعل کی تکمیل کے لئے قدیم سے مقرر

جو یہود اور نصاریٰ میں محفوظ اور متواتر چلا آتا ہے جس کی شہادت اعجازی طور پر کلام معجز نظام قرآن شریف میں بکمال لطافت بیان موجود ہے جیسا کہ ہم نے متن میں مفصل بیان کر دیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام سے قمری حساب کے رُو سے ۴۷۳۹ برس بعد میں مبعوث ہوئے ہیں اور شمسی حساب کے رُو سے ۴۵۹۸ برس بعد آدم صفی اللہ حضرت نبینا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوئے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہزار پنجم میں یعنے الف خامس میں ظہور فرما ہوئے نہ کہ ہزار ششم میں اور یہ حساب بہت صحیح ہے۔ کیونکہ یہود اور نصاریٰ کے علماء کا تواتر اسی پر ہے اور قرآن شریف اسی کا مصدق ہے۔ اور کئی اَور وجوہ اور دلائل عقلیہ جن کی تفصیل موجب تطویل ہے قطعی طور پر اس بات پر جزم کرتی ہیں کہ مابین سیّدنا محمد مصطفےٰ اور آدم صفی اللہ میں یہی فاصلہ ہے اس سے زیادہ نہیں۔ گو آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کی تاریخ لاکھوں برس ہوں یا کروڑہا برس ہوں جس کا علم خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔ لیکن ہمارے ابو النوع آدم صفی اللہ کی پیدائش کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت تک یہی مدت گذری تھی یعنے ۴۷۳۹ برس بحساب قمری اور ۴۵۹۸ برس بحساب شمسی اور جبکہ قرآن اور حدیث اور تواتر اہل کتاب سے یہی مدت ثابت ہوتی ہے تو یہ بدیہی البطلان ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہزار ششم کے آخر پر مبعوث ہوئے تھے۔ کیونکہ اگر وہ آخر ہزار ششم تھا تو اب تیرہ سو سترہ اَور اس کے ساتھ ملا کر سات ہزار تین سو سترہ ہونگے حالانکہ بالاتفاق تمام احادیث کے رو سے عمر دنیا کُل سات ہزار برس قرار پایا تھا۔ تو گویا اب ہم دنیا کے باہر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور گویا اب دنیا کو ختم ہوئے تین سو سترہ برس گذر گئے۔ یہ کسقدر لغو اور بیہودہ خیال ہے۔

ص ۹۳

۹۳ فرمایا گیا ہے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام چھٹے دن میں یعنی بروز جمعہ دن کے آخر حصّے میں

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۹۳

جس کی طرف ہمارے علماء نے کبھی توجہ نہیں کی۔ ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ جبکہ احادیث صحیحہ متواترہ کے رُو سے عمر دنیا یعنی حضرت آدم سے لیکر اخیر تک سات ہزار برس قرار پائی تھی اور قرآن شریف میں بھی آیت انّ یومًا عند ربّک کالف سنۃ مما تعدّون[1] میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور اہل کتاب یہود اور نصاریٰ کا بھی یہی مذہب ہوا۔ اور خدا تعالیٰ کا سات دن مقرر کرنا اور اُن کے متعلق سات ستارے مقرر کرنا اور سات آسمان اور سات زمین کے طبقے جن کو ہفت اقلیم کہتے ہیں قرار دینا اور یہ سب اسی طرف اشارات ہیں تو پھر کونسا حساب ہے جس کے رُو سے آنحضرت صلعم کے زمانہ کو الف سادس یعنے ہزار ششم قرار دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو آج کی تاریخ تک تیرہ سو سترہ برس اور چھ مہینے اوپر گذر گئے تو پھر اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ چھٹا ہزار تھا تو یہ ہمارا زمانہ کہ جو تیرہ سو برس بعد آیا دنیا کی عمر کے اندر کیونکر رہ سکتا ہے۔ ذرہ چھ ہزار اور تیرہ سو برس کی میزان تو کرو۔ غرض یہ اعتراض ہے جو اس حدیث پر ہوتا ہے جس میں لکھا ہے کہ عمر دنیا کی سات ہزار برس ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آخر ہزار ششم میں مبعوث ہوئے۔ اور اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک نبی کا ایک بعث ہے مگر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہیں اور اس پر نص قطعی آیت کریمہ واٰخرین منھم لمّا یلحقوا بھم[2] ہے۔ تمام اکابر مفسّرین اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس امت کا آخری گروہ یعنی مسیح موعود کی جماعت صحابہ کے رنگ میں ہونگے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح بغیر کسی فرق کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض اور ہدایت پائیں گے۔ پس جبکہ یہ امر نص صریح قرآن شریف سے ثابت ہوا کہ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فیض صحابہ پر جاری ہوا ایسا ہی بغیر کسی امتیاز اور

۹۴

[1] الحج: ۴۸ [2] الجمعہ: ۴

پیدا ہوئے یعنی آپ کے وجود کا تمام دکمال پیرایہ چھٹے دن ظاہر ہوا گو خمیر آدم کا آہستہ

تفریق کے مسیح موعود کی جماعت پر فیض ہو گا تو اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اَور بعث ماننا پڑا جو آخری زمانہ میں مسیح موعود کے وقت میں ہزار ششم میں ہو گا۔ اور اس تقریر سے یہ بات بپایۂ ثبوت پہنچ گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہیں یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک بروزی رنگ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دوبارہ آنا دنیا میں وعدہ دیا گیا تھا جو مسیح موعود اور مہدی معہود کے ظہور سے پورا ہوا ۔ غرض جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہوئے تو بعض حدیثوں میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہزار ششم کے اخیر میں مبعوث ہوئے تھے اس سے بعث دوم مراد ہے جو نص قطعی آیت کریمہ وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ[1] سے سمجھا جاتا ہے ۔ یہ عجیب بات ہے کہ نادان مولوی جن کے ہاتھ میں صرف پوست ہی پوست ہے حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کی انتظار کر رہے ہیں مگر قرآن شریف ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دوبارہ آنے کی بشارت دیتا ہے کیونکہ افاضہ بغیر بعث غیر ممکن ہے ۔ اور بعث بغیر زندگی کے غیر ممکن ہے اور حاصل اس آیت کریمہ یعنی وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کا یہی ہے کہ دنیا میں زندہ رسول ایک ہی ہے یعنی محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم جو ہزار ششم میں بھی مبعوث ہو کر ایسا ہی افاضہ کرے گا جیسا کہ وہ ہزار پنجم میں افاضہ کرتا تھا ۔ اور مبعوث ہونے کے اس جگہ یہی معنی ہیں کہ جب ہزار ششم آئیگا اور مہدی موعود اس کے آخر میں ظاہر ہو گا تو گو بظاہر مہدی معہود کے توسط سے دنیا کو ہدایت ہوگی لیکن دراصل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی نئے سرے اصلاح عالم کی طرف ایسی سرگرمی سے توجہ کرے گی کہ گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دوبارہ مبعوث ہو کر دنیا میں آ گئے ہیں ۔ یہی معنے اس آیت کے ہیں کہ وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ[1] پس یہ خبر جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعث دوم کے متعلق ہے جس کے ساتھ یہ شرط ہے

[1] الجمعۃ : ۴

آہستہ تیار ہو رہا تھا اور تمام جمادی نباتی حیوانی پیدائشوں کے ساتھ بھی شریک تھا لیکن کمال خلقت کا دن چھٹا دن تھا۔ اور قرآن شریف بھی گو آہستہ آہستہ پہلے سے نازل ہو رہا تھا مگر اس کا کامل وجود بھی چھٹے دن ہی بروز جمعہ اپنے کمال کو پہنچا اور آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ[1] نازل ہوئی۔ اور انسانی نطفہ بھی اپنے تغیرات کے چھٹے مرتبہ ہی خلقت بشری سے پورا حصّہ پاتا ہے جس کی طرف آیت ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ[2] میں اشارہ ہے۔ اور مراتب ستّہ یہ ہیں (۱) نطفہ (۲) علقہ (۳) مضغہ (۴) عظام (۵) لحم محیط العظام (۶) خلق آخر۔ اس قانون قدرت سے جو روز ششم اور مرتبہ ششم کی نسبت معلوم ہو چکا ہے ماننا پڑتا ہے کہ دنیا کی عمر کا ہزار ششم بھی یعنی اس کا

حاشیہ متعلقہ صفحہ نمبر ۲۴۹

کہ وہ بعث ہزار ششم کے اخیر پر ہو گا۔ اسی حدیث سے اس بات کا قطعی فیصلہ ہوتا ہے کہ ضرور ہے کہ مہدی معہود اور مسیح موعود جو مظہر تجلیات محمدیہ ہے جس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بعث دوم موقوف ہے وہ چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہو کیونکہ یہی صدی ہزار ششم کے آخری حصّہ میں پڑتی ہے اور بعض علماء کا اس جگہ یہ تاویل کرنا کہ عمر دنیا سے مراد گذشتہ عمر ہے یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تمام حدیثیں بحیثیت پیشگوئی کرنے کے ہیں اور حدیث ہفت پایۂ ممبر خواب میں دیکھنے کی بھی اسی کی مؤید ہے اور اس بارے میں جو عقیدہ مقبولۃ الاجماع یہود و نصاریٰ ہے وہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے اور گذشتہ نبیوں کے سلسلہ پر نظر کرنے سے یہی تخمینہ قیاساً سمجھ میں آتا ہے اور یہ کہنا کہ آئندہ کی تو خدا نے کسی کو خبر نہیں دی کہ کب قیامت آئیگی یہ بے شک صحیح ہے مگر عمر دنیا کی سات ہزار برس قرار دینے سے اس امر کے بارے میں کہ کس گھڑی قیامت برپا ہوگی کوئی دلیل قطعی معلوم نہیں ہوتی کیونکہ سات ہزار کے لفظ سے یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ ضرور سات ہزار برس پورا کر کے قیامت آجائیگی وجہ یہ کہ اول تو یہ امر مشتبہ رہیگا کہ اس جگہ خدا تعالیٰ نے سات ہزار سے شمسی حساب کی مدت مراد لی ہے یا قمری

[1] المائدہ: ۴ [2] المؤمنون: ۱۵

آخری حصہ بھی جس میں ہم ہیں کسی آدم کے پیدا ہونے کا وقت اور کسی دینی تکمیل کے ظہور کا زمانہ ہے۔جیساکہ براہین احمدیہ کا یہ الہام کہ اردت ان استخلف فخلقت اٰدم اور یہ الہام کہ لیظھرہٗ علی الدین کلّہ اس پر دلالت کررہا ہے۔اور یاد رہے کہ اگرچہ قرآن شریف کے ظاہر الفاظ میں عمر دنیا کی نسبت کچھ ذکر نہیں لیکن قرآن شریف میں بہت سے ایسے اشارات بھرے پڑے ہیں جن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عمر دنیا یعنی دَور آدم کا زمانہ سات ہزار سال ہے۔چنانچہ منجملہ ان اشارات قرآنی کے ایک یہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے ایک کشف کے ذریعہ سے اطلاع دی ہے کہ سورۃ العصر کے اعداد سے بحساب ابجد معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

حاشیہ: حساب کی اور شمسی حساب سے اگر سات ہزار سال ہو تو قمری حساب سے قریبًا دو سو برس اَور اوپر چاہیئے۔اور ماسوا اس کے چونکہ عرب کی عادت میں یہ داخل ہے کہ وہ کسور کو حساب سے ساقط رکھتے ہیں اور مخلّ مطلب نہیں سمجھتے اس لئے ممکن ہے کہ سات ہزار سے اس قدر زیادہ بھی ہو جائے جو آٹھ ہزار تک نہ پہنچے۔مثلاً دو تین سو برس اور زیادہ ہو جائیں تو اس صورت میں باوجود بیان اس مدت کے وہ خاص ساعت تو مخفی کی مخفی ہی رہی۔اور یہ مدت بطور ایک علامت کے ہوئی۔جیساکہ انسان کی موت کی گھڑی جو قیامت صغریٰ ہے مخفی ہے۔ مگر یہ علامت ظاہر ہے کہ ایک سو بیس برس تک انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور پیرانہ سالی بھی اس کی موت کی ایک علامت ہے۔ایسا ہی امراض مہلکہ بھی علامت موت ہیں اور نیز اس میں کیا شک ہے کہ قرآن شریف میں قرب قیامت کی بہت سی علامتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ اور ایسا ہی احادیث میں بھی۔پس منجملہ ان کے سات ہزار سال بھی ایک علامت ہے۔یہ بھی یاد رہے کہ قیامت بھی کئی قسم پر منقسم ہے اور ممکن ہے کہ سات ہزار سال کے بعد کوئی قیامت صغریٰ ہو جس سے دنیا کی ایک بڑی تبدیلی مراد ہو نہ قیامت کبریٰ۔منہ

کے مبارک عصر تک جو عہد نبوت ہے یعنی تئیس۲۳ برس کا تمام وکمال زمانہ یہ کل مدت گذشتہ زمانہ کے ساتھ ملا کر ۴۷۳۹ برس ابتدائے دنیا سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روز وفات تک قمری حساب سے ہیں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم الف خامس میں جو مریخ کی طرف منسوب ہے مبعوث ہوئے ہیں۔ اور شمسی حساب سے یہ مدت ۴۵۹۸ ہوتی ہے اور عیسائیوں کے حساب سے جس پر تمام مدار بائیبل کا رکھا گیا ہے ۴۶۳۶ برس ہیں یعنی حضرت آدم سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اخیر زمانہ تک ۴۶۳۶ برس ہوتے ہیں اس سے ظاہر ہوا کہ قرآنی حساب جو سورۃ العصر کے اعداد سے معلوم ہوتا ہے اور عیسائیوں کی بائیبل کے حساب میں جس کے رُو سے بائیبل کے

۹۴ ۹۵

✠ اس حساب کے رُو سے میری پیدائش اس وقت ہوئی جب چھ ہزار برس میں سے گیارہ برس رہتے تھے سو جیسا کہ آدم علیہ السلام اخیر حصہ میں پیدا ہوا ایسا ہی میری پیدائش ہوئی۔ خدا نے منکروں کے عذروں کو توڑنے کے لئے یہ خوب بندوبست کیا ہے کہ مسیح موعود کے لئے چار ضروری علامتیں رکھ دی ہیں (۱) ایک یہ کہ اس کی پیدائش حضرت آدم کی پیدائش کے رنگ میں آخر ہزار ششم میں ہو۔ (۲) دوسری یہ کہ اس کا ظہور و بروز صدی کے سر پر ہو (۳) تیسری یہ کہ اس کے دعویٰ کے وقت آسمان پر رمضان کے مہینہ میں خسوف وکسوف ہو (۴) چوتھی یہ کہ اس کے دعوے کے وقت میں بجائے اونٹوں کے ایک اور سواری دنیا میں پیدا ہو جائے۔ اب ظاہر ہے کہ چاروں علامتیں ظہور میں آچکی ہیں۔ چنانچہ مدت ہوئی کہ ہزار ششم گذر گیا اور اب قریباً بچانواں سال اس پر زیادہ جا رہا ہے۔ اور اب دنیا ہزار ہفتم کو بسر کر رہی ہے اور صدی کے سر پر سے بھی سترہ برس گذر گئے اور خسوف وکسوف پر بھی کئی سال گذر چکے۔ اور اونٹوں کی جگہ ریل کی سواری بھی نکل آئی۔ پس اب قیامت تک کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ کیونکہ اب مسیح موعود کی پیدائش اور اُس کے ظہور کا وقت گذر گیا۔ منہ

حاشیہ پر جابجا تاریخیں لکھتے ہیں صرف اٹھتیس[۳۸] برس کا فرق ہے اور یہ قرآن شریف کے علمی معجزات میں سے ایک عظیم الشان معجزہ ہے جس پر تمام افراد امت محمدیہ میں سے خاص مجھ کو جو مَیں مہدی آخر الزمان ہوں اطلاع دی گئی ہے تا قرآن کا یہ علمی معجزہ اور نیز اس سے اپنے دعوے کا ثبوت لوگوں پر ظاہر کروں۔ اور ان دونوں حسابوں کے رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ جس کی خدا تعالےٰ نے سورۃ والعصر میں قسم کھائی الف خامس ہے یعنی ہزار پنجم جو مریخ کے اثر کے ماتحت ہے۔ اور یہی سر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن مفسدین کے قتل اور خونریزی کے لئے حکم فرمایا گیا جنہوں نے مسلمانوں کو قتل کیا اور قتل کرنا چاہا اور اُن کے استیصال کے درپے ہوئے۔ اور یہی خدا تعالیٰ کے حکم اور اذن سے مریخ کا اثر ہے۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعث اوّل کا زمانہ ہزار پنجم تھا جو اسم محمد کا مظہر تجلّی تھا۔ یعنی یہ بعث اوّل جلالی نشان ظاہر کرنے کے لئے تھا۔ مگر بعث دوم جس کی طرف آیت کریمہ واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم میں اشارہ ہے وہ مظہر تجلّی اسم احمد ہے جو اسم جمالی ہے[✚]۔ جیسا کہ آیت ومبشرًا برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد

✚ یہ باریک بھید یاد رکھنے کے لائق ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعث دوم میں تجلّی اعظم جو اکمل اور اتم ہے وہ صرف اسم احمد کی تجلّی ہے کیونکہ بعث دوم آخر ہزار ششم میں ہے اور ہزار ششم کا تعلق ستارہ مشتری کے ساتھ ہے جو کوکب ششم منجملہ خُنّس کُنّس ہے اور اس ستارہ کی یہ تاثیر ہے کہ مامورین کو خونریزی سے منع کرتا اور عقل اور دانش اور موادِ استدلال کو بڑھاتا ہے۔ اس لئے اگرچہ یہ بات حق ہے کہ اس بعث دوم میں بھی اسم محمد کی تجلّی سے جو جلالی تجلّی ہے اور جمالی تجلّی کے ساتھ شامل ہے مگر وہ جلالی تجلّی بھی رُوحانی طور پر ہو کر جمالی رنگ کے مشابہ ہو گئی ہے کیونکہ اس وقت جلالی تجلّی کی تاثیر قہر سیفی نہیں بلکہ قہر استدلالی ہے۔ وجہ یہ کہ اس وقت کے مبعوث پر پرتوہ ستارہ مشتری ہے نہ پرتوہ مریخ۔ اسی وجہ سے بار بار اس کتاب میں لکھا گیا ہے کہ ہزار ششم فقط اسم احمد کا مظہر اتم ہے جو جمالی تجلّی کو چاہتا ہے۔ منہ

اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور اس آیت کے یہی معنے ہیں کہ مہدی معہود جس کا نام آسمان پر مجازی طور پر احمد ہے جب مبعوث ہوگا تو اس وقت وہ نبی کریم جو حقیقی طور پر اس نام کا مصداق ہے اس مجازی احمد کے پیرایہ میں ہو کر اپنی جمالی تجلّی ظاہر فرمائیگا۔ یہی وہ بات ہے جو اس سے پہلے مَیں نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں لکھی تھی۔ یعنی یہ کہ میں اسم احمد میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا شریک ہوں۔ اور اس پر نادان مولویوں نے جیسا کہ اُنکی ہمیشہ سے عادت ہے شور مچایا تھا۔ حالانکہ اگر اس سے انکار کیا جائے تو تمام سلسلہ اس پیشگوئی کا زیروزبر ہو جاتا ہے بلکہ قرآن شریف کی تکذیب لازم آتی ہے جو نعوذباللہ کفر تک نوبت پہنچاتی ہے۔ لہذا جیسا کہ مومن کے لئے دوسرے احکام الٰہی پر ایمان لانا فرض ہے ایسا ہی اس بات پر بھی ایمان فرض ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہیں (۱) ایک بعث محمدی جو جلالی رنگ میں ہے جو ستارہ مریخ کی تاثیر کے نیچے ہے جس کی نسبت بحوالہ توریت قرآن شریف میں یہ آیت ہے محمد رسول اللہ والذین معہ اشدّاء علی الکفّار رحماء بینھم[1] (۲) دوسرا بعث احمدی جو جمالی رنگ میں ہے جو ستارہ مشتری کی تاثیر کے نیچے ہے جس کی نسبت بحوالہ انجیل قرآن شریف میں یہ آیت ہے و مبشرًا برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد[2]۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باعتبار اپنی ذات اور اپنے تمام سلسلہ خلفاء کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک ظاہر اور کھلی کھلی مماثلت ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے بلاواسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ کے رنگ پر مبعوث فرمایا۔ لیکن چونکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عیسیٰ سے ایک مخفی اور باریک مماثلت تھی اس لئے خدا تعالیٰ نے ایک بروز کے آئینہ میں اُس پوشیدہ مماثلت کا کامل طور پر رنگ دکھلا دیا۔ پس درحقیقت مہدی اور مسیح ہونیکے دونوں جوہر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات میں موجود تھے۔ خدا تعالےٰ سے کامل ہدایت پانے کی وجہ سے جس میں کسی اُستاد کا انسانوں میں سے احسان نہ تھا۔ آنحضرت

[1] الفتح: ۳۰ [2] الصف: ۷

صلے اللہ علیہ وسلم کامل مہدی تھے اور آپ سے دوسرے درجہ پر موسیٰ مہدی تھا جس نے خدا سے علم پاکر بنی اسرائیل کے لئے شریعت کی بنیاد ڈالی۔ اور نیز آنحضرت اس وجہ سے بھی مہدی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کامیابیوں کی راہیں آپ پر کھول دیں۔ اور جو لوگ مخالفوں میں سے سنگ راہ تھے ان کا استیصال کیا۔ اور ان معنوں کے رو سے بھی آپ سے دوسرے درجہ پر حضرت موسیٰ بھی مہدی تھے کیونکہ خدا نے موسیٰ کے ہاتھ پر بنی اسرائیل کی راہ کھول دی۔ اور فرعون وغیرہ دشمنوں سے ان کو نجات دے کر منزل مقصود تک پہنچایا اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ کے مہدی ہونے میں دونوں معنوں کے رُو سے مماثلت تھی۔ یعنی ان دونوں پاک نبیوں کے لئے کامیابی کی راہ بھی دشمنوں کے استیصال سے کھولی گئی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت کی تمام راہیں سمجھائی گئیں اور قرونِ اولیٰ کو کالعدم کر کے دونوں شریعتوں کی نئی بنیاد ڈالی گئی اور نئے سرے تمام عمارت بنائی گئی لیکن کامل اور حقیقی مہدی دنیا میں صرف ایک ہی آیا ہے جس نے بغیر اپنے ربّ کے کسی اُستاد سے ایک حرف نہیں پڑھا۔ مگر بہرحال چونکہ قرون اولیٰ کے ہلاک کے بعد جن کا مفصّل نام نہیں دیا گیا شریعت کی بنیاد ڈالنے والا اور خدا سے علم پاکر ہدایت یافتہ موسیٰ تھا جس نے حتی الوسع غیر معبودوں کا نقش مٹایا اور دین پر حملہ کرنے والوں کو ہلاک کیا اور اپنی قوم کو امن بخشا۔ اس لئے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم گو موسیٰ کی نسبت ہر ایک پہلو سے مہدیٔ کامل ہے لیکن وہ موسیٰ کی زمانی سبقت کی وجہ سے موسیٰ کا مثیل کہلاتا ہے۔ کیونکہ جس طرح حضرت موسیٰ نے مخالفین کو ہلاک کر کے اور خدا سے ہدایت پاکر ایک بھاری شریعت کی بنیاد ڈالی اور خدا نے موسیٰ کی راہ کو ایسا صاف کیا کہ کوئی اس کے مقابل ٹھیر نہ سکا اور نیز ایک لمبا سلسلہ خلفاء کا اس کو عطا کیا۔ یہی رنگ اور یہی صورت اور اسی سلسلہ کے مشابہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔ پس موسیٰ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم میں ایک مماثلت عظمیٰ ہے اور اس مماثلت میں

۹۷

عجیب تر یہ بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس وقت نئی شریعت ملی جبکہ پہلی شریعت یہود کی بباعث طرح طرح کی ملونی کے جو اُن کے عقائد میں داخل ہو گئی اور نیز بباعث تحریف تبدیل کے بکلّی تباہ ہو چکی تھی اور توحید اور خدا پرستی کی جگہ شرک اور دنیا پرستی نے لے لی تھی۔ غرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ سے کھلی کھلی مماثلت ہے اور دونوں نبی یعنی سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ دونوں معنوں کے رو سے مہدی ہیں یعنی اس رُو سے بھی مہدی کہ خدا سے انکو نئی شریعت ملی اور نئی ہدایت عطا کی گئی اُس وقت میں جبکہ پہلی ہدایتیں اپنی اصلیت پر باقی نہیں رہی تھیں۔ اور اس رُو سے بھی مہدی ہیں کہ خدا نے دشمنوں کا قلع قمع کر کے کامیابی کی راہوں کی انکو ہدایت کی اور فتح اور اقبال کی راہیں اُن پر کھول دیں۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ سے بھی دو مشابہتیں رکھتے ہیں (۱) ایک یہ کہ وہ مسیح کی طرح مکہ میں مخالفوں کے حملوں سے بچائے گئے اور مخالف قتل کے ارادہ میں ناکام رہے (۲) دوسرے یہ کہ آپ کی زندگی زاہدانہ تھی اور آپ بکلّی خدا کی طرف منقطع تھے اور آپ کی تمام خوشی اور قرۃ عین صلوٰۃ اور عبادت میں تھی۔ اور ان دونوں صفات کی وجہ سے آپ کا نام احمد تھا یعنی خدا کا سچّا پرستار اور اس کے فضل اور رحم کا شکر گذار۔ اور یہ نام اپنی حقیقت کے رُو سے یسوع کے نام کا مترادف ہے اور اس کے یہی معنے ہیں کہ دشمنوں کے حملہ سے اور نیز نفس کے حملہ سے نجات دیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّی زندگی حضرت عیسیٰ سے مشابہت رکھتی ہے اور مدنی زندگی حضرت موسیٰ سے مشابہ ہے۔ اور چونکہ تکمیل ہدایت کے لئے آپ نے دو بروزوں میں ظہور فرمایا تھا ایک بروز موسوی اور دوسرے بروز عیسوی۔ اور اسی غرض کے لئے ان دونوں ہدایتوں توریت اور انجیل کا قرآن شریف جامع نازل ہوا۔ اور ہر ایک ہدایت کی پابندی اس کے موقع اور محل پر واجب ٹھیرائی گئی۔ اور اس طرح پر ہدایت الٰہی اپنے کمالِ تام کو پہنچی اسلئے

تکمیل ہدایت کے بعد جو بلاواسطہ کسی بروز کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس نفیس سے ظہور میں آئی۔ تکمیل اشاعت ہدایت کی ضرورت تھی اور وہ ایک ایسے زمانہ پر موقوف تھی جس میں تمام وسائل اشاعت احسن اور اکمل طور پر میسّر ہوں۔ لہٰذا تکمیل اشاعت ہدایت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو بروزوں کی حاجت پڑی (۱) بروز محمدی موسوی۔ (۲) دوسرا بروز احمدی عیسوی۔ بروز محمدی موسوی کے لحاظ سے مظہر حقیقت محمدیہ کا نام مہدی رکھا گیا اور اہلاک ملل باطلہ کے لئے بجائے سیف کے قلم سے کام لیا گیا کیونکہ جب انسانوں نے اپنے طریق کو بدلا اور تلوار کے ساتھ حق کا مقابلہ نہ کیا تو خدا نے بھی اپنا طریق بدلا۔ اور تلوار کا کام قلم سے لیا۔ کیونکہ خدا اپنے مکافات میں انسان کے قدم بقدم چلتا ہے۔ ان اللّٰہ لا یغیر ما بقوم حتّٰی یغیروا ما بانفسھم[1] اور بروز احمدی عیسوی کے لحاظ سے مظہر حقیقت احمدیہ کا نام مسیح اور عیسیٰ رکھا گیا اور جیسا کہ مسیح نے اس صلیب پر فتح پائی تھی جس کو یہودیوں نے اس کے قتل کے لئے کھڑا کیا تھا۔ اس مسیح کا کام یہ ہے کہ اس صلیب پر فتح پاوے کہ جو اس کے بنی نوع کے ہلاک کرنے کے لئے عیسائیوں نے کھڑی کی ہے۔ اور نیز ایک یہ بھی کام ہے کہ یہود سیرت لوگوں کے حملوں سے بچکر ان کی اصلاح بھی کرے اور آخر دشمنوں کے تمام افتراؤں سے پاک ہوکر نیک نامی کے ساتھ خدا کی طرف اٹھایا جائے۔ جیسا کہ براہین میں میری نسبت یہ الہام ہے۔ یَا عِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ[2]۔ اور یہ بعث محمدی جو تکمیل اشاعت کے لئے تھا جو بروز موسوی اور عیسوی کے پیرایہ میں تھا اس کے لئے بھی خدا کی حکمت نے یہی چاہا کہ چھٹے دن میں ظہور میں آوے جیسا کہ تکمیل ہدایت چھٹے دن میں ہوئی تھی۔ سو اس کام کے لئے ہزار ششم لیا گیا جو خدا کا چھٹا دن ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

۹۸

[1] الرعد: ۱۲ [2] آل عمران: ۵۶

خاتم الانبیاء ہیں جیسا کہ آدم علیہ السلام خاتم المخلوقات ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے چاہا کہ جیسا کہ اُس نے حضور نبوی کی مشابہت حضرت آدم سے مکمل کرنے کیلئے تکمیل ہدایت قرآنی کا چھٹا دن مقرر کیا یعنی روز جمعہ۔ اور اسی دن یہ آیت نازل ہوئی کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی[ا] ایسا ہی تکمیل اشاعتِ ہدایت کے لئے الف سادس یعنی چھٹا ہزار مقرر فرمایا جو حسب تصریح آیات قرآنی بمنزلہ روز ششم ہے۔

اب مَیں دوبارہ یاد دلاتا ہوں کہ تکمیل ہدایت کے دن میں تو خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں موجود تھے۔ اور وہ روز یعنی جمعہ کا دن جو دنوں میں سے چھٹا دن تھا مسلمانوں کے لئے بڑی خوشی کا دن تھا جب آیت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی[ا] نازل ہوئی۔ اور قرآن جو تمام آسمانی کتابوں کا آدم اور جمیع معارف صحف سابقہ کا جامع تھا اور مظہر جمیع صفات الٰہیہ تھا اُس نے آدم کی طرح چھٹے دن یعنی جمعہ کے دن اپنے وجود باجود کو اتم اور اکمل طور پر ظاہر فرمایا۔ یہ تو تکمیل ہدایت کا دن تھا مگر تکمیل اشاعت کا دن اس دن کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ابھی وہ وسائل پیدا نہیں ہوئے تھے جو تمام دنیا کے تعلقات کو باہم ملا دیتے۔ اور بَرّی اور بحری سفروں کو مسافروں کے لئے سہل کر دیتے۔ اور دینی کتابوں کی ایک کثیر مقدار قلمبند کرنے کے لئے جو تمام دنیا کے حصہ میں آسکے آلات زود نویسی کے مہیّا کر دیتے اور نہ مختلف زبانوں کا علم نوع انسان کو حاصل ہوا تھا اور نہ تمام مذاہب ایک دوسرے کے مقابل پر آشکارا طور پر ایک جگہ موجود تھے۔ اس لئے وہ حقیقی اشاعت جو اتمام حجت کے ساتھ ہر ایک قوم پر ہو سکتی ہے اور ہر ایک ملک تک پہنچ سکتی ہے نہ اُس کا وجود تھا اور نہ معمولی اشاعت کے وسائل موجود تھے۔ لہٰذا تکمیل اشاعت کے لئے ایک اور زمانہ علم الٰہی نے مقرر فرمایا۔ جس میں کامل تبلیغ کے لئے کامل وسائل موجود تھے اور ضرور تھا کہ جیسا کہ تکمیل ہدایت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ہوئی ایسا ہی تکمیل اشاعتِ ہدایت بھی

۹۹

[ا] المائدۃ : ۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہو۔ کیونکہ یہ دونوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منصبی کام تھے۔ لیکن سنت اللہ کے لحاظ سے اس قدر خلود آپ کے لئے غیر ممکن تھا کہ آپ اُس آخری زمانہ کو پاتے۔ اور نیز ایسا خلود شرک کے پھیلنے کا ایک ذریعہ تھا اسلئے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خدمت منصبی کو ایک ایسے امتی کے ہاتھ سے پورا کیا کہ جو اپنی خو اور روحانیت کے رُو سے گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود کا ایک ٹکڑا تھا یا یوں کہو کہ وہی تھا۔ اور آسمان پر ظلّی طور پر آپ کے نام کا شریک تھا۔ اور ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ تکمیل ہدایت کا دن چھٹا دن تھا یعنی جمعہ۔ اس لئے رعایت تناسب کے لحاظ سے تکمیل اشاعت ہدایت کا دن بھی چھٹا دن ہی مقرر کیا گیا یعنی آخر الف ششم جو خدا کے نزدیک دنیا کا چھٹا دن ہے۔ جیسا کہ اس وعدہ کی طرف آیت لیظہرہٗ علی الدین کلّہ[1] اشارہ فرما رہی ہے اور اس چھٹے دن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خو اور رنگ پر ایک شخص جو مظہر تجلیات احمدیہ اور محمدیہ تھا مبعوث فرمایا گیا تا تکمیل اشاعت ہدایت فرقانی اس مظہر تام کے ذریعہ سے ہو جائے۔ غرض خدا تعالیٰ کی حکمت کاملہ نے اس بات کا التزام فرمایا کہ جیسا کہ تکمیل ہدایت قرآنی چھٹے دن ہوئی تھی ایسا ہی تکمیل اشاعت ہدایت قرآنی کے لئے الف ششم مقرر کیا گیا جو بموجب نصّ قرآنی چھٹے دن کے حکم میں ہے اور جیسا کہ تکمیل ہدایت قرآنی کا چھٹا دن جمعہ تھا ایسا ہی ہزار ششم میں بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے جمعہ کا مفہوم مخفی ہے۔ یعنی جیسا کہ جمعہ کا دوسرا حصہ تمام مسلمانوں کو ایک مسجد میں جمع کرتا ہے اور متفرق ائمہ کو معطل کر کے ایک ہی امام کا تابع کر دیتا ہے اور تفرقہ کو درمیان سے اٹھا کر اجتماعی صورت مسلمانوں میں پیدا کر دیتا ہے یہی خاصیت الف ششم کے آخری حصہ میں ہے یعنی وہ بھی اجتماع کو چاہتا ہے۔ اسی لئے لکھا ہے کہ اس وقت اسم ھادی کا پرتو ایسے زور میں ہوگا کہ بہت دُور افتادہ دلوں کو بھی خدا کی طرف کھینچ لائیگا۔ اور اسی کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے کہ ونفخ فی الصور فجمعناھم جمعًا[2] پس یہ جمع کا لفظ

[1] الصف : ۱۰ [2] الکہف : ۱۰۰

اسی رُوحانی جمعہ کی طرف اشارہ ہے۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دو بعث مقدر تھے (۱) ایک بعث تکمیل ہدایت کے لئے (۲) دوسرا بعث تکمیل اشاعت ہدایت کے لئے۔ اور یہ دونوں قسم کی تکمیل روز ششم سے وابستہ تھی تا خاتم الانبیاء کی مشابہت خاتم المخلوقات سے اتم اور اکمل طور پر ہو جائے۔ اور تا دائرہ خلقت اپنے استدارت کاملہ کو پہنچ جائے۔ سو ایک تو وہ روز ششم تھا جس میں آیت الیوم اکملت لکم دینکم[1] نازل ہوئی۔ اور دوسرے وہ روز ششم ہے جس کی نسبت آیت لیظہرہٗ علی الدین کلہ[2] میں وعدہ تھا یعنی آخری حصہ ہزار ششم۔ اور اسلام میں جو روز ششم کو عید کا دن مقرر کیا گیا یعنے جمعہ کو یہ بھی درحقیقت اسی کی طرف اشارہ ہے کہ روز ششم تکمیل ہدایت اور تکمیل اشاعت ہدایت کا دن ہے۔ اس وقت کے تمام مخالف مولویوں کو ضرور یہ بات ماننی پڑے گی کہ چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے اور آپ کی شریعت تمام دنیا کے لئے عام تھی اور آپ کی نسبت فرمایا گیا تھا ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النّبیین[3] اور نیز آپ کو یہ خطاب عطا ہوا تھا قل یا ایھا الناس انّی رسول اللّٰہ الیکم جمیعًا[4] سو اگرچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد حیات میں وہ تمام متفرق ہدایتیں جو حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک تھیں قرآن شریف میں جمع کی گئیں لیکن مضمون آیت قل یا ایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعًا[5] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں عملی طور پر پورا نہیں ہو سکا کیونکہ کامل اشاعت اس پر موقوف تھی کہ تمام ممالک مختلفہ یعنی ایشیا اور یورپ اور افریقہ اور امریکہ اور آبادی دنیا کے انتہائی گوشوں تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی تبلیغ قرآن ہو جاتی اور یہ اس وقت غیر ممکن تھا بلکہ اسوقت تک تو دنیا کی کئی آبادیوں کا ابھی پتہ بھی نہیں لگا تھا اور دور دراز سفروں کے ذرائع ایسے مشکل تھے کہ گویا معدوم تھے۔ بلکہ اگر وہ ساٹھ برس الگ کر دیئے جائیں جو اس عاجز کی عمر کے ہیں تو ۱۲۵۷ ہجری تک بھی اشاعت کے وسائل کاملہ گویا کالعدم تھے اور اس زمانہ تک امریکہ کل

صفحہ ۱

[1] المائدہ: ۴ [2] الصف: ۱۰ [3] الاحزاب: ۴۱ [4،5] الاعراف: ۱۵۹

اور یورپ کا اکثر حصہ قرآنی تبلیغ اور اس کے دلائل سے بے نصیب رہا ہوا تھا بلکہ دُور دُور ملکوں کے گوشوں میں تو ایسی بے خبری تھی کہ گویا وہ لوگ اسلام کے نام سے بھی ناواقف تھے غرض آیت موصوفہ بالا میں جو فرمایا گیا تھا کہ اے زمین کے باشندو! مَیں تم سب کی طرف رسول ہوں عملی طور پر اس آیت کے مطابق تمام دنیا کو ان دنوں سے پہلے ہرگز تبلیغ نہیں ہوسکی اور نہ اتمام حجت ہُوا کیونکہ وسائل اشاعت موجود نہیں تھے۔ اور نیز زبانوں کی اجنبیت سخت روک تھی۔ اور نیز یہ کہ دلائل حقانیت اسلام کی واقفیت اس پر موقوف تھی کہ اسلامی ہدایتیں غیر زبانوں میں ترجمہ ہوں اور یا وہ لوگ خود اسلام کی زبان سے واقفیت پیدا کریں۔ اور یہ دونوں امر اس وقت غیر ممکن تھے۔ لیکن قرآن شریف کا یہ فرمانا کہ و من بلغ یہ امید دلاتا تھا کہ ابھی اور بہت سے لوگ ہیں جو ابھی تبلیغ قرآنی اُن تک نہیں پہنچی۔ ایسا ہی آیت و اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم[1] اس بات کو ظاہر کر رہی تھی کہ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہدایت کا ذخیرہ کامل ہوگیا مگر ابھی اشاعت ناقص ہے اور اس آیت میں جو منھم کا لفظ ہے وہ ظاہر کر رہا تھا کہ ایک شخص اس زمانہ میں جو تکمیلِ اشاعت کے لئے موزون ہے مبعوث ہوگا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں ہوگا اور اس کے دوست مخلص صحابہ کے رنگ میں ہونگے۔ غرض اسمیں کسی کو متقدمین اور متاخرین میں سے کلام نہیں کہ اسلامی اقبال کے زمانہ کے دو حصے کئے گئے + (۱)

+ حاشیہ۔ اس تقسیم کو خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دو منصب قائم کرتا ہے (۱) ایک کامل کتاب کو پیش کرنے والا جیسا کہ فرمایا کہ یتلوا صحفًا مطھّرۃً فیھا کتب قیّمۃ[2] (۲) دوسری تمام دنیا میں اس کتاب کی اشاعت کرنے والا جیسا کہ فرماتا ہے لیظھرہٗ علی الدین کلّہ[3] اور تکمیل ہدایت کے لئے خدا نے چھٹا دن اختیار فرمایا۔ اس لئے یہ پہلی سنت اللہ ہمیں سمجھاتی ہے کہ تکمیل اشاعت ہدایت کا دن بھی چھٹا ہی ہے اور وہ ہزار ششم ہے اور علمائے کرام اور تمام اکابر ملت اسلام قبول کر چکے ہیں کہ تکمیل اشاعت مسیح موعود کے ذریعہ سے ہوگی۔ اور اب ثابت ہُوا کہ تکمیل اشاعت ہزار ششم میں ہوگی اس لئے نتیجہ یہ نکلا کہ مسیح موعود ہزار ششم میں مبعوث ہوگا۔ منہ

[1] الجمعۃ: ۴ [2] البیّنۃ: ۳-۴ [3] الصف: ۱۰

ایک تکمیل ہدایت کا زمانہ جس کی طرف یہ آیت اشارہ فرماتی ہے یتلوا صحفًا مطھّرۃ فیھا کتب قیّمۃ[1] (۲) دوسرے تکمیل اشاعت کا زمانہ جس کی طرف آیت لیظھرہ علی الدین کلّہ[2] اشارہ فرما رہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جیسا کہ یہ فرض تھا کہ بوجہ ختم نبوت تکمیل ہدایت کریں۔ ایسا ہی بوجہ عموم شریعت یہ بھی فرض تھا کہ تمام دنیا میں تکمیل اشاعت بھی کریں۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اگرچہ تکمیل ہدایت ہوگئی جیسا کہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم[3] اور نیز آیت یتلوا صحفًا مطھّرۃ فیھا کتب قیّمۃ[1] اس پر گواہ ہے۔ لیکن اس وقت تکمیل اشاعت ہدایت غیر ممکن تھی۔ اور غیر زبانوں تک دین کو پہنچانے کے لئے اور پھر اس کے دلائل سمجھانے کے لئے اور پھر ان لوگوں کی ملاقات کے لئے کوئی احسن انتظام نہ تھا اور تمام دیار بلاد کے تعلقات ایسے ایک دوسرے سے الگ تھے کہ گویا ہر ایک قوم یہی سمجھتی تھی کہ اُن کے ملک کے بغیر اور کوئی ملک نہیں۔ جیسا کہ ہندو بھی خیال کرتے تھے کہ کوہ ہمالیہ کے پار اور کوئی آبادی نہیں اور نیز سفر کے ذریعے بھی سہل اور آسان نہیں تھے اور جہاز کا چلنا بھی صرف باد شرط پر موقوف تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے تکمیل اشاعت کو ایک ایسے زمانہ پر ملتوی کر دیا جس میں قوموں کے باہم تعلقات پیدا ہو گئے اور برّی اور بحری مرکب ایسے نکل آئے جن سے بڑھ کر سہولت سواری کی ممکن نہیں۔ اور کثرت مطابع نے تالیفات کو ایک ایسی شیرینی کی طرح بنا دیا جو دنیا کے تمام مجمع میں تقسیم ہوسکے۔ سو اس وقت حسب منطوق آیت واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم[4] اور نیز حسب منطوق آیت قل یا یھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعًا[5] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے بعث کی ضرورت ہوئی اور ان تمام خادموں نے جو ریل اور تار اور اگن بوٹ اور مطابع اور احسن انتظام ڈاک اور باہمی زبانوں کا علم اور خاصکر ملک ہند میں اردو نے جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک زبان مشترک ہوگئی تھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بزبان حال درخواست کی کہ

[1] البیّنۃ: ۳، ۴ [2] الصف: ۱۰ [3] المائدۃ: ۴ [4] الجمعۃ: ۴ [5] الاعراف: ۱۵۹

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تمام خدام حاضر ہیں اور فرض اشاعت پورا کرنے کیلئے بدل وجان سرگرم ہیں۔ آپ تشریف لائیے اور اس اپنے فرض کو پورا کیجیئے کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ میں تمام کافہ ناس کیلئے آیا ہوں اور اب یہ وہ وقت ہے کہ آپ اُن تمام قوموں کو جو زمین پر رہتی ہیں قرآنی تبلیغ کر سکتے ہیں اور اشاعت کو کمال تک پہنچا سکتے ہیں اور اتمام حجت کے لئے تمام لوگوں میں دلائل حقانیت قرآن پھیلا سکتے ہیں تب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے جواب دیا کہ دیکھو میں بروز کے طور پر آتا ہوں۔✝ مگر میں ملک ہند میں آؤنگا۔ کیونکہ جوش مذاہب واجتماع جمیع ادیان اور مقابلہ جمیع ملل ونحل اور امن اور آزادی اسی جگہ ہے اور نیز آدم علیہ السلام اسی جگہ نازل ہوا تھا۔ پس ختم دور زمانہ کے وقت بھی وہ جو آدم کے رنگ میں آتا ہے اسی ملک میں اس کو آنا چاہیئے تا آخر اور اول کا ایک ہی جگہ اجتماع ہو کر دائرہ پورا ہو جائے۔ اور چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا حسب آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ دوبارہ تشریف لانا بجز صورت بروز غیر ممکن تھا اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے ایک ایسے شخص کو اپنے لئے منتخب کیا جو خلق اور خو اور ہمت اور ہمدردی خلائق میں اس کے مشابہ تھا اور مجازی طور پر اپنا نام احمد اور محمد اس کو عطا کیا تا یہ سمجھا جائے کہ گویا اس کا ظہور بعینہٖ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور تھا لیکن یہ امر کہ یہ دوسرا بعث کس زمانہ میں چاہیئے تھا! اس کا یہ جواب ہے کہ چونکہ

✝ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا فرض منصبی جو تکمیل اشاعت ہدایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بوجہ عدم وسائل اشاعت غیر ممکن تھا اسلئے قرآن شریف کی آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ[1] میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ثانی کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اس وعدہ کی ضرورت اسی وجہ سے پیدا ہوئی کہ تا دوسرا فرض منصبی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یعنی تکمیل اشاعت ہدایت دین جو آپکے ہاتھ سے پورا ہونا چاہیئے تھا اُسوقت بباعث عدم وسائل پورا نہیں ہوا سو اس فرض کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی آمد ثانی سے جو بروزی رنگ میں تھی ایسے زمانہ میں پورا کیا جبکہ زمین کی تمام قوموں تک اسلام پہنچانے کیلئے وسائل پیدا ہو گئے تھے۔ منہ

[1] الصف : ۱۰

خدا تعالیٰ کے کاموں میں تناسب واقع ہے اور وضع شیٔ فی محلہٖ اس کی عادت ہے جیسا کہ اسم حکیم کے مفہوم کا مقتضا ہونا چاہیئے۔ اور نیز وہ بوجہ واحد ہونے کے وحدت کو پسند کرتا ہے اس لئے اُس نے یہی چاہا کہ جیسا کہ تکمیل ہدایت قرآن خلقتِ آدم کی طرح چھٹے دن کی گئی یعنی بروز جمعہ ایسا ہی تکمیل اشاعت کا زمانہ بھی وہی ہو جو چھٹے دن سے مشابہ ہو۔ لہٰذا اُس نے اس بعث دوم کے لئے ہزار ششم کو پسند فرمایا اور وسائل اشاعت بھی اِسی ہزار ششم میں وسیع کئے گئے اور ہر ایک اشاعت کی راہ کھولی گئی۔ ہر ایک ملک کی طرف سفر آسان کئے گئے۔ جابجا مطبع جاری ہوگئے۔ ڈاکخانجات کا احسن انتظام ہو گیا۔ اکثر لوگ ایک دوسرے کی زبان سے بھی واقف ہو گئے اور یہ امور ہزار پنجم میں ہرگز نہ تھے بلکہ اس ساٹھ سال سے پہلے جو اس عاجز کی گذشتہ عمر کے دن ہیں ان تمام اشاعت کے وسیلوں سے ملک خالی پڑا ہوا تھا اور جو کچھ ان میں سے موجود تھا وہ ناتمام اور کم قدر اور شاذ و نادر کے حکم میں تھا۔

یہ وہ ثبوت ہیں جو میرے مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے پر کھلے کھلے دلالت کرتے ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک شخص بشرطیکہ متقی ہو جس وقت اِن تمام دلائل میں غور کرے گا تو اس پر روز روشن کی طرح کھل جائیگا کہ مَیں خدا کی طرف سے ہوں۔ انصاف سے دیکھو کہ میرے دعویٰ کے وقت کس قدر میری سچائی پر گواہ جمع ہیں[*] (۱) زمین پر وہ مفاسد موجود ہیں جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی قریباً بیخ کنی کر دی ہے۔ اسلام کی اندرونی حالت

[*] منجملہ گواہوں کے ایک یہ بھی زبردست گواہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ثبوت ہر ایک پہلو سے اس زمانہ میں پیدا ہو گئے ہیں یہاں تک کہ یہ ثبوت بھی نہایت قوی اور روشن دلائل سے مل گیا کہ آپ کی قبر سری نگر علاقہ کشمیر خان یار کے محلہ میں ہے۔ یاد رہے کہ ہمارے اور ہمارے مخالفوں کے صدق و کذب آزمانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات حیات ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ درحقیقت زندہ ہیں تو ہمارے سب دعوے جھوٹے اور سب دلائل ہیچ ہیں۔ اور اگر وہ درحقیقت قرآن کے رُو سے فوت شدہ ہیں تو ہمارے مخالف باطل پر ہیں۔ اب قرآن درمیان میں ہے اس کو سوچو۔ منہ

ایسی نازک حالت ہو رہی ہے کہ دین مطہر ہزارہا بدعات کے نیچے دب گیا ہے۔ بارہ سو[۱۲۰۰] برس میں تو صرف تہتّر فرقے اسلام کے ہوگئے تھے لیکن تیرھویں صدی نے اسلام میں وہ بدعات اور نئے فرقے پیدا کئے جو بارہ سو برس[۱۲۰۰] میں پیدا نہیں ہوئے تھے اور اسلام پر بیرونی حملے اسقدر زور شور سے ہو رہے ہیں کہ وہ لوگ جو صرف حالات موجودہ سے نتیجہ نکالتے ہیں اور آسمانی ارادوں سے ناواقف ہیں انہوں نے رائیں ظاہر کردیں کہ اب اسلام کا خاتمہ ہے۔ ایسا عالی شان دین جس میں ایک شخص کے مرتد ہونے سے بھی شور قیامت قوم میں برپا ہوتا تھا۔ اب لاکھوں انسان دین سے باہر ہوتے جاتے ہیں اور صدی کا سر جس کی نسبت یہ بشارت تھی کہ اس میں مفاسد موجودہ کی اصلاح کیلئے کوئی شخص امت میں سے مبعوث ہوتا رہیگا اب مفاسد تو موجود ہیں بلکہ نہایت ترقی پر مگر بقول ہمارے مخالفوں کے ایسا شخص کوئی مبعوث نہیں ہوا جو ان مفاسد کی اصلاح کرتا جو ایمان کو کھاتے جاتے ہیں اور صدی میں سے قریبًا پانچواں حصّہ گذر بھی گیا۔ گویا ایسی ضرورت کے وقت میں یہ پیشگوئی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خطا گئی حالانکہ یہی وہ صدی تھی جس میں اسلام غریب تھا اور سراسر آسمانی تائید کا محتاج تھا اور یہی وہ صدی تھی جس کے سر پر ایسا شخص مبعوث ہونا چاہیئے تھا جو عیسائی حملوں کی مدافعت کرتا اور صلیب پر فتح پاتا یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہو کہ مسیح موعود ہو کر آتا اور کسر صلیب کرتا۔ سو خدا نے اس صدی پر یہ طوفانِ ضلالت دیکھکر اور اسقدر رُوحانی موتوں کا مشاہدہ کر کے کیا انتظام کیا؟ کیا کوئی شخص اس صدی کے سر پر صلیبی مفاسد کے توڑنے کے لئے پیدا ہو[۱]؟ اس میں کیا شک ہے کہ مرکزِ ضلالت ✠ ہندوستان تھا

✠ اگر کوئی اپنے گھر کی چار دیوار سے چند روز کے لئے باہر جاکر مکّہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور بلاد شام وغیرہ ممالک اسلامیہ کا سیر کرے تو وہ اس بات کی گواہی دیگا کہ جس قدر مختلف مذاہب کا مجموعہ آجکل ہمارا یہ ملک ہو رہا ہے اور جس قدر ہر یک مذہب کے لوگ دن رات ایک دوسرے پر حملہ کر رہے ہیں اس کی نظیر کسی ملک میں موجود نہیں۔ منہ

[۱] یہاں کاتب کی غلطی سے الف رہ گیا ہے "ہوا" چاہیئے تھا۔ مصحح ۱۷۹

کیونکہ اس ملک میں صدہا مذاہب فاسدہ اور ہزارہا بدعات مہلکہ جن کی نظیر کسی ملک میں نہیں پیدا ہو گئے۔ اور آزادی نے جیسا کہ بدی کے لئے راہ کھولی ایسا ہی نیکی کے لئے بھی۔ لیکن چونکہ بدی کے مواد بہت جمع ہو رہے تھے اس لئے پہلے پہل بدی کو ہی اس آزادی نے قوت دی اور زمین میں اس قدر خار و خسک پیدا ہوا کہ قدم رکھنے کی جگہ نہ رہی۔ ہر ایک عقل جو صاف اور پاک اور رُوح القدس سے مدد یافتہ ہے وہ سمجھ سکتی ہے کہ یہی زمانہ مسیح موعود کے پیدا ہونے کا تھا۔ اور یہی صدی اس لائق تھی کہ اس میں وہ عیسےٰ ابن مریم مبعوث ہوتا جو زمانہ حال کی صلیب پر فتح پاتا جو عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ جیسا کہ گذشتہ عیسےٰ ابن مریم نے اس صلیب پر فتح پائی تھی جو یہودیوں کے ہاتھ میں تھا۔ احادیث نبویہ میں اسی فتح کو کسر صلیب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ فتنۂ صلیبیہ جس مرتبہ تک پہنچ چکا ہے وہ ایک ایسا مرتبہ ہے کہ غیرت الٰہی نہیں چاہتی کہ اس سے بڑھ کر اس کی ترقی ہو۔ اس پر یہ دلیل کافی ہے کہ جس کمال سیلاب تک اس وقت یہ فتنہ موجود ہے۔ اور جن انواع و اقسام کے پہلوؤں سے اس فتنہ نے دین اسلام پر حملہ کیا ہے اور جس دلیری اور بیباکی کے ہاتھ سے عزت جناب نبوی پر اس فتنہ نے ہاتھ ڈالا ہے اور جن کامل تدبیروں سے اطفاء نورِ اسلام کے لئے اس فتنہ نے کام لیا ہے اس کی نظیر زمانہ کی کسی تاریخ میں موجود نہیں۔ اور جن فتنوں کے وقت میں بنی اسرائیل میں نبی اور رسول آیا کرتے تھے یا اس امت میں مجدد ظاہر ہوتے تھے وہ تمام فتنے اس فتنہ کے آگے کچھ بھی چیز نہیں۔ اور یہ امر اُن امورِ محسوسہ بدیہیہ میں سے ہے جن کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اسلام کی تکذیب اور ردّ میں اس تیرھویں صدی میں بیس کروڑ کے قریب کتاب اور رسالے تالیف ہو چکے ہیں۔ اور ہر ایک گھر میں نصرانیت داخل ہو گئی ہے۔ تو کیا ان سو سال کے

ص۱۰۳

حملہ کے بعد خدا کے ایک حملہ کا وقت اب تک نہیں آیا۔* اور اگر آ گیا تو اب تم آپ ہی بتلاؤ کہ صلیب پر فتح پانے کے لئے یا حسب اصطلاح قدیم صلیب کی کسر کیلئے اس صدی پر مجدّد آتا اس کا نام کیا چاہیئے تھا؟ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کاسر الصلیب کا کیا نام رکھا ہے؟ کیا کاسر الصلیب کا نام مسیح موعود اور عیسیٰ بن مریم نہیں ہے؟ پھر کیونکر ممکن تھا کہ اس صدی کے سر پہ بجز مسیح موعود کے کوئی اور مجدّد آسکتا؟※

---

* اس حملہ سے مراد یہ نہیں ہے کہ اسلام تلوار اور بندوق سے حملہ کرے بلکہ سچی ہمدردی سب سے زیادہ تیز ہتھیار ہے۔ عیسائیت کو دلائل سے پست کرو۔ مگر نیک نیتی اور نوع انسان کی محبت سے۔ اور اس وقت خدا کی غیرت کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ خونریزیوں اور لڑائیوں کی بنیاد ڈالے بلکہ خدا اسوقت فقط یہ چاہتا ہے کہ انسان کی نسل پر رحم کرکے اپنے کھلے کھلے نشانوں کے ساتھ اور اپنے قوی دلائل اور اپنی قدرت نمائی کے زور بازو سے شرک اور مخلوق پرستی سے ان کو نجات دے۔ منہ

※ ہر ایک صدی کے سر پہ مجدّد تو آتا ہے اور اس میں ایک حدیث موجود ہے مگر مسیح موعود کے آنے کے لئے قرآن شریف بلند آواز سے دعادہ فرما رہا ہے۔ سورۃ فاتحہ کی یہ دُعا کہ خدا سے دُعا کرو کہ خدا تمہیں اُس وقت کے فتنہ سے بچاوے جبکہ خدا کے مسیح موعود کی تکفیر اور تکذیب ہوگی اور زمین پر عیسائیت کا غلبہ ہوگا صاف لفظوں میں اس موعود کی خبر دیتی ہے۔ ایسا ہی آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون[1] صاف بتلا رہی ہے کہ جب ایک قوم پیدا ہوگی کہ اس ذکر کو دنیا سے مٹانا چاہے گی تو اس وقت خدا آسمان سے اپنے کسی فرستادہ کے ذریعہ سے اس کی حفاظت کرے گا۔ منہ

[1] الحجر: ۱۰

خاتمۂ کتاب

اِس خاتمہ میں ہم ناظرین کے توجہ دلانے کے لئے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن شریف اور خدا تعالےٰ کی پہلی کتابوں کے رُو سے نہایت صفائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تین قسم کی مخلوق دنیا میں ظاہر ہو جائے تو سمجھو کہ مسیح موعود آگیا یا دروازے پر ہے۔

(۱) مسیح الدّجال جس کا ترجمہ ہے کہ خلیفۂ ابلیس کیونکہ دجال ابلیس کے ناموں میں سے ایک نام ہے جو اس کا اسم اعظم ہے جس کے معنے ہیں کہ حق کو چُھپانے والا اور جھوٹ کو رونق اور چمک دینے والا اور ہلاکت کی راہوں کو کھولنے والا اور زندگی کی راہوں پر پردہ ڈالنے والا اور یہی مقصود اعظم شیطان ہے اس لئے یہ اسم اس کا اسم اعظم ہے اور اس کے مقابل پر ہے مسیح اللہ الحی القیوم۔ جس کا ترجمہ ہے خدائے حیّ وقیّوم کا خلیفہ۔ اللہ حیّ قیّوم بالاتفاق خدا کا اسم اعظم ہے جس کے معنے ہیں روحانی اور جسمانی طور پر زندہ کرنے والا اور ہر دو قسم کی زندگی کا دائمی سہارا اور قائم بالذات اور سب کو اپنی ذاتی کشش سے قائم رکھنے والا اور اللہ جس کا ترجمہ ہے وہ معبود۔ یعنی وہ ذات جو غیر مدرک اور فوق العقول اور وراء الوراء اور دقیق در دقیق ہے جس کی طرف ہر ایک چیز عابدانہ رنگ میں یعنی عشقی فنا کی حالت میں جو نظری فنا ہے یا حقیقی فنا کی حالت میں جو موت ہے رجوع کر رہی ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ تمام نظام اپنے خواص کو نہیں چھوڑتا گویا ایک حکم کا پابند ہے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ جو خدا تعالیٰ کا اسم اعظم ہے یعنی اللہ الحیّ القیّوم اس کے مقابل پر شیطان کا اسم اعظم الدجّال ہے اور خدا تعالےٰ نے چاہا کہ آخری زمانہ میں اس کے اسم اعظم اور شیطان کے اسم اعظم کی ایک کشتی ہو۔ جیسا کہ پہلے بھی آدم کی پیدائش کے وقت میں ایک کشتی ہوئی ہے۔ پس جیسا کہ ایک زمانہ میں

۱۰۴

خدا نے شیطان کو ایوب پر مسلّط کردیا ایسا ہی اُس نے اس کشتی کے وقت اسلام پر شیطان کو مسلّط کیا اور اس کو اجازت دے دی کہ اب تو اپنے تمام سواروں اور پیادوں کے ساتھ اسلام پر بے شک حملہ کر۔ تب شیطان* نے جیسا کہ اس کی عادت ہے ایک قوم کو

* یہ تحقیق شدہ امر ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے کہ دراصل دجّال شیطان کا اسم اعظم ہے جو مقابل خدا تعالیٰ کے اسم اعظم کے ہے جو اللّٰہ الحیّ القیّوم ہے۔ اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ نہ حقیقی طور پر دجّال یہود کو کہہ سکتے ہیں نہ نصاریٰ کے پادریوں کو اور نہ کسی اَور قوم کو۔ کیونکہ یہ سب خدا کے عاجز بندے ہیں۔ خدا نے اپنے مقابل پر ان کو کچھ اختیار نہیں دیا۔ پس کسی طرح ان کا نام دجّال نہیں ہوسکتا۔ ہاں شیطان کے اس اسم کے لئے مظاہر ہیں کہ جب سے دنیا شروع ہوئی اس وقت سے وہ مظاہر بھی چلے آتے ہیں۔ اور پہلا مظہر قابیل تھا جو حضرت آدم کا پہلا بیٹا تھا جس نے اپنے بھائی ہابیل کی قبولیت پر حسد کیا۔ اور اس حسد کی شامت سے ایک بے گناہ کے خون سے اپنا دامن آلودہ کردیا۔ اور آخری مظہر شیطان کے اسم دجّال کا جو مظہر اتم اور اکمل اور خاتم المظاہر ہے وہ قوم ہے جس کا قرآن کے اوّل میں بھی ذکر ہے اور قرآن کے آخر میں بھی یعنی وہ ضالین کا فرقہ جس کے ذکر پر سورۃ فاتحہ ختم ہوتی ہے*۔ اور پھر قرآن شریف کی آخری تین سورتوں میں بھی

* حاشیہ در حاشیہ: ضالین سے مراد صرف گمراہ نہیں بلکہ وہ عیسائی مراد ہیں جو افراط محبت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کی شان میں غلو کرتے ہیں۔ کیونکہ ضلالت کے یہ بھی معنے ہیں کہ افراط محبت سے ایک شخص کو ایسا اختیار کیا جائے کہ دوسرے کا عزت کے ساتھ نام سُننے کی بھی برداشت نہ رہے جیسا کہ اس آیت میں بھی یہی معنے مراد ہیں کہ انک لفی ضلالک القدیم[1]۔ اور المغضوب علیھم[2] سے وہ علماءِ یہودی مراد ہیں جنہوں نے شدت عداوت کی وجہ سے حضرت عیسےٰ کی نسبت یہ بھی روا نہ رکھا کہ انکو مومن قرار دیا جائے بلکہ کافر کہا اور واجب القتل قرار دیا۔ اور مغضوب علیہ وہ شدید الغضب انسان ہوتا ہے جس کے غضب کے غلوّ پر دوسرے کو غضب آوے۔ اور یہ دونوں لفظ باہم مقابل واقع ہیں۔ یعنی ضالین وہ ہیں جنہوں نے افراط محبت سے حضرت عیسیٰ کو خدا بنایا اور المغضوب علیھم وہ یہودی ہیں جنہوں نے خدا کے مسیح کو افراط عداوت سے کافر قرار دیا اس لئے مسلمانوں کو سورۃ فاتحہ میں ڈرایا گیا اور اشارہ کیا گیا کہ تمہیں یہ دونوں امتحان پیش آئیں گے۔ مسیح موعود آئیگا اور پہلے مسیح کی طرح اُسکی بھی تکفیر کی جائیگی اور ضالین یعنی عیسائیوں کا غلبہ بھی کمال کو پہنچ جائیگا جو حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے ہیں تم ان دونوں فتنوں سے اپنے تئیں بچاؤ اور بچنے کیلئے نمازوں میں دعائیں کرتے رہو۔ منہ

[1] یوسف: ۹۶ [2] الفاتحہ: ۷

اپنا مظہر بنایا اور اسلام پر ایک سخت حملہ کیا اور خدا نے اپنے اسم اعظم کا ایک شخص کو

حاشیہ

اس کا ذکر ہے یعنی سورۃ اخلاص اور سورۃ فلق اور سورۃ ناس میں - صرف یہ فرق ہے کہ سورۃ اخلاص میں تو اس قوم کی اعتقادی حالت کا بیان ہے - جیسا کہ فرمایا قل ھو اللّٰہ احد اللّٰہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد[1] - یعنی خدا ایک ہے اور احد ہے یعنی اس میں کوئی ترکیب نہیں - نہ کوئی اس کا بیٹا اور نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے - پس اس سورۃ میں تو اس قوم کے عقائد بتلائے گئے - پھر اس کے بعد سورۃ فلق میں یہ اشارہ کیا گیا کہ یہ قوم اسلام کے لئے خطرناک ہے اور اس کے ذریعہ سے آخری زمانہ میں سخت تاریکی پھیلیگی اور اس زمانہ میں اسلام کو ایک بڑے شر کا سامنا ہوگا - اور یہ لوگ معضلات اور دقائق دین میں گرہ در گرہ دیگر مکار عورتوں کی طرح لوگوں کو دھوکا دیں گے اور یہ تمام کاروبار محض حسد کے باعث ہوگا - جیسا کہ قابیل کا کاروبار حسد کے باعث تھا - فرق صرف یہ ہے کہ قابیل نے اپنے بھائی کا خون زمین پر گرایا مگر یہ لوگ بباعث جوش حسد سچائی کا خون کرینگے - غرض سورۃ قل ھو اللّٰہ احد میں ان لوگوں کے عقائد کا بیان ہے اور سورۃ فلق میں ان لوگوں کے ان اعمال کی تشریح ہے جو قوت اور طاقت کے وقت ان سے ظاہر ہونگے - چنانچہ دونوں سورتوں کو بالمقابل رکھنے سے صاف سمجھ آتا ہے کہ پہلی سورۃ یعنی سورۃ اخلاص میں قوم نصاریٰ کے اعتقادی حالات کا بیان ہے اور دوسری سورۃ میں عملی حالات کا ذکر ہے - اور سخت تاریکی سے آخری زمانہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ یہ لوگ اس روح کے مظہر اتم ہونگے جو خدا کی طرف سے مغلق ہے اور ان دونوں سورتوں کے بالمقابل لکھنے سے جلدتر ان لطیف اشارات کا علم ہو سکتا ہے - مثلاً مقابل پر رکھ کر یوں پڑھو :-

قل ھو اللّٰہ احد اللّٰہ الصمد	قل اعوذ برب الفلق[2]
کہہ وہ معبود حقیقی جس کی طرف سب چیزیں	کہہ میں پناہ مانگتا ہوں اُس رب کی جس نے

[1] الاخلاص: ۲ تا ۵ [2] الفلق: ۲

مظہر بنایا اور اس کو ایک حالت فنا عطا کر کے اپنی طرف رجوع دیا تا حقیقی عبادت

عبودیت تامہ کی فنا کے بعد یا قہری فنا کے بعد رجوع کرتی ہیں ایک ہے باقی سب مخلوقات دو قسم فنا میں سے کسی فنا کے نیچے ہیں اور سب چیزیں اس کی محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔

لم یلد ولم یولد

وہ ایسا ہے کہ نہ تو اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔

ولم یکن لہ کفواً احد

اور ازل سے اس کا کوئی نظیر اور مثیل نہیں۔ یعنی وہ اپنی ذات میں نظیر اور مثیل سے پاک اور منزّہ ہے

تمام مخلوقات پیدا کی اس طرح پر کہ ایک کو پھاڑ کر اس میں سے دوسرا پیدا کیا یعنی بعض کو بعض کا محتاج بنایا اور جو تاریکی کے بعد صبح کو پیدا کرنے والا ہے۔

من شرّ ما خلق [1]

ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں ایسی مخلوق کی شر سے جو تمام شریروں سے شر میں بڑھی ہوئی ہے اور شرارتوں میں اُسکی نظیر ابتدائے دنیا سے اخیر تک اور کوئی نہیں جنکا عقیدہ امر حق لم یلد ولم یولد کے برخلاف ہے یعنی وہ خدا کے لئے ایک بیٹا تجویز کرتے ہیں۔

ومن شرّ غاسق اذا وقب ومن شرّ النّفّٰثٰت فی العقد ومن شرّ حاسد اذا حسد [2]۔ اور ہم پناہ مانگتے ہیں خدا تعالیٰ کی اس زمانہ سے جبکہ تثلیث اور شرک کی تاریکی تمام دنیا پر پھیل جائیگی۔ اور نیز اُن لوگوں کے شر سے کہ جو پھونکیں مار کر گرہیں دینگے یعنی دھوکا دہی میں جادو کا کام دکھائینگے اور راہ راست کی معرفت کو مشکلات میں ڈال دینگے اور نیز اس بڑے حاسد کے حسد سے پناہ مانگتا ہوں جبکہ وہ گروہ سراسر حسد کی راہ سے حق پوشی کریگا

[1] الفلق: ۳ [2] الفلق: ۴ تا ۶

۱۰۵ کے رنگ میں المعبود کے ساتھ اس کا تعلق ہوا[۱] اور اس کا نام احمد رکھا کیونکہ الطف

حاشیہ در حاشیہ متعلقہ صفحہ ۲۷۱

یہ تمام اشارات عیسائی پادریوں کی طرف ہیں کہ ایک زمانہ آنے والا ہے جو وہ دنیا میں شر پھیلائینگے اور دنیا کو تاریکی سے بھر دینگے اور جادو کی طرح ان کا دھوکا ہوگا اور وہ سخت حاسد ہونگے اور اسلام کو حسد کی راہ سے بنظر تحقیر دیکھینگے اور لفظ رب الفلق اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس تاریکی کے بعد پھر صبح کا زمانہ بھی آئیگا جو مسیح موعود کا زمانہ ہے۔

اس مقابلہ سے جو سورہ اخلاص سے سورہ فلق کا کیا گیا ظاہر ہے کہ ان دونوں سورتوں میں ایک ہی فرقہ کا ذکر ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ سورۃ اخلاص میں اس فرقہ کی اعتقادی حالت کا بیان ہے اور سورۃ فلق میں اس فرقہ کی عملی حالت کا ذکر ہے۔ اور اس فرقہ کا نام سورۃ الفلق میں شرّ ما خلق رکھا گیا ہے یعنی شرّ البریہ۔ اور احادیث پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دجّال معہود کا نام بھی شرّ البریہ ہے کیونکہ آدم کے وقت سے اخیر تک شر میں اُس کے برابر کوئی نہیں۔ پھر ان دونوں سورتوں کے بعد سورۃ الناس ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ قل اعوذ بربّ الناس۔ ملک الناس۔ الٰہ الناس۔ من شرّ الوسواس الخنّاس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنّۃ والناس[۲]۔ ۱۰۶ یعنی وہ جو انسانوں کا پروردگار اور انسانوں کا بادشاہ اور انسانوں کا خدا ہے میں وسوسہ انداز خناس کے وسوسوں سے اس کی پناہ مانگتا ہوں۔ وہ خناس جو انسانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے جو جنّوں اور آدمیوں میں سے ہے۔ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اس خنّاس کی وسوسہ اندازی کا وہ زمانہ ہوگا کہ جب اسلام کے لئے نہ کوئی مربّی اور عالم ربّانی زمین پر موجود ہوگا اور نہ اسلام میں کوئی حامیٔ دین بادشاہ ہوگا تب مسلمانوں کے لئے ہر ایک موقع پر خدا ہی پناہ ہوگا۔ وہی خدا وہی مربّی وہی بادشاہ وہی

۱ اس جگہ کاتب کی غلطی سے ایک الف زائد لکھا گیا ہے۔ صحیح لفظ "ہو" ہے۔ مصحح ۱۸۶ ۲ الناس: ۲ تا ۷

اور اعلیٰ اقسام عبادت کی حمد ہے جو صفات باری کی معرفتِ تامہ کو چاہتی ہے - اور بغیر

حاشیہ در حاشیہ

ب دامنح ہو کہ خناس شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے - یعنی جب شیطان سانپ کی سیرت پر قدم مارتا ہے اور کھلے کھلے اکراہ اور جبر سے کام نہیں لیتا اور سراسر مکر اور فریب اور وسوسہ اندازی سے کام لیتا ہے اور اپنی نیش زنی کے لئے نہایت پوشیدہ راہ اختیار کرتا ہے تب اُسکو خنّاس کہتے ہیں - عبرانی میں اس کا نام نحاش ہے - چنانچہ توریت کے ابتداء میں لکھا ہے کہ نحاش نے حوّا کو بہکایا اور حوّا نے اس کے بہکانے سے وہ پھل کھایا جس کا کھانا منع کیا گیا تھا - تب

+ حاشیہ در حاشیہ نمبر

یاد رہے کہ یہ حوّا کا گناہ تھا کہ براہ راست شیطان کی بات کو مانا اور خدا کے حکم کو توڑا - اور سچ تو یہ ہے کہ حوّا کا نہ ایک گناہ بلکہ چار گناہ تھے (۱) ایک یہ کہ خدا کے حکم کی بے عزتی کی اور اُس کو جھوٹا سمجھا (۲) دوسرا یہ کہ خدا کے دشمن اور ابدی لعنت کے مستحق اور جھوٹ کے پتلے شیطان کو سچا سمجھ لیا (۳) تیسرا یہ کہ اُس نافرمانی کو صرف عقیدہ تک محدود نہ رکھا بلکہ خدا کے حکم کو توڑ کر عملی طور پر ارتکاب معصیت کیا (۴) چوتھا یہ کہ حوّا نے نہ صرف آپ ہی خدا کا حکم توڑا بلکہ شیطان کا قائم مقام بن کر آدم کو بھی دھوکا دیا - تب آدم نے محض حوّا کی دھوکا دہی سے وہ پھل کھایا جس کی ممانعت تھی اسی وجہ سے حوّا خدا کے نزدیک سخت گنہگار ٹھیری مگر آدم معذور سمجھا گیا محض ایک خفیف خطا جیسا کہ آیت کریمہ ولم نجد لہ عزماً[1] سے ظاہر ہے - یعنی اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ آدم نے عمداً میرے حکم کو نہیں توڑا بلکہ اس کو یہ خیال گذرا کہ حوّا نے جو یہ پھل کھایا اور مجھے دیا شائد اُسکو خدا کی اجازت ہو گئی جو اس نے ایسا کیا - یہی وجہ ہے کہ خدا نے اپنی کتاب میں حوّا کی بریّت ظاہر نہیں فرمائی بلکہ آدم کی بریت ظاہر کی یعنی اُسکی نسبت لم نجد لہ عزماً[2] فرمایا اور حوّا کو سزا سخت دی - مرد کا محکوم بنایا اور اس کا دلوت نگر کر دیا اور حمل کی مصیبت اور بچے جننے کا دُکھ اس کو لگا دیا اور آدم چونکہ خدا کی صورت پر بنایا گیا تھا اس لئے شیطان اس کے سامنے نہ آسکا - اسی جگہ سے یہ بات نکلتی ہے کہ جس شخص کی پیدائش میں نر کا حصہ نہیں وہ کمزور ہے اور توریت کے رو سے اس کی نسبت کہنا مشکل ہے کہ وہ خدا کی صورت پر یا خدا کی مانند پیدا کیا گیا - ہاں آدم بھی ضرور مر گیا - لیکن یہ موت گناہ سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ مرنا ابتداء سے انسانی بناوٹ کا خاصہ تھا - اگر گناہ نہ کرتا تب بھی مرتا - منہ

[1] سورۃ طٰہٰ: ۱۱۶

معرفت تامہ کے حمد تام ہو ہی نہیں سکتی۔ اور خدا تعالیٰ کے محامد دو قسم کے ہیں (۱) ایک وہ جو اس کے ذاتی علوّ اور رفعت اور قدرت اور تنزہ تام کے متعلق ہیں (۲) دوسرے وہ جن کا اثر از قسم آلاء و نعماء مخلوق پر نمایاں ہے۔ اور جس کو آسمان سے احمد کا نام عطا کیا جاتا ہے اوّل اُس پر بمقتضائے اسم رحمانیت تواتر سے نزول آلاء اور نعماء ظاہری اور باطنی کا ہوتا ہے۔ اور پھر بوجہ اس کے جو احسان موجب محبت محسن ہے اس شخص کے دل میں اس محسن حقیقی کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ محبت نشوونما پاتے پاتے ذاتی محبت کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ اور پھر ذاتی محبت سے قرب حاصل ہوتا ہے اور پھر قرب سے انکشاف

حاشیہ در حاشیہ

آدم نے بھی کھایا۔ سو اس سورۃ الناس سے واضح ہوتا ہے کہ یہی نحاش آخری زمانہ میں پھر ظاہر ہوگا۔ اسی نحاش کا دوسرا نام دجّال ہے۔ یہی تھا جو آج سے چھ ہزار برس پہلے حضرت آدم کے ٹھوکر کھانے کا موجب ہوا تھا اور اس وقت یہ اپنے اس فریب کامیاب ہو گیا تھا۔ اور آدم مغلوب ہو گیا تھا لیکن خدا نے چاہا کہ اسی طرح چھٹے دن کے آخری حصے میں آدم کو پھر پیدا کر کے یعنی آخر ہزار ششم میں جیسا کہ پہلے وہ چھٹے دن میں پیدا ہوا تھا نحاش کے مقابل پر اسکو کھڑا کرے۔ اور اب کی دفعہ نحاش مغلوب ہو اور آدم غالب۔ سو خدا نے آدم کی مانند اس عاجز کو پیدا کیا اور اس عاجز کا نام آدم رکھا۔ جیسا کہ براہین احمدیہ میں یہ الہام ہے اردت ان استخلف فخلقت اٰدم۔ اور نیز یہ الہام خلق اٰدم فاکرمہ اور نیز یہ الہام کہ یا اٰدم اسکن انت وزوجک الجنّۃ۔ اور آدم کی نسبت توریت کے پہلے باب میں یہ آیت ہے۔ تب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بناویں۔ دیکھو توریت باب اوّل آیت ۲۶۔ اور پھر کتاب دانی ایل باب نمبر ۱۲ میں لکھا ہے ۱- اور اُس وقت میکائیل (جسکا ترجمہ ہے خدا کی مانند) وہ بڑا سردار جو تیری قوم کے فرزندوں کی حمایت کے لئے کھڑا ہے اُٹھے گا۔ (یعنی مسیح موعود آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا) پس میکائیل یعنی خدا کی مانند درحقیقت توریت میں

تمام صفات جلالیہ جمالیہ حضرت باری عزّ اسمہٗ ہو جاتا ہے۔ پس جس طرح اللہ کا نام جامع صفات کاملہ ہے اسی طرح احمد کا نام جامع تمام معارف بن جاتا ہے۔ اور جس طرح اللہ کا نام خدا تعالیٰ کے لئے اسم اعظم ہے اسی طرح احمد کا نام نوع انسان میں سے اس انسان کا اسم اعظم ہے جس کو آسمان پر یہ نام عطا ہو اور اس سے بڑھ کر انسان کے لئے اور کوئی نام نہیں کیونکہ یہ خدا کی معرفت تامہ اور خدا کے فیوض تامہ کا مظہر ہے۔ اور جب خدا تعالیٰ کی طرف سے زمین پر ایک تجلّی عظمیٰ ہوتی ہے اور وہ اپنے صفات کاملہ کے کنز مخفی کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو زمین پر ایک انسان کا ظہور ہوتا ہے

بقیہ حاشیہ حاشیہ

آدم کا نام ہے اور حدیث نبوی میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا پس اس سے معلوم ہوا کہ مسیح موعود آدم کے رنگ پر ظاہر ہوگا۔ اسی وجہ سے آخر ہزار ششم اس کیلئے خاص کیا گیا کیونکہ وہ بجائے روز ششم ہے یعنی جیسا کہ روز ششم کے آخری حصے میں آدم پیدا ہوا اسی طرح ہزار ششم کے آخری حصہ میں مسیح موعود کا پیدا ہونا مقدر کیا گیا۔ اور جیسا کہ آدم نحّاش کے ساتھ آزمایا گیا جس کو عربی میں خنّاس کہتے ہیں جس کا دوسرا نام دجّال ہے ایسا ہی اس آخری آدم کے مقابل پر نحّاش پیدا کیا گیا تا وہ زن مزاج لوگوں کو حیات ابدی کی طمع دے جیسا کہ حوّا کو اس سانپ نے دی تھی جس کا نام توریت میں نحّاش اور قرآن میں خنّاس ہے لیکن اب کی دفعہ مقدر کیا گیا کہ یہ آدم اُس نحّاش پر غالب آئے گا۔ غرض اب چھ ہزار برس کے اخیر پر آدم اور نحّاش کا پھر مقابلہ آپڑا ہے اور اب وہ پُرانا سانپ کاٹنے پر قدرت نہیں پائیگا جیسا کہ اوّل اُس نے حوّا کو کاٹا اور پھر آدم نے اس زہر سے حصّہ لیا۔ بلکہ وہ وقت آتا ہے کہ اس سانپ سے بچے کھیلیں گے اور وہ ضرر رسانی پر قادر نہیں ہوگا۔ قرآن شریف میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ اس نے سورۂ فاتحہ کو الضالین پر ختم کیا اور قرآن کو خنّاس پر تا دانشمند انسان سمجھ سکے کہ حقیقت اور روحانیت میں یہ دونوں نام ایک ہی ہیں۔ منہ

جس کو احمد کے نام سے آسمان پر پکارتے ہیں۔ غرض چونکہ احمد کا نام خدا تعالیٰ کے اسم اعظم کا کامل ظلّ ہے اس لئے احمد کے نام کو ہمیشہ شیطان کے مقابل پر فتحیابی ہوتی ہے اور ایسا ہی آخری زمانہ کے لئے مقدر تھا کہ ایک طرف شیطانی قویٰ کا کمال درجہ پر ظہور اور بروز ہو اور شیطان کا اسم اعظم زمین پر ظاہر ہو اور پھر اس کے مقابل پر وہ اسم ظاہر ہو جو خدا تعالیٰ کے اسم اعظم کا ظل ہے یعنی احمد۔ اور اس آخری کشتی کی تاریخ ہزار ششم کا آخری حصہ مقرر کیا گیا اور جیسا کہ قرآن شریف میں اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ ہر ایک چیز کو خدا نے چھ دن کے اندر پیدا کیا مگر اس انسان کو جس پر دائرہ مخلوق ختم ہوتا تھا چھٹے دن کے آخری حصے میں پیدا کیا اسی طرح اس آخری انسان کے لئے ہزار ششم کا آخری حصہ تجویز کیا گیا۔ اور وہ اس وقت پیدا ہوا جبکہ قمری حساب کے رُو سے صرف چند سال ہی ہزار ششم کے پورا ہونے میں باقی رہتے تھے۔ اور اس کا وہ بلوغ جو مرسلین کے لئے مقرر کیا گیا ہے یعنی چالیس سال اُس وقت ہوا جبکہ چودھویں صدی کا سر آ گیا۔ اور اس آخری خلیفہ کے لئے یہ ضروری تھا کہ آخر حصہ ہزار ششم میں آدم کی طرح پیدا ہو اور سنّ چالیس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح مبعوث ہو اور نیز صدی کا سر ہو اور یہ تین شرطیں ایسی ہیں کہ اس میں کاذب اور مفتری کا دخل غیر ممکن ہے۔ اور پھر امر چہارم اُن کے ساتھ خسوف کسوف کا رمضان میں واقع ہونا ہے جو مسیح موعود کی نشانی ٹھیرائی گئی ہے۔

دوسری قسم کی مخلوق جو مسیح موعود کی نشانی ہے یاجوج ماجوج کا ظاہر ہونا ہے۔ توریت میں ممالک مغربیہ کی بعض قوموں کو یاجوج ماجوج قرار دیا ہے۔ اور ان کا زمانہ مسیح موعود کا زمانہ ٹھیرایا ہے۔ قرآن شریف نے اس قوم کے لئے ایک نشانی یہ لکھی ہے کہ من کلّ حدب ینسلون[1] یعنی ہر ایک فوقیت ارضی اُن کو حاصل ہو جائے گی۔ اور ہر ایک قوم پر وہ فتحیاب ہو جائیں گے۔ دوسرے اس نشانی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ آگ کے کاموں میں ماہر ہونگے۔ یعنی آگ کے ذریعہ سے اُن کی لڑائیاں ہونگی اور آگ کے ذریعہ سے اُن کے

[1] الانبیاء: ۹۷

انجن چلیں گے۔ اور آگ سے کام لینے میں وہ بڑی مہارت رکھیں گے۔ اسی وجہ سے اُن کا نام یاجوج ماجوج ہے کیونکہ اجیج آگ کے شعلہ کو کہتے ہیں۔ اور شیطان کے وجود کی بناوٹ بھی آگ سے ہے جیساکہ آیت خلقتنی من نار[1] سے ظاہر ہے۔ اس لئے قوم یاجوج ماجوج سے اس کو ایک فطرتی مناسبت ہے۔ اسی وجہ سے یہی قوم اس کے اسمِ اعظم کی تجلّی کیلئے اور اس کا مظہر اتم بننے کے لئے موزون ہے۔ لیکن خدا کے اسم اعظم کی تجلّی اعظم جس کا مظہراتم اسم احمد ہے جیساکہ ابھی بیان ہوچکا ہے ایسے وجود کو چاہتی تھی جو لڑائی اور خونریزی کا نام نہ لے اور آشتی اور محبت اور صلحکاری کو دنیا میں پھیلا دے۔ ایسا ہی ستارہ مشتری کی تاثیر کا بھی یہی تقاضا تھا کہ خونریزی کے لئے تلوار نہ پکڑی جائے۔ ایسا ہی ہزار ششم کا آخری حصہ جو جمعیت کا مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے اور تمام تفرقوں اور نقصانوں کو درمیان سے اٹھا کر اس مجموعہ مخلوقات کو مع ان کے امام کے دکھلاتا ہے جو نظیر گذشتہ کے لحاظ سے تمام و کمال آشتی اور صلح سے بھرا ہوا ہے یہی چاہتا تھا کہ تفرقہ اور مخالفت مع اپنے لوازم کے جو جنگ و جدل ہے درمیان سے اُٹھ جائے جیسا کہ کتاب اللہ ظاہر کرتی ہے کہ خدا نے زمین اور آسمان کو چھ دن میں پیدا کرکے اور چھٹے دن ✠ آدم کو خلعت وجود پہنا کر نظام عالم کو باہم تالیف دے دی اور آدم کو مشتری کے اثر عظیم کے نیچے

✠ آیات مندرجہ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدم چھٹے دن پیدا ہُوا اور وہ آیات یہ ہیں :- ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً ثم استوی الی السّماء فسوّٰھن سبع سمٰوٰت و ھو بکلّ شیءٍ علیم۔ واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک قال انی اعلم مالا تعلمون[2]۔ سورۃ البقر الجزو نمبر ا۔ یعنی خدا تعالیٰ نے جو کچھ زمین میں ہے سب پیدا کرکے اور آسمان کو بھی سات طبقے بنا کر غرض اس عالم کی پیدائش سے بکلّی فراغت پا کر پھر چاہا

[1] الاعراف: ۱۳ [2] البقرۃ: ۳۰-۳۱

پیدا کیا تا آشتی اور صلح کو دنیا میں لاوے۔

ص۱۰۹ تیسری قسم مخلوق کی جو مسیح موعود کی نشانی ہے دابۃ الارض کا خروج ہے۔ اور دابۃ الارض سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی زبانوں پر خدا ہے اور دل بھی عقلی طور پر اس کے ماننے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ ۲۷۸

کہ آدم کو پیدا کرے۔ پس اُس نے اُس کو روز ششم یعنی جمعہ کے آخر حصہ میں پیدا کیا کیونکہ جو چیزیں از روئے نص قرآنی چھٹے دن میں پیدا ہوئی تھیں آدم اُن سب کے بعد میں پیدا کیا گیا۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ سورۃ حٰمٓ السجدہ جزو چوبیس میں اس بات کی تصریح ہے کہ خدا نے جمعرات اور جمعہ کے دن سات آسمان بنائے اور ہر ایک آسمان کے ساکن کو جو اس آسمان میں رہتا تھا اس آسمان کے متعلق جو امر تھا وہ اس کو سمجھا دیا اور ورلے آسمان کو ستاروں کی قندیلوں سے سجایا اور نیز اُن ستاروں کو اس لئے پیدا کیا کہ بہت سے امور حفاظت دنیا کے ان پر موقوف تھے۔ یہ اندازے اُس خدا کے باندھے ہوئے ہیں جو زبردست اور دانا ہے۔ جن آیات کا یہ ترجمہ ہم نے لکھا ہے وہ یہ ہیں۔ فقضٰھُنّ سبع سمٰوٰت فی یومین واوحٰی فی کلّ سماء امرھا وزیّنّا السماء الدنیا بمصابیح وحفظا۔ ذالک تقدیر العزیز العلیم[1] دیکھو سورہ حٰمٓ السجدۃ الجزو نمبر ۲۴

ص۱۰۹ ان آیات سے معلوم ہوا کہ آسمانوں کو سات بنانا اور ان کے درمیانی امور کا انتظام کرنا یہ تمام امور باقیماندہ دو روز میں وقوع میں آئے یعنی جمعرات اور جمعہ میں۔ اور پہلی آیات جن کو ابھی ہم لکھ چکے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم کا پیدا کرنا آسمانوں کے سات طبقے بنانے کے بعد اور ہر ایک زمینی آسمانی انتظام کے بعد، غرض کل مجموعۂ عالم کی تیاری کے بعد ظہور میں آیا۔ اور چونکہ یہ تمام کاروبار صرف جمعرات کو ختم نہیں ہوا بلکہ کچھ حصہ جمعہ کا بھی اُس نے لیا جیسا کہ آیت فقضٰھُنّ سبع سمٰوٰت فی یومین سے ظاہر ہے۔ یعنی خدا نے اس آیت میں فی یوم نہیں فرمایا بلکہ یومین فرمایا۔ اس سے یقینی طور پر سمجھا گیا کہ جمعہ کا پہلا حصہ آسمانوں کے بنانے اور ان کے اندرونی انتظام میں صرف ہوا لہٰذا بنص صریح اس بات کا فیصلہ ہوگیا

[1] حٰمٓ سجدۃ : ۱۳

سے خوش ہوتے ہیں لیکن آسمان کی رُوح اُن کے اندر نہیں محض دنیا کے کیڑے ہیں۔ وہ رُوح کے بُلائے نہیں بولتے بلکہ کورانہ تقلید یا نفسانی اغراض اُن کی زبان کھولتے ہیں۔ خدا نے دابۃ الارض اُن کا نام اسی وجہ سے رکھا ہے کہ کوئی آسمانی مناسبت ان کے اندر نہیں۔ صـ۱۱

چشمۂ مسیحی صـ۲۸

کہ آدم جمعہ کے آخری حصے میں پیدا کیا گیا۔ اور اگر یہ شبہ دامنگیر ہو کہ ممکن ہے کہ آدم ساتویں دن پیدا کیا گیا ہو تو اس شبہ کو یہ آیت دُور فرماتی ہے جو سورۃ حدید کی چوتھی آیت ہے اور وہ یہ ہے۔ ھوالذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستۃ ایام ثم استوٰی علی العرش[1] دیکھو سورۃ الحدید الجزو نمبر ۲۷۔ ترجمہ اس آیت کا یہ ہے کہ خدا وہ ہے جس نے تمام زمین اور آسمانوں کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر اُس نے استوا کیا۔ یعنی کل مخلوق چھ دن میں پیدا کر کے پھر صفات عدل اور رحم کو ظہور میں لانے لگا۔ خدا کا الوہیت کے تخت پر بیٹھنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مخلوق کے بنانے کے بعد ہر ایک مخلوق سے بمقتضائے عدل اور رحم اور سیاست کارروائی شروع کی یہ محاورہ اس سے لیا گیا ہے کہ جب کل اہل مقدمہ اور ارکان دولت اور لشکر با شوکت حاضر ہو جاتے ہیں اور کچہری گرم ہو جاتی ہے اور ہر ایک حقدار اپنے حق کو عدل شاہی سے مانگتا ہے اور عظمت اور جبروت کے تمام سامان مہیا ہو جاتے ہیں تب بادشاہ سب کے بعد آتا ہے اور تخت عدالت کو اپنے وجود باجود سے زینت بخشتا ہے۔ غرض ان آیات سے ثابت ہوا کہ آدم جمعہ کے اخیر حصے میں پیدا کیا گیا کیونکہ روز ششم کے بعد سلسلہ پیدائش کا بند کیا گیا۔ وجہ یہ کہ روز ہفتم تخت شاہی پر بیٹھنے کا دن ہے نہ پیدائش کا۔ یہودیوں نے ساتویں دن کو آرام کا دن رکھا ہے مگر یہ اُن کی غلط فہمی ہے بلکہ یہ ایک محاورہ ہے کہ جب انسان ایک عظیم کام سے فراغت پا لیتا ہے تو پھر گویا اُسوقت اس کے آرام کا وقت ہوتا ہے۔ سو ایسی عبارتیں توریت میں بطور مجاز ہیں نہ یہ کہ درحقیقت خدا تعالیٰ تھک گیا اور بوجہ خستہ درماندہ ہونے کے اس کو آرام کرنا پڑا۔

اور ان آیات کے متعلق ایک یہ بھی امر ہے کہ فرشتوں کا جناب الٰہی میں عرض کرنا کہ

[1] الحدید: ۵

ص۱۱۱ عجیب تر یہ کہ آخری زمانہ میں وہ سچے دین کے گواہ ہیں۔ خود مُردہ ہیں مگر زندہ کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ تین چیزیں ہیں یعنی دجّال اور یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض جو مسیح موعود
ص۱۱۲ کے آنے کی علامتیں زمین پر ہیں اور ان کے سوا اَور بھی زمینی علامتیں ہیں چنانچہ اونٹ کی

حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱

کیا تو ایک مفسد کو خلیفہ بنانے لگا ہے؟ اس کے کیا معنے ہیں؟ پس واضح ہو کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے چھٹے دن آسمانوں کے سات طبقے بنائے اور ہر ایک آسمان کے قضاء و قدر کا انتظام فرمایا اور چھٹا دن جو ستارہ سعد اکبر کا دن ہے یعنی مشتری کا دن قریب الاختتام ہو گیا۔ اور فرشتے جن کو حسب منطوق آیت واوحٰی فی کل سماء امرھا[1] سعد ونحس کا علم دیا گیا تھا اور ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ سعد اکبر مشتری ہے اور انہوں نے دیکھا
ص۱۱۱ کہ بظاہر اس دن کا حصہ آدم کو نہیں ملا کیونکہ دن میں سے بہت ہی تھوڑا وقت باقی ہے سو یہ خیال گذرا کہ اب پیدائش آدم کی زحل کے وقت میں ہو گی۔ اس کی سرشت میں زحلی تاثیریں جو قہر اور عذاب وغیرہ ہے رکھی جائیں گی۔ اس لئے اس کا وجود بڑے فتنوں کا موجب ہو گا۔ سو بنا ءِ اعتراض کی ایک ظنّی امر تھا نہ یقینی۔ اس لئے ظنّی پیرایہ میں انہوں انکار کیا اور عرض کیا کہ کیا تو ایسے شخص کو پیدا کرتا ہے جو مفسد اور خونریز ہو گا اور خیال کیا کہ ہم زاہد اور عابد اور تقدیس کرنے والے اور ہر ایک بدی سے پاک ہیں اور نیز ہماری پیدائش مشتری کے وقت میں ہے جو سعد اکبر ہے۔ تب انکو جواب ملا کہ انی اعلم ما لا تعلمون[2] یعنے تمہیں خبر نہیں کہ میں آدم کو کس وقت بناؤں گا۔ مَیں مشتری کے وقت کے اُس حصے میں اس کو بناؤں گا جو اُس دن کے تمام حصوں میں سے زیادہ مبارک ہے اور اگرچہ جمعہ کا دن سعد اکبر ہے لیکن اس کے عصر کے وقت کی گھڑی ہر ایک اس کی گھڑی سے سعادت اور برکت میں سبقت لے گئی ہے۔ سو آدم جمعہ کی اخیر گھڑی میں بنایا گیا یعنی عصر کے وقت پیدا کیا گیا اسی وجہ سے احادیث میں ترغیب دی گئی ہے کہ جمعہ کی عصر اور مغرب کے درمیان بہت

---

[1] حٰمٓ السجدۃ: ۱۳ [2] البقرۃ: ۳۱

سواری اور بار برداری کا اکثر حصہ زمین سے موقوف ہو جانا ایک خاص علامت مسیح کے آجانے کی ہے۔ حجج الکرامہ میں ابن واطیل وغیرہ سے روایت لکھی ہے کہ مسیح عصر کے وقت آسمان پر سے نازل ہوگا۔ اور عصر سے ہزار کا آخری حصہ مراد لیا ہے ۔ دیکھو ص۱۱۳

بقیہ حاشیہ در حاشیہ

دعا کرو کہ اس میں ایک گھڑی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے۔ یہ وہی گھڑی ہے جس کی فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی۔ اس گھڑی میں جو پیدا ہو وہ آسمان پر آدم کہلاتا ہے اور ایک بڑے سلسلہ کی اس سے بنیاد پڑتی ہے۔ سو آدم اسی گھڑی میں پیدا کیا گیا۔ اس لئے آدم ثانی یعنے اس عاجز کو یہی گھڑی عطا کی گئی۔ اسی کی طرف براہین احمدیہ کے اس الہام میں اشارہ ہے کہ ینقطع اٰباؤک ویبدء منک دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۴۹۰۔ اور یہ اتفاقات عجیبہ میں سے ہے کہ یہ عاجز نہ صرف ہزار ششم کے آخری حصہ میں پیدا ہوا جو مشتری سے وہی تعلق رکھتا ہے جو آدم کا روز ششم یعنی اس کا آخری حصہ تعلق رکھتا تھا بلکہ یہ عاجز بروز جمعہ چاند کی چودھویں تاریخ میں پیدا ہوا ہے۔ اسجگہ ایک اور بات بیان کرنے کے لائق ہے کہ اگر یہ سوال ہو کہ جمعہ کی آخری گھڑی جو عصر کے وقت کی ہے جس میں آدم پیدا کیا گیا کیوں ایسی مبارک ہے اور کیوں آدم کی پیدائش کے لئے وہ خاص کی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تاثیر کواکب کا نظام ایسا رکھا ہے کہ ایک ستارہ اپنے عمل کے آخری حصہ میں دوسرے ستارے کا کچھ اثر لے لیتا ہے جو اس حصے سے ملحق ہو اور اس کے بعد میں آنے والا ہو۔ اب چونکہ عصر کے وقت سے جب آدم پیدا کیا گیا رات قریب تھی لہذا وہ وقت زحل کی تاثیر سے بھی کچھ حصہ رکھتا تھا اور مشتری سے بھی فیضیاب تھا جو جمالی رنگ کی تاثیرات اپنے اندر رکھتا ہے۔ سو خدا نے آدم کو جمعہ کے دن عصر کے وقت بنایا کیونکہ اس کو منظور تھا کہ آدم کو جلال اور جمال کا جامع بنا دے جیسا کہ اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ خلقت بیدیّ یعنی آدم کو میں نے اپنے

تحفۃ الکرامہ صفحہ ۴۲۸ ۔ اِس قول سے ظاہر ہے کہ اسجگہ ہزار سے مراد ہزار ششم ہے اور ہزار ششم کے عصر کا وقت اس عاجز کی پیدائش کا زمانہ ہے جو حضرت آدم کی پیدائش کے زمانہ کے مقابل پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ آخری زمانہ کا جو ہزار ہے وہ آدم کے چھٹے دن کے مقابل پر ہزار ششم ہے

حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱۸

ص ۱۱۱

دونوں ہاتھ سے پیدا کیا کیونکہ ظاہر ہے کہ خدا کے ہاتھ انسان کی طرح نہیں ہیں۔ پس دونوں ہاتھ سے مراد جمالی اور جلالی تجلّی ہے۔ پس اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آدم کو جلالی اور جمالی تجلّی کا جامع پیدا کیا گیا ۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ علمی سلسلہ کو ضائع کرنا نہیں چاہتا اس لئے اُس نے آدم کی پیدائش کے وقت ان ستاروں کی تاثیرات سے بھی کام لیا ہے جن کو اس نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا۔ اور یہ ستارے فقط زینت کے لئے نہیں ہیں جیسا کہ عوام خیال کرتے ہیں بلکہ ان میں تاثیرات ہیں۔ جیسا کہ آیت وزیّنّا السماء الدنیا بمصابیح وحفظًا[1] سے یعنی حفظًا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی نظام دنیا کی محافظت میں ان ستاروں کو دخل ہے اُسی قسم کا دخل جیسا کہ انسانی صحت میں دوا اور غذا کو ہوتا ہے جس کو الوہیت کے اقتدار میں کچھ دخل نہیں بلکہ جبروت ایزدی کے آگے یہ تمام چیزیں بطور مردہ ہیں ۔ یہ چیزیں بجز اذن الٰہی کچھ نہیں کرسکتیں۔ ان کی تاثیرات خدا تعالےٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ پس واقعی اور صحیح امر یہی ہے کہ ستاروں میں تاثیرات ہیں جن کا زمین پر اثر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس انسان سے زیادہ تر کوئی دنیا میں جاہل نہیں کہ جو بنفشہ اور نیلوفر اور تربد اور سقمونیا اور خیارشنبر کی تاثیرات کا تو قائل ہے مگر اُن ستاروں کی تاثیرات کا منکر ہے جو قدرت کے ہاتھ کے اوّل درجہ پر تجلّی گاہ اور مظہر العجائب ہیں جن کی نسبت خود خدا تعالےٰ نے حفظًا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ لوگ جو سراپا جہالت میں غرق ہیں اس علمی سلسلہ کو شرک میں داخل کرتے ہیں۔ نہیں جانتے جو دنیا میں خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت یہی ہے جو کوئی چیز اس نے لغو اور بے فائدہ اور بے تاثیر پیدا نہیں کی۔ جبکہ وہ فرماتا ہے کہ ہر ایک

[1] حٰمٓ سجدہ : ۱۳

جس میں مسیح موعود کا آنا ضروری ہے اور آخری حصّہ اس کا وقت عصر کہلاتا ہے پس ابن وائیل کا اصل قول جو سرچشمۂ نبوت سے لیا گیا ہے اس طرح پر معلوم ہوتا ہے نزول عیسٰی یکون فی وقت صلوٰۃ العصر فی الیوم السادس من الایام المحمدیۃ حین تمضی ثلٰثۃ ارباعہ۔

بقیہ حاشیہ ۲۸۲

چیز انسان کیلئے پیدا کی گئی ہے تو اب بتلاؤ کہ سماء الدنیا کو لاکھوں ستاروں سے پُر کر دینا انسان کو اس سے کیا فائدہ ہے؛ اور خدا کا یہ کہنا کہ یہ سب چیزیں انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں ضرور ہمیں اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ ان چیزوں کے اندر خاص وہ تاثیرات ہیں جو انسانی زندگی اور انسانی تمدّن پر اپنا اثر ڈالتی ہیں۔ جیسا کہ متقدمین حکماء نے لکھا ہے کہ زمین ابتداء میں بہت ناہموار تھی خدا نے ستاروں کی تاثیرات کے ساتھ اس کو درست کیا ہے اور یہ ستارے جیسا کہ یہ جاہل لوگ سمجھتے ہیں آسمان دنیا پر ہی نہیں ہیں بلکہ بعض بعض سے بڑے بڑے بُعد پر واقع ہیں۔ اسی آسمان میں مشتری نظر آتا ہے جو چھٹے آسمان پر ہے۔ ایسا ہی زحل بھی دکھائی دیتا ہے جو ہفتم آسمان پر ہے اور اسی وجہ سے اس کا نام زُحل ہے جو اس کا بُعد تمام ستاروں سے زیادہ ہے کیونکہ لغت میں زُحل بہت دُور ہونے والے کو بھی کہتے ہیں۔ اور آسمان سے مراد وہ طبقات لطیفہ ہیں جو بعض بعض سے اپنے خواص کے ساتھ متمیز ہیں۔ یہ کہنا بھی جہالت ہے کہ آسمان کچھ چیز نہیں کیونکہ جہاں تک عالم بالا کی طرف سیر کی جائے محض خلا کا حصّہ کسی جگہ نظر نہیں آئیگا۔ پس کامل استقراء جو مجہولات کی اصلیت دریافت کرنے کے لئے اوّل درجہ پر ہے صریح اور صاف طور پر سمجھاتا ہے کہ محض خلا کسی جگہ نہیں ہے۔ اور جیسا کہ پہلا آدم جمالی اور جلالی رنگ میں مشتری اور زُحل کی دونوں تاثیریں لے کر پیدا ہوا اسی طرح وہ آدم جو ہزار ششم کے آخر میں پیدا ہوا وہ بھی یہ دونوں تاثیریں اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کے پہلے قدم پر مُردوں کا زندہ ہونا ہے اور دوسرے قدم پر زندوں کا مرنا ہے۔ یعنی قیامت میں خدا نے

یعنی نزولِ عیسیٰ مسیح محمدی دن کے عصر کے وقت میں ہوگا جب تین حصّے اُس دن کے گذر چکینگے۔ یعنی ہزار ششم کا آخری حصّہ کچھ باقی رہیگا اور باقی سب گذر چکیگا اس وقت عیسیٰ کی رُوح زمین پر آئیگی۔ یاد رہے کہ صوفیہ کی اِصطلاح میں یوم محمدی سے مراد ہزار سال ہے جو

حاشیہ متعلقہ حاشیہ

ص ۱۱۲

اس کے وقت میں رحمت کی نشانیاں بھی رکھی ہیں اور قہر کی بھی تا دونوں رنگ جمالی اور جلالی ثابت ہو جائیں۔ آخری زمانہ کی نسبت خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ آفتاب اور ماہتاب ایک ہی وقت میں تاریک ہو جائیں گے۔ زمین پر جا بجا خسف واقع ہوگا۔ پہاڑ اڑائے جائیں گے۔ یہ سب قہری اور جلالی نشانیاں ہیں۔ عیسائیت کے غلبہ کے زمانہ کی نسبت بھی اسی قسم کے اشارات قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ لکھا ہے کہ قریب ہے کہ اس دین کے غلبہ کے وقت آسمان پھٹ جائیں اور زمین میں بذریعہ خسف وغیرہ ہلاکتیں واقع ہوں۔ غرض وجود آدم ثانی بھی جامع جلال وجمال ہے اور اسی وجہ سے آخر ہزار ششم میں پیدا کیا گیا۔ اور ہزار ششم کے حساب سے دنیا کے دنوں کا یہ جمعہ ہے اور جمعہ میں سے یہ عصر کا وقت ہے جس میں یہ آدم پیدا ہوا۔ اور سورۃ فاتحہ میں اس مقام کے متعلق ایک لطیف اشارہ ہے اور وہ یہ کہ چونکہ سورۃ فاتحہ ایک ایسی سورۃ ہے جس میں مبدأ اور معاد کا ذکر ہے۔ یعنی خدا کی ربوبیت سے لیکر یوم الدین تک سلسلہ صفاتِ الٰہیہ کو پہنچایا ہے۔ اس مناسبت کے لحاظ سے حکیم ازلی نے اس سورۃ کو سات آیتوں پر تقسیم کیا ہے تا دنیا کی عمر میں سات ہزار کی طرف اشارہ ہو۔ اور چھٹی آیت اس سورۃ کی اھدنا الصراط المستقیم ہے۔ گویا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چھٹے ہزار کی تاریکی آسمانی ہدایت کو چاہے گی اور انسانی سلیم فطرتیں خدا کی جناب سے ایک ہادی کو طلب کریگی یعنی مسیح موعود کو۔ اور ضالین پر اس سورۃ کو ختم کیا ہے۔ یعنی ساتویں آیت پر جو ضالین کے لفظ پر ختم ہوتی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ضالین پر قیامت آئے گی۔ یہ سورۃ درحقیقت بڑے دقائق اور حقائق کی جامع ہے جیساکہ ہم پہلے بھی بیان

روز وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم اسی حساب سے سورۃ والعصر کے اعداد لکھ کر ثابت کر چکے ہیں کہ اس عاجز کی پیدائش اس وقت ہوئی تھی جبکہ یوم محمدی میں سے صرف گیارہ سال باقی رہتے تھے۔ جو اس دن کا آخری حصہ ہے۔ یاد رہے

نمبر ۱ ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ

کر چکے ہیں۔ اور اس سورۃ کی یہ دعا کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین[۱] یہ صاف اشارہ کر رہی ہے کہ اس امت کیلئے ایک آنیوالے گروہ مغضوب علیہم کے ظہور سے اور دوسرے گروہ ضالین کے غلبہ کے زمانہ میں ایک سخت ابتلاء درپیش ہے۔ جس سے بچنے کے لئے پانچ وقت دعا کرنی چاہیئے۔ اور یہ دعا سورۃ فاتحہ کی اس طور پر سکھائی گئی کہ پہلے الحمد للہ سے مالک یوم الدین تک خدا کے محامد اور صفات جمالیہ اور جلالیہ ظاہر فرمائے گئے تا دل بول اٹھے کہ وہی معبود ہے۔ چنانچہ انسانی فطرت نے ان پاک صفات کا دلدادہ ہو کر ایاک نعبد کا اقرار کیا اور پھر اپنی کمزوری کو دیکھا تو ایاک نستعین کہنا پڑا۔ پھر خدا سے مدد پاکر یہ دعا کی جو جمیع اقسام شر سے بچنے کیلئے اور جمیع اقسام خیر کو جمع کرنے کیلئے کافی و وافی ہے۔ یعنی یہ دعا کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین[۲] آمین۔ یہ تو ظاہر ہے کہ سعادت تامہ تبھی حاصل ہوتی ہے کہ انسان اُن تمام شروں اور بدیوں سے محفوظ رہے جنکا کوئی نمونہ قیامت تک ظاہر ہونیوالا ہے اور نیز تمام نیکیاں حاصل ہوں جو قیامت تک ظاہر ہونیوالی ہیں۔ سو ان دونوں پہلوؤں کی یہ دعا جامع ہے۔ ایسا ہی قرآن کریم کے آخر کی تین سورتوں میں سے اول سورۃ اخلاص میں یہ سکھلایا گیا کہ قل ھو اللہ احد[۳] اور اس آیت میں وہ عقیدہ جو قبول کرنے کے لائق ہے پیش کیا گیا اور پھر لم یلد ولم یولد[۴] سکھا کر وہ عقیدہ جو رد کرنیکے لائق ہے وہ بیان کیا گیا۔ اور پھر سورۃ فلق میں یعنی آیت ومن شر غاسق اذا وقب[۵] میں آنیوالی ایک سخت تاریکی سے ڈرایا گیا اور فقرہ قل اعوذ برب الفلق میں آنیوالی ایک صبح صادق کی بشارت دی گئی اور اس مطلب کے حصول کے لئے سورۃ الناس میں صبر اور ثبات کے ساتھ وساوس سے بچنے کیلئے تاکید کی گئی۔ منہ

[۱] الفاتحۃ: ۶-۷ [۲] ایضاً [۳] الاخلاص: ۲ [۴] الاخلاص: ۴ [۵] الفلق: ۴

کہ اکثر صوفی جو ہزار سے بھی کچھ زیادہ ہیں اپنے مکاشفات کے ذریعہ سے اس بات کی طرف گئے ہیں کہ مسیح موعود تیرھویں صدی میں یعنی ہزار ششم کے آخر میں پیدا ہوگا چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب کا الہام "چراغ دین" جو مہدی معہود کی پیدائش کے بارے میں ہے صاف دلالت کرتا ہے کہ ظہور کا وقت ہزار ششم کا آخر ہے۔ اسی طرح بہت سے اکابر امت نے پیدائش مسیح موعود کے لئے ہزار ششم کا آخر لیا ہے اور چودھویں صدی اس کے بعث اور ظہور کی تاریخ لکھی ہے اور چونکہ مومن کے لئے خدا تعالیٰ کی کتاب سے بڑھ کر کوئی گواہ نہیں اس لئے اس بات سے انکار کرنا کہ مسیح موعود کے ظہور کا وقت ہزار ششم کا آخر ہے خدا تعالیٰ کی کتاب سے انکار ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ خلافت محمدیہ کو سلسلہ خلافت موسویہ سے مشابہت دے کر خود ظاہر فرما دیا ہے کہ پیدائش مسیح موعود ہزار ششم کے آخر میں ہے۔ پھر ماسوا اس کے صورت عالم پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہزار ششم میں زمین پر ایک انقلاب عظیم آیا ہے۔ بالخصوص اس ساٹھ برس کی مدت میں کہ جو تخمیناً میری عمر کا اندازہ ہے اس قدر صریح تغیّر صفحہ ہستی پر ظہور پذیر ہے کہ گویا وہ دنیا ہی نہیں رہی نہ وہ سواریاں رہیں اور نہ وہ طریق تمدّن رہا اور نہ بادشاہوں میں وہ وسعتِ اقتدار حکومت رہی نہ وہ راہ رہی اور نہ وہ مرکب۔ اور یہاں تک ہر ایک بات میں جدّت ہوئی کہ انسان کی پہلی طرزیں تمدّن کی گویا تمام منسوخ ہوگئیں اور زمین اور اہل زمین نے ہر ایک پہلو میں گویا پیرایۂ جدید پہن لیا اور تُبدّلت الارض غیر الارض کا نظّارہ آنکھوں کے سامنے آگیا اور ایک دوسرے رنگ میں بھی انقلاب نے اپنا نظارہ دکھلایا یعنی جیسا کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں پیشگوئی کے طور پر فرمایا تھا کہ ایک وہ نازک وقت آنے والا ہے کہ قریب ہے کہ تثلیث کے غلبہ کے وقت آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر جائیں۔ یہ سب باتیں ظہور میں آگئیں اور اسقدر حد سے زیادہ عیسائیت کی دعوت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں غلو کیا گیا

کہ قریب ہے کہ وہ راستباز جو اخلاص کی وجہ سے آسمانی کہلاتے ہیں گمراہ ہو جائیں۔ اور زمین پھٹ جائے یعنی تمام زمینی آدمی بگڑ جائیں۔ اور وہ ثابت قدم لوگ جو جبال راسخہ کے مشابہ ہیں گر جائیں۔ اور قرآن شریف کی وہ آیت جس میں یہ پیشگوئی ہے یہ ہے :۔ تکاد السمٰوٰت یتفطّرن منه وتنشق الارض وتخرّ الجبال ھدًّا[1]۔ اور آیت چونکہ ذوالوجہین ہے اس لئے دوسرے معنے اس کے یہ بھی ہیں کہ قیامت کبریٰ کے قریب عیسائیت کا زمین پر بہت غلبہ ہو جائیگا۔ جیسا کہ آجکل ظاہر ہو رہا ہے اور اس آیت کریمہ کا منشاء یہ ہے کہ اگر اس فتنہ کے وقت خدا تعالےٰ اپنے مسیح کو بھیجکر اصلاح اس فتنہ کی نہ کرے تو فی الفور قیامت آجائے گی اور آسمان پھٹ جائیں گے۔ مگر چونکہ باوجود اس قدر عیسائیت کے غلو کے اور اس قدر تکذیب کے جواب تک کروڑ ہا کتابیں اور رسالے اور دو ورقہ کاغذات ملک میں شائع ہو چکے ہیں قیامت نہیں آئی تو یہ دلیل اِس بات پر ہے کہ خدا نے اپنے بندوں پر رحم کر کے اپنے مسیح کو بھیجدیا ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ خدا کا وعدہ جھوٹا نکلے۔ اور گذشتہ تقریر کے رو سے جبکہ دنیا پر انقلاب عظیم آچکا ہے اور قریباً کل ایسی روحیں جو سچائی سے خدا کو طلب کر سکتیں ہلاک ہو گئیں اس لئے اس زمانہ میں روحانی زندگی دوبارہ قائم کرنے کے لئے ایک جدید آدم کی ضرورت پڑی۔ اس آدم کی قدر و منزلت اس سے ظاہر ہے کہ وہ آدم ایمان جیسے جوہر کو دوبارہ دنیا میں لانے والا اور زمین کو پلیدی سے صاف کرنے والا ہے اور اس کی ضرورت اس سے ظاہر ہے کہ اب اسلام اپنے دونوں پہلوؤں اعتقادی اور عملی کے رُو سے غربت کی حالت میں ہے۔ لہذا نبیوں کی تمام پیشگوئیوں کے ظہور کا اب یہ وقت ہے اور آسمانی برکتوں کا انتظار۔

اب ہم اس خاتمہ میں دانیال کی کتاب میں سے ایک پیشگوئی اور ایسا ہی یسعیا نبی کی کتاب میں سے بھی ایک پیشگوئی لکھتے ہیں کہ جو مسیح موعود کے ظہور کے

ص۱۱۳

[1] مریم : ۹۱

بارے میں ہے اور وہ یہ ہے :-

دانیال باب ۱۲

ובעת ההיא יעמד מיכאל השר
وباعِیَث هَہِیا یعمود میکائیل هَسَّار
اور اسوقت ہوگا مبعوث وہ جو خدا کی مانند ہے حاکم

הגדול העמד על־בני עמך
هَجَادُوْل هاعومِیْد عل بَنْیْ عمیك
اعلیٰ وہ مبعوث ہوگا تیری قوم کی حمایت میں

והיתה עת צרה אשר
وهایِتاه عِیْت ضاره اَشیر
اور ہوگا زمانہ دشمنوں کا زمانہ ایسا زمانہ

לא־נהיתה מהיות גוי עד העת
وْنِہی تاہ مہیُوت گویْ عد هاعت
کہ نہ ہوا ہوگا امت کے ابتدا سے لیکر

ההיא ובעת ההיא ימלט
ھ هیا وباعیت ههیا یما لیط
اسوقت تک اور اسوقت ایسا ہوگا کہ نجات پائے گا

עמך כל־הנמצא כתוב בספר
عَمِّیکا کول هنمصا کانوب بسیفر
تیری قوم میں سے ہر ایک کہ پایا جائیگا لکھا ہوا کتاب میں

ורבים מישני אדמת־עפר
ورَابّیم مِشیہِنی اَدَمت عافار
اور بہت جو سست پڑے ہیں زمین کے اندر

יקיצו אלה לחיי עולם ואלה
یاقیصو ایلیہ لحیّی عولام وایلیہ
جاگ اٹھیں گے یہ ہمیشہ کی زندگی کے

לחרפות לדראון עולם
لحرافوت لدراون عولام
واسطے اور یہ انکار اور ابدی لعنت کے واسطے

והמשכלים יזהירו כזהר
وہمسکیلیم یزہیرو کزوہر
اور اہل دانش چمکیں گے مانند چمک

הרקיע ומצדיקי הרבים ככוכבים
ہارقیعہ ومصدیقی ہاربیم ککوکابیم
آسمان کی اور صادقوں سے بہت ہوں گے مانند ستاروں کے

לעולם ועד ואתה דניאל סתם
لعولام وعاد واتاہ دانی ایل ستوم
ہمیشہ اور ہمیشہ اور تو اے دانیال پوشیدہ رکھ

הדברים וחתם הספר עד־עת
ہدباریم وختوم ہسیفر عدعیت
ان باتوں کو اور سربمہر رکھ اس کتاب کو وقت آخر

קץ ישטטו רבים ותרבה הדעת
قیص یشطو ربیم وتربیہ ہداعت
تک جبکہ لوگ زمین پر مختلطو ہونگے اور ادھر ادھر دوڑیں گے اور سیر کرینگے اور ملیں گے اور

וראיתי אני דניאל והנה שנים
وراُیتی انی دانی ایل وہنیہ شنیم
علم بہت بڑھ جائیگا اور نظر کی میں دانی ایل نے اور دیکھے دو

אחרים עמדים אחד הנה לשפת
اخریم عومدیم احاد هیناه لشوفت
اور کھڑے ہوں گے ایک اس طرف دریا کے

היאר ואחד הנה לשפת היאר
هیئود واحاد هیناه لشوفت هیئور
اور دوسرا اُس طرف دریا کے دریا

ויאמר לאיש לבוש הבדים אשר
ویومیر لاایش لبوش هبدیم اشیر
اور کہا اس آدمی کو جس کا لباس لمبے تاگوں کا تھا جو کہ

ממעל למימי היאר עד מתי
لمعل بئے مئے هیئور عد ماتی
اوپر دریا کے پانی کے تھا کب ہوگا

קץ הפלאות ואשמע את האיש
قیص هفلاأوت واشمع ایت ها ایش
انجام مصائب کا اور میں نے سُنا اس آدمی کو جو لمبے تاگوں والا

לבוש הבדים אשר ממעל למימי
لبوش هیدیم اشیر معل لمے مے
لباس پہنے تھا جو کہ اوپر پانیوں

היאר וירם ימינו ושמאלו אל
هیور دیارام یمینو وشمولو آل
دریا کے تھا اور اس نے بلند کیا اپنا دایاں اور بایاں آسمان

השמים וישבע בחי העולם כי למועד
هشامیم دیشابع بیحے هاعولام کی لموعید
کی طرف اور قسم کھائی ابدی زندہ خدا کی کہ اس زمانہ کی مدت ہے

מועדים וחצי וככלות נפץ יד־עם

مُوعِدیم وحیصی وککلوت نِفیُض ید عم

دو زمانے ہیں اور ایک زمانہ کا حصہ اور یہ پورا ہوگا اور مقدس جماعت میں تفرقہ پڑیگا

קדש תכלינה כל־אלה ואני שמעתי

قودیش تِلک سینے ناہ کوُل اِلّے ایلِہ دانی شامعتی

اور اسکا زور ٹوٹ جائے گا اور یہ سب باتیں پوری ہونگی اور میں نے سُنا

ולא אבין ואמרה אדני מה אחרית

ولو ابین وادمراہ ادونی ماہ احریت

پر نہ جانا اور میں نے کہا اے خداوند کیا ہے انجام

אלה ויאמר לך דניאל כי סתמים

ایلیہ ویومیٹر لیک دانی ایل کی ستومیم

ان سب باتوں کا اور کہا چلا جا دانیال کیونکہ پوشیدہ رہیں گی

וחתמים הדברים עד־עת קץ יתבררו

وحتومیم ھدّباریم عد عیت قیص یت بارر و

اور سر بمہر رہیں گی یہ باتیں وقت آخر تک بہتونکا پاک کیا جائیگا

ויתלבנו ויצרפו רבים והרשיעו רשעים

ویت لبّنو ویصّارفو ربّیم وھرشی عو رشاعیم

اور بہتوں کو سفید کیا جائیگا اور بہتوں کو آزمائش میں ڈالا جائیگا اور شریر شرارت کرینگے

ולא יבינו כל־רשעים והמשכלים

ولو یابی نو کول رشاعیم وھمسکیلیم

غوغا مچائینگے اور شریروں میں سے کوئی نہ سمجھے گا پر اہل دانش

יבינו ומעת הוסר התמיד ולתת

یابی نو ومےعیت ھوسر ھتامید ولاتیت

سمجھ لیں گے۔ اور اس وقت سے جبکہ دائمی قربانی موقوف ہوگی اور بتوں کو

שקוץ שמם ימים אלף מאתים
شقّوص شومیم یامیم ایلیف ماتیم
تباہ کیا جائے گا اسوقت تک بارہ سو[۱۲۹۰] نوّے

ותשעים אשרי ‖ המחכה ויגיע
وتش عیم اَشْرِیے ھمحکاہ ویَجیع
دن ہوں گے مبارک ہے جو انتظار کیا جائیگا اور اپنا کام

לימים אלף שלש מאות שלשים
لیامیم ایلیف شلوش مے اوت شلو شیم
محنت سے کریگا تیرہ سو پینتیس روز تک

וחמשה ואתה לך לקץ ותנוח
وحمی شاہ واتاہ لِیَک نقیص وتانوح
۱۳۳۵ ✤ اور تو چلا جا آخر تک اے دانیال

ותעמד לגרלך לקץ הימין:
وتعُمود لجورالك لقیص هیامین
اور آرام کر اور اپنے حصے پر اخیر پر کھڑا ہوگا

۱۱۷

✤ اس فقرہ میں دانی ایل نبی بتلاتا ہے کہ اُس نبی آخر الزمان کے ظہور سے (جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے) جب بارہ سو[۱۲۹۰] نوے برس گذریں گے تو وہ مسیح موعود ظاہر ہوگا اور تیرہ سو[۱۳۳۵] پینتیس ہجری تک اپنا کام چلائیگا۔ یعنی چودھویں صدی میں سے پینتیس برس برابر کام کرتا رہیگا۔ اب دیکھو اس پیشگوئی میں کس قدر تصریح سے مسیح موعود کا زمانہ چودھویں صدی قرار دی گئی۔ اب بتلاؤ کیا اس سے انکار کرنا ایمان داری ہے؟ منہ

החרישו אלי איים ולאמים

هحریشو   اےلئ   اییم   وُل اُومِیم

خاموش ہو جاؤ   میرے آگے   اے جزیرو   امّت

ויחליפו כח יגשו אז ידברו

وحلی فو   کواح   یِجْ شو   آز   یدَبّیرو

از سر نو سرسبز ہو گی اور قوت پکڑے گی وے قریب پہنچیں گے پھر سب ایک

יחדו למשפט נקרבה מי העיר

یحدَاُ   لمشفاط   نِقرِبیاہ   مِیْ   ھی عیر

بات پر متفق ہونگے ہم تضئی (فیصلہ) کے قریب آئینگے کس نے مبعوث کیا

ממזרח צדק יקראהו לרגלו יתן

ممزراح   صَدِیق   یقراء ھو   لرجلو   یتّین

مشرق کی طرف سے   صادق کو*   اسے   اپنے   حضور میں   بلایا   دھر دیا

לפניו גוים ומלכים ירד יתן

لفانایو   گویم   وملاکیم   یریِّد   یتّین

اس کے مُنہ کے آگے قوموں کو اور بادشاہوں پر اسے حاکم کیا۔ اُس نے کر دیا

כעפר חרבו כקש נדף קשתו

کعافار   حَرْبُوْ   کقاش   نِدّاف   قشتو

خاک کی مانند   اسکی تلوار کو   مانند بھوسے   اڑتے ہوئے کی   اسکی کمان کو

* اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسیح موعود جو آخری زمانہ میں پیدا ہو گا وہ مشرق میں یعنی ملک ہند میں ظاہر ہو گا اگرچہ اس آیت میں تصریح نہیں کہ آیا پنجاب میں مبعوث ہو گا یا ہندوستان میں مگر دوسرے مقامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پنجاب میں ہی مبعوث ہو گا۔ منہ

ירדפם יעבר שלום ארח ברגליו

یِردفیم یعبور شالوم اورح برَجْلاہو

اس نے انکا تعاقب کیا اور گذر گیا سلامت ایسی راہ سے جسپر کہ وہ

לא יבוא מי פעל ועשה

لو یابو مِي ذاعَلْ وعَاسَاہٗ

اپنے پاؤں پر نہیں چلا کس نے یہ کام کیا اور اسے انجام دیا

קרא הדרות מראש אני יהוה

قوری ھدّدروت مے روش انی یہوداہ

وہ جس نے ساری پشتوں کو ابتداء سے پڑھ سنایا میں وہی پہلا خدا ہوں

ראשון ואת־אחרונים אני־הוא׃

مِرِيْ شوُن واِیتُّ اَحَرونِیمْ اَنِي ھُو

اور آخرین کے ساتھ ہوں

۱۱۸

ضمیمہ تحفہ گولڑویہ

ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ اپنے دعویٰ کے متعلق جسقدر ثبوت ہیں اجمالی طور پر انکو اسجگہ اکٹھا کر دیا جائے۔ سو اوّل تمہیدی طور پر اس بات کا لکھنا ضروری ہے کہ میرا دعویٰ یہ ہے کہ مَیں مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں خدا تعالیٰ کی تمام پاک کتابوں میں پیشگوئیاں ہیں کہ وہ آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ ہمارے علماء کا یہ خیال ہے کہ وہی مسیح عیسیٰ ابن مریم جس پر انجیل نازل ہوئی تھی آخری زمانہ میں آسمان پر سے نازل ہوگا۔ لیکن ظاہر ہے کہ قرآن شریف اِس خیال کے مخالف ہے اور آیت فلمّا توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم[1] اور آیت کانا یاکلان الطعام[2] اور آیت ما محمّد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل[3] اور آیت فیھا تحیون وفیھا تموتون[4] اور دوسری تمام آیتیں جن کا ہم اپنی کتابوں میں ذکر کرچکے ہیں اس امر پر قطعیۃ الدلالت ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے ہیں اور انکی موت کا انکار قرآن سے انکار ہے اور پھر اس کے بعد اگرچہ اس بات کی ضرورت نہیں کہ ہم احادیث سے حضرت مسیح کی وفات کی دلیل ڈھونڈیں لیکن پھر بھی جب ہم حدیثوں پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ کافی حصہ اس قسم کی حدیثوں کا موجود ہے جن میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ایک سَو بیس برس عمر لکھی ہے اور جن میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر عیسیٰ اور موسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کرتے۔ اور جن میں لکھا گیا ہے کہ اب حضرت عیسےٰ علیہ السلام وفات یافتہ روحوں میں داخل ہیں۔ چنانچہ معراج کی تمام حدیثیں جو صحیح بخاری میں ہیں وہ اِس بات پر گواہ ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام معراج کی رات میں وفات شدہ روحوں میں دیکھے گئے۔ اور سب سے بڑھ کر حدیثوں کے رو سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہوگیا تھا کہ گذشتہ تمام نبی جن میں حضرت عیسیٰ بھی داخل ہیں سب کے سب فوت ہوچکے ہیں۔ اِس

[1] المائدۃ: ۱۱۸ [2] المائدۃ: ۷۶ [3] آل عمران: ۱۴۵ [4] الاعراف: ۲۶

اجماع کا ذکر صحیح بخاری میں موجود ہے جس سے ایک صحابی بھی باہر نہیں۔ اب اس طالب حق کیلئے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے حضرت مسیح کی وفات کے بارے میں زیادہ ثبوت کی ضرورت نہیں ماسوا اس کے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام انجیل میں اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ میری آمد ثانی بروزی رنگ میں ہوگی نہ حقیقی رنگ میں اور وہ اقرار یہ ہے:- (۱۰) اور اُسکے شاگردوں نے اُس سے پوچھا پھر فقیہہ کیوں کہتے ہیں کہ پہلے الیاس کا آنا ضروری ہے (یعنی مسیح کے آنے سے پہلے الیاس کا آنا کتابوں کے رُو سے ضروری ہے) (۱۱) یسوع نے انہیں جواب دیا کہ الیاس البتہ پہلے آوے گا اور سب چیزوں کا بندوبست کریگا (۱۲) پر میں تم سے کہتا ہوں کہ الیاس تو آچکا لیکن انہوں نے اس کو نہیں پہچانا بلکہ جو چاہا اُس کے ساتھ کیا۔+ اسی طرح ابن آدم بھی اُن سے (آمد ثانی کے وقت میں) دُکھ اُٹھائیگا۔ دیکھو انجیل متی باب ۱۷- آیت ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ - ان آیات میں مسیح نے صاف لفظوں میں فرما دیا کہ اس کا دوبارہ آنا بھی الیاس کے رنگ میں ہوگا۔ چونکہ مسیح اس سے پہلے کئی دفعہ اپنی آمد ثانی کا حواریوں کے سامنے ذکر کر چکا تھا جیسا کہ اسی انجیل متی سے ظاہر ہے۔ اس لئے اُس نے چاہا کہ الیاس کی آمد ثانی کی بحث میں اپنی آمد ثانی کی حقیقت بھی ظاہر کر دے سو اُس نے بتلا دیا کہ میری آمد ثانی بھی الیاس کی آمد ثانی کی مانند ہوگی یعنی محض بروزی طور پر ہوگی۔ اب کس قدر ظلم ہے کہ مسیح تو اپنی آمد ثانی کو بروزی طور پر بتلاتا ہے اور صاف کہتا ہے کہ میں نہیں آؤنگا بلکہ میرے خلق اور خو پر کوئی اَور آئیگا

۱۱۹ص

+ کیا تعجب ہے کہ سید احمد بریلوی اس مسیح موعود کے لئے الیاس کے رنگ میں آیا ہو۔ کیونکہ اُس کے خون نے ایک ظالم سلطنت کا استیصال کر کے مسیح موعود کے لئے جو یہ راقم ہے راہ کو صاف کیا۔ اُسی کے خون کا اثر معلوم ہوتا ہے جس نے انگریزوں کو پنجاب میں بلایا اور اسقدر سخت مذہبی روکوں کو جو ایک آہنی تنور کی طرح تھیں دُور کر کے ایک آزاد سلطنت کے حوالہ پنجاب کو کر دیا اور تبلیغ اسلام کی بنیاد ڈال دی۔ منہ

اور ہمارے مولوی اور بعض عیسائی یہ خیال کر رہے ہیں کہ سچ مچ خود ہی وہ دوبارہ دنیا میں آ جائے گا۔ اسجگہ ایک لطیفہ بیان کرنے کے لائق ہے جس سے ظاہر ہو گا کہ خدا تعالیٰ کے علم میں ایک زمانہ مقدر تھا جس میں فوت شدہ رُوحیں بروزی طور پر آنے والی تھیں۔ اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یعنی سورۃ انبیاء جزو نمبر ۱۷ میں ایک پیشگوئی کی ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ ہلاک شدہ لوگ یاجوج ماجوج کے زمانہ میں پھر دنیا میں رجوع کرینگے اور وہ یہ آیت ہے۔ وحرام علی قریۃ اھلکناھا انھم لا یرجعون حتّٰی اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون۔ واقترب الوعد الحق۔[1] اور اس کے اوپر کی یہ آیتیں ہیں۔ والتی احصنت فرجھا فنفخنا فیھا من روحنا و جعلناھا وابنھا ایۃ للعالمین۔ ان ھٰذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون۔ وتقطعوا امرھم بینھم کل الینا راجعون۔ فمن یعمل من الصّٰلحٰت وھو مؤمن فلا کفران لسعیہ وانا لہ کاتبون۔[2] ترجمہ ان آیات کا یہ ہے کہ مریم نے جب اپنے اندامِ نہانی کو نامحرم سے محفوظ رکھا۔ یعنی غایت درجہ کی پاکدامنی اختیار کی تو ہم نے اُس کو یہ انعام دیا کہ وہ بچہ اس کو عنایت کیا کہ جو رُوح القدس کے نفخ سے پیدا ہُوا تھا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے جو دنیا میں بچے دو قسم کے پیدا ہوتے ہیں (۱) ایک جن میں نفخ رُوح القدس کا اثر ہوتا ہے۔ اور ایسے بچے وہ ہوتے ہیں جب عورتیں پاکدامن اور پاک خیال ہوں اور اسی حالت میں استقرار نطفہ ہو وہ بچے پاک ہوتے ہیں

+ ہم نے بعض کا لفظ اس واسطے لکھا ہے کہ کل عیسائی اس پر متفق نہیں ہیں کہ مسیح دوبارہ دنیا میں آجائے گا۔ بلکہ ایک گروہ عیسائیوں میں سے اس بات کا بھی قائل ہے کہ دوسرا مسیح کوئی اَور ہے جو مسیح ابن مریم کے رنگ اور خو پر آئے گا۔ اسی وجہ سے عیسائیوں میں بعض نے جھوٹے دعوے کئے کہ وہ مسیح ہم ہیں۔ منہ

[1] الانبیاء: ۹۶ تا ۹۸ [2] الانبیاء: ۹۲ تا ۹۵

اور شیطان کا اُن میں حصہ نہیں ہوتا۔ (۲) دوسری وہ عورتیں ہیں جن کے حالات اکثر گندے اور ناپاک رہتے ہیں پس ان کی اولاد میں شیطان اپنا حصہ ڈالتا ہے جیسا کہ آیت وَ شَارِکْھُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ[۱] اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے جس میں شیطان کو خطاب ہے کہ ان کے مالوں اور بچوں میں حصہ دار بن جا۔ یعنی وہ حرام کے مال اکٹھا کریں گی اور ناپاک اولاد جنیں گی۔ ایسا سمجھنا غلطی ہے کہ حضرت عیسیٰ کو نفخ رُوح سے کچھ خصوصیت تھی جس میں دوسروں کو حصہ نہیں بلکہ نعوذ باللہ یہ خیال قریب قریب کفر کے جا پہنچتا ہے۔ اصل حقیقت صرف یہ ہے کہ قرآن شریف میں انسانوں کی پیدائش میں دو قسم کی شراکت بیان فرمائی گئی ہے (۱) ایک رُوح القدس کی شراکت جب والدین کے خیالات پر ناپاکی اور خباثت غالب نہ ہو (۲) اور ایک شیطان کی شراکت جب اُن کے خیال پر ناپاکی اور پلیدی غالب ہو اسی کی طرف اشارہ اس آیت میں بھی ہے کہ لَا یَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا[۲]۔ پس بلاشبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن لوگوں میں سے تھے جو مسّ شیطان اور نفخ ابلیس سے پیدا نہیں ہوئے اور بغیر باپ کے ان کا پیدا ہونا یہ امر دیگر تھا جس کو رُوح القدس سے کچھ تعلّق نہیں۔ دنیا میں ہزاروں کیڑے مکوڑے برسات کے دنوں میں بغیر باپ کے بلکہ بغیر ماں اور باپ دونوں کے پیدا ہو جاتے ہیں تو کیا وہ رُوح القدس کے فرزند کہلاتے ہیں؟ رُوح القدس کے فرزند وہی ہیں جو عورتوں کی کامل پاکدامنی اور مردوں کے کامل پاک خیال کی حالت میں رحم مادر میں وجود پکڑتے ہیں۔ اور اُن کی ضد شیطان کے فرزند ہیں۔ خدا کی ساری کتابیں یہی گواہی دیتی آئی ہیں۔ اور پھر بقیہ ترجمہ یہ ہے کہ ہم نے مریم اور اس کے بیٹے کو بنی اسرائیل کے لئے اور اُن سب کیلئے جو سمجھیں ایک نشان بنایا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کر کے بنی اسرائیل کو یہ سمجھا دیا کہ تمہاری بداعمالی کے سبب سے نبوت بنی اسرائیل سے جاتی رہی کیونکہ عیسیٰ باپ کے رُو سے بنی اسرائیل میں سے نہیں ہے۔ اس مقام میں یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اکثر پادری جو

صفحہ ۱۲۰

[۱] بنی اسرائیل: ۶۵ [۲] نوح: ۲۸

کہا کرتے ہیں کہ توریت میں جو مثیل موسیٰ کا وعدہ ہے اور لکھا ہے کہ تمہارے بھائیوں میں سے موسیٰ کی مانند ایک نبی قائم کیا جائیگا وہ نبی یسوع یعنی عیسیٰ بن مریم ہے یہ قول ان کا اسی جگہ سے غلط ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جس حالت میں بنی اسرائیل میں سے حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں ہے تو وہ بنی اسرائیل کا بھائی کیونکر بن سکتا ہے۔ پس بلاشبہ ماننا پڑا کہ لفظ "تمہارے بھائیوں میں سے" جو توریت میں موجود ہے اس سے مراد وہ نبی ہے جو بنی اسمٰعیل میں سے ظاہر ہوا یعنی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔ کیونکہ توریت میں جابجا بنی اسمٰعیل کو بنی اسرائیل کے بھائی لکھا ہے۔ لیکن ایسا شخص جو باقرار فریقین کسی اسرائیلی مرد کے نطفہ میں سے نہیں ہے اور نہ اسمٰعیلی مرد کے نطفہ سے وہ کسی طرح بنی اسرائیل کا بھائی نہیں کہلا سکتا اور نہ حسب ادعائے عیسائیاں وہ موسیٰ کی مانند ہے کیونکہ وہ تو اُن کے نزدیک خدا ہے اور موسیٰ تو خدا نہیں۔ اور ہمارے نزدیک بھی وہ موسیٰ کی مانند نہیں کیونکہ موسیٰ نے ظاہر ہو کر تین بڑے کھلے کھلے کام کئے جو دنیا پر روشن ہو گئے ایسے ہی کھلے کھلے تین کام جو دنیا پر بدیہی طور پر ظاہر ہو گئے ہوں جس نبی سے ظہور میں آئے ہوں وہی نبی مثیل موسیٰ ہوگا۔ اور وہ کام یہ ہیں (۱) اوّل یہ کہ موسےٰ نے اُس دشمن کو ہلاک کیا جو اُن کی اور اُن کی شریعت کی بیخ کنی کرنا چاہتا تھا (۲) دوسرے یہ کہ موسیٰ نے ایک نادان قوم کو جو خدا اور اس کی کتابوں سے ناواقف تھی اور وحشیوں کی طرح چارسو برس سے زندگی بسر کرتے تھے کتاب اور خدا کی شریعت دی یعنی توریت عنایت کی اور ان میں شریعت کی بنیاد ڈالی (۳) تیسرے یہ کہ بعد اس کے کہ وہ لوگ ذلت کی زندگی بسر کرتے تھے انکو حکومت اور بادشاہت عنایت کی اور اُن میں سے بادشاہ بنائے۔ ان تینوں انعامات کا قرآن شریف میں ذکر ہے۔ جیساکہ فرمایا۔ قال عسٰی ربکم ان یھلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون[1]۔ دیکھو سورۃ الاعراف الجزو نمبر ۹۔ اور پھر دوسری جگہ فرمایا۔ فقد اٰتینا اٰل ابراھیم الکتاب

۱۲۱

[1] الاعراف: ۱۳۰

والحکمۃ و اٰتیناھم ملکاً عظیماً[1] دیکھو سورۃ النساء الجزو نمبر ۵ - اب سوچکر دیکھ لو کہ
اِن تینوں کاموں میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک ذرّہ بھی
مناسبت نہیں۔ نہ وہ پیدا ہو کر یہودیوں کے دشمنوں کو ہلاک کر سکے اور نہ وہ اُن کے لئے
کوئی نئی شریعت لائے اور نہ انہوں نے بنی اسرائیل یا اُن کے بھائیوں کو بادشاہت بخشی۔
انجیل کیا تھی وہ صرف توریت کے چند احکام کا خلاصہ ہے جس سے پہلے یہود بے خبر
نہیں تھے گو اس پر کاربند نہ تھے۔ یہود گو حضرت مسیح کے وقت میں اکثر بدکار تھے مگر
پھر بھی اُن کے ہاتھ میں توریت تھی۔ پس انصاف ہمیں اس گواہی کے لئے مجبور کرتا ہے
کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کچھ مماثلت نہیں رکھتے - اور یہ
کہنا کہ جس طرح حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ہاتھ سے نجات دی اسی
طرح حضرت عیسیٰ نے اپنے تابعین کو شیطان کے ہاتھ سے نجات دی یہ ایسا بیہودہ
خیال ہے کہ کوئی شخص گو کیسا ہی اغماض کرنے والا ہو اس خیال پر اطلاع پا کر اپنے تئیں
ہنسنے سے روک نہیں سکیگا۔ مخالف کے سامنے اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ عیسٰے
نے ضرور اپنے پیرووں کو شیطان سے اسی طرح نجات دیدی جیسا کہ موسیٰ نے بنی اسرائیل
کو فرعون کے ہاتھ سے نجات دی۔ موسیٰ کا بنی اسرائیل کو فرعون کے ہاتھ سے نجات دینا
ایک تاریخی امر ہے جس سے نہ کوئی یہودی منکر ہو سکتا ہے نہ عیسائی نہ مسلمان نہ گبر نہ ہندو
کیونکہ وہ دنیا کے واقعات میں سے ایک واقعہ مشہورہ ہے مگر عیسیٰ کا اپنے تابعین کو
شیطان کے ہاتھ سے نجات دینا صرف اعتقادی امر ہے جو محض نصاریٰ کے خیالات
میں ہے خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں جس کو دیکھ کر ہر ایک شخص بدیہی طور پر
قائل ہو سکے کہ ہاں یہ لوگ درحقیقت شیطان اور ہر ایک بدکاری سے نجات پاگئے ہیں
اور ان کا گروہ ہر ایک بدی سے پاک ہے۔ نہ اُن میں زنا ہے نہ شراب خوری نہ قمار بازی
اور نہ خونریزی بلکہ تمام مذاہب کے پیشوا اپنے اپنے خیال میں اپنی اپنی امتوں کو

[1] النساء: ۵۵

شیطان کے ہاتھ سے نجات دیتے ہیں۔ اس نجات دہی کے دعوے سے کس پیشوا کو انکار ہے۔ اب اس بات کا کون فیصلہ کرے کہ دوسروں نے اپنی امت کو نجات نہیں دی مگر مسیح نے دی پیشگوئی میں تو کوئی کھلا کھلا تاریخی واقعہ ہونا چاہیئے جو موسیٰ کے واقعہ سے مشابہ ہو نہ کہ اعتقادی امر کہ جو خود ثبوت طلب ہے۔ ظاہر ہے کہ پیشگوئی سے صرف یہ مقصود ہوتا ہے کہ وہ دوسری کے لئے بطور دلیل کے کام آسکے لیکن جب ایک پیشگوئی خود دلیل کی محتاج ہے تو کس کام کی ہے مماثلت ایسے امور میں چاہیئے کہ جو واقعات مشہورہ میں داخل ہوں نہ یہ کہ صرف اپنے اعتقادیات ہوں جو خود ثبوت طلب ہیں۔ بھلا انصافاً تم آپ ہی سوچو کہ موسیٰ نے تو فرعون کو مع اس کے لشکر کے ہلاک کر کے جہان کو دکھلا دیا کہ اس نے یہودیوں کو اس عذاب اور شکنجہ سے نجات دیدی جس میں وہ لوگ قریباً چار سو برس سے مبتلا چلے آتے تھے اور پھر ان کو بادشاہت بھی دے دی مگر حضرت مسیح نے اس نجات کے یہودیوں کو کیا آثار دکھلائے اور کونسا ملک ان کے حوالے کیا۔ اور کب یہودی ان پر ایمان لائے اور کب انہوں نے مان لیا کہ اس شخص نے موسیٰ کی طرح ہمیں نجات دے دی اور داؤد کا تخت دوبارہ قائم کیا۔ اور بالفرض اگر وہ ایمان بھی لاتے تو آئندہ جہان کی نجات تو ایک مخفی امر ہے اور ایسا مخفی امر کب اس لائق ہے کہ پیشگوئی میں ایک بدیہی امر کی طرح اس کو دکھلایا جائے۔ جو شخص کسی مدعی نبوت پر ایمان لاتا ہے یہ ایمان تو خود ہنوز جائے بحث ہے کسی کو کیا خبر کہ وہ ایمان لانے سے نجات پاتا ہے یا انجام اس کا عذاب اور مواخذہ الٰہی ہے پیشگوئی میں تو وہ امور پیش کرنے چاہئیں جن کو کھلے کھلے طور پر دنیا دیکھ سکے اور پہچان سکے۔ اس پیشگوئی کا تو یہ مطلب ہے کہ وہ نبی موسیٰ کی طرح بنی اسرائیل کو یا اُن کے بھائیوں کو ایک عذاب سے نجات دے گا اسی طرح جیسا کہ موسیٰ نے بنی اسرائیل کو عذاب سے نجات دی تھی۔ اور نہ صرف نجات دیگا

ص۱۲۲

بلکہ انکو ایام ذلّت کے بعد سلطنت بھی عطا کرے گا جیسا کہ موسیٰ نے بنی اسرائیل کو چار سو برس کی ذلّت کے بعد نجات دی اور پھر سلطنت عطا کی اور پھر اس وحشی قوم کو موسیٰ کی طرح ایک نئی شریعت سے تہذیب یافتہ کرے گا۔ اور وہ قوم بنی اسرائیل کے بھائی ہونگے۔ اب دیکھو کہ کیسی صفائی اور روشنی سے یہ پیشگوئی سیدنا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں پوری ہوگئی ہے اور ایسی صفائی سے پوری ہوگئی ہے کہ اگر مثلاً ایک ہندو کے سامنے بھی جو عقل سلیم رکھتا ہو یہ دونوں تاریخی واقعات رکھے جائیں یعنے جس طرح موسیٰ نے اپنی قوم کو فرعون کے ہاتھ سے نجات دی اور پھر سلطنت بخشی اور پھر ان وحشی لوگوں کو جو غلامی میں بسر کر رہے تھے ایک شریعت بخشی۔ اور جس طرح سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غریبوں اور کمزوروں کو جو آپ پر ایمان لائے تھے عرب کے خونخوار درندوں سے نجات دی اور سلطنت عطا کی اور پھر اس وحشیانہ حالت کے بعد ان کو ایک شریعت عطا کی تو بلاشبہ وہ ہندو دونوں واقعات کو ایک ہی رنگ میں سمجھے گا اور ان کی مماثلت کی گواہی دیگا۔ اور خود ہم جبکہ دیکھتے ہیں کہ کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کو عرب کے خونخوار ظالموں کے ہاتھ سے بچا کر اپنے پروں کے نیچے لے لیا۔ اور پھر ان لوگوں کو جو صدہا سال سے وحشیانہ حالت میں بسر کر رہے تھے ایک نئی شریعت عطا فرمائی اور بعد ایام ذلّت اور غلامی کے سلطنت عطا فرمائی تو بلا تکلّف موسیٰ کے زمانہ کا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور پھر ذرا اور غور کر کے جب حضرت موسیٰ کے سلسلۂ خلفاء پر نظر ڈالتے ہیں جو چودہ سو برس تک دنیا میں قائم رہا تو اس کے مقابل پر سلسلہ محمدیہ بھی اسی مقدار پر ہمیں نظر آتا ہے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ کے سلسلۂ خلفاء کے آخر میں ایک مسیح ہے جس کا نام عیسیٰ بن مریم ہے ایسا ہی اس سلسلہ کے آخر میں بھی جو مقدار اور مدت میں سلسلہ موسوی کی مانند ہے ایک مسیح دکھائی دیتا ہے اور دونوں سلسلے ایک دوسرے کے مقابل پر ایسے دکھائی دیتے ہیں کہ

جس طرح ایک انسان کی دو ٹانگیں ایک دوسری کے مقابل پر ہوتی ہیں۔ پس اس سے بڑھ کر مماثلت کے کیا معنے ہیں۔ اور یہی حقیقت یہ آیت ظاہر فرماتی ہے کہ انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھدًا علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً[1]۔ اور اسی مقام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس امت کے آخری زمانہ میں مسیح کے مبعوث ہونے کی کیوں ضرورت تھی یعنی یہی ضرورت تھی کہ جبکہ خدا تعالیٰ نے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثیل ٹھیرایا اور نیز سلسلہ خلافتِ محمدیہ کو سلسلہ خلافت موسویہ کا مثیل مقرر کیا تو جس طرح موسوی سلسلہ موسیٰ سے شروع ہوا اور مسیح پر ختم ہوا یہ سلسلہ بھی ایسا ہی چاہیئے تھا۔ سو موسیٰ کی جگہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مقرر کئے گئے اور پھر آخر سلسلہ میں جو بالمقابل حساب کے رو سے چودھویں صدی تھی ایسا شخص مسیح کے نام سے ظاہر کیا گیا جو قریش میں سے نہیں تھا جس طرح حضرت عیسےٰ بن مریم باپ کے رو سے بنی اسرائیل میں سے نہیں تھا۔ غرض اس امت کے آخری زمانہ میں مسیح کے آنے کی ضرورت یہی ہے کہ تا دونوں سلسلوں کا اوّل اور آخر باہم مطابق آجائے اور جیسا کہ ایک سلسلہ چودہ سو برس کی مدّت تک موسیٰ سے لیکر عیسیٰ بن مریم تک ختم ہوا ایسا ہی دوسرا سلسلہ جو خدا کی کلام میں اس کے مشابہ کھڑا کیا گیا ہے اسی چودہ سو برس کی مدت تک مثیل موسیٰ سے لیکر مثیل عیسیٰ بن مریم تک ختم ہوا۔ یہی خدا کا ارادہ تھا جس کے ساتھ یہ امر بھی ملحوظ ہے کہ جیسا کہ موسوی سلسلہ کا عیسیٰ اُس صلیب پر فتحیاب ہوا تھا جو یہودیوں نے کھڑا کیا تھا ایسا ہی محمدی سلسلہ کے عیسیٰ کے لئے یہ مقدر تھا کہ وہ اس صلیب پر فتحیاب ہو جو نصاریٰ نے کھڑا کیا ہے۔ غرض اس اُمت میں بھی پورا مقابلہ دکھلانے کے لئے آخری خلیفہ خلفائے محمدیہ میں سے عیسیٰ کے نام پر آنا ضروری تھا جیسا کہ اوّل سلسلہ میں موسیٰ کے نام پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور جس طرح یہ اسلامی سلسلہ مثیل موسیٰ سے شروع ہوا اسی طرح ضروری تھا کہ مثیل عیسیٰ پر اس کا خاتمہ ہوتا تا یہ دونوں سلسلے یعنی سلسلہ موسویہ اور سلسلہ محمدیہ

۱۲۳

[1] المزمل: ۱۶

ایک دوسرے سے مطابق ہو جاتے۔ سو ایسا ہی ظہور میں آیا۔ اور اسی حقیقت کے سمجھنے پر تمام نزاعوں کا فیصلہ موقوف ہے جو بات خدا نے چاہی انسان اس کو ردّ نہیں کر سکتا۔ خدا نے دنیا کو اپنے عجائبات قدرت دکھانے کے لئے ابراہیم کی اولاد سے دو سلسلے قائم کئے۔ اوّل موسوی سلسلہ جو بنی اسرائیل میں قائم کیا گیا اور ایک ایسے شخص پر ختم کیا گیا جو بنی اسرائیل میں سے نہیں تھا یعنی عیسیٰ مسیح۔ اور عیسیٰ مسیح کے دو گروہ دشمن تھے ایک اندرونی گروہ یعنی وہ یہودی جنہوں نے اس کو صلیب دیکر مارنا چاہا جنکی طرف سورہ فاتحہ میں یعنی آیت غیر المغضوب علیہم میں اشارہ ہے۔ دوسرے بیرونی دشمن یعنی وہ لوگ جو رومی قوم میں سے متعصب تھے جن کو خیال تھا کہ یہ شخص سلطنت کے مذہب اور اقبال کا دشمن ہے۔ ایسا ہی خدا نے آخری مسیح کے لئے دو دشمن قرار دیئے ایک وہی جن کو اُس نے یہودی کے نام سے موسوم کیا۔ وہ اصل یہودی نہیں تھے۔ جس طرح یہ مسیح جو آسمان پر عیسیٰ بن مریم کہلاتا ہے دراصل عیسیٰ بن مریم نہیں بلکہ اُس کا مثیل ہے۔ دوسرے اس مسیح کے وہ دشمن ہیں جو صلیب پر غلو کرتے ہیں اور صلیب کی فتح چاہتے ہیں۔ مگر اس مسیح کی پہلے مسیح کی طرح آسمان پر بادشاہت ہے زمین کی حکومتوں سے کچھ تعلق نہیں۔ ہاں جس طرح رومی قوم میں آخر دین مسیحی داخل ہو گیا اِسجگہ بھی ایسا ہی ہوگا۔

اب خلاصہ کلام یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل میں یہ دعویٰ نہیں کہ مَیں موسیٰ کی مانند بھیجا گیا ہوں اور نہ ایسا دعویٰ وہ کر سکتے تھے کیونکہ وہ موسوی سلسلہ کے تحت میں اس سلسلہ کے آخری خلیفہ تھے لہذا وہ موسیٰ کے مثیل کیونکر ٹھیر سکتے تھے مثیل تو وہ تھا جس نے موسیٰ کی طرح امن بخشا اور سلطنت بخشی اور شریعت دی اور پھر موسیٰ کی طرح چودہ۱۴ سو برس کا ایک سلسلہ قائم کیا۔ اور آپ موسیٰ بن کر اپنے خلفاء کے اخیر سلسلہ میں موسیٰ کی طرح ایک مسیح کی بشارت دی۔ اور جس طرح موسیٰ نے توریت میں لکھا کہ یہودا کی سلطنت جاتی رہے گی جبتک مسیح نہ آوے اسی طرح مثیل موسیٰ

محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے وقت میں سلسلہ محمدیہ کا مسیح آئیگا جبکہ رومی طاقتوں کے ساتھ اسلامی سلطنت مقابلہ نہیں کرسکے گی۔ اور کمزور اور پست اور مغلوب ہوجائے گی اور ایسی سلطنت زمین پر قائم ہوگی جس کے مقابل پر کوئی ہاتھ کھڑا نہیں ہوسکیگا۔ اور مسیح نے تمام انجیل میں کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ میں موسیٰ کی مانند ہوں مگر قرآن آواز بلند سے فرماتا ہے کہ انا ارسلنا الیکم رسولًا شاھدًا علیکم کما ارسلنا الٰی فرعون رسولًا[1]۔ یعنی ہم نے اِس رسول کو اے عرب کے خونخوار ظالمو! اُسی رسول کی مانند بھیجا ہے جو تم سے پہلے فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر یہ پیشگوئی جو اس شد و مد سے قرآن شریف میں لکھی گئی ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ اس دعویٰ دروغ کے ساتھ جو اپنے تئیں موسیٰ کا مثیل ٹھیرالیا کبھی اپنے مخالفوں پر فتحیاب نہ ہوسکتے مگر تاریخ گواہی دے رہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ فتح عظیم اپنے مخالفوں پر حاصل ہوئی کہ بجز نبیٔ صادق دوسرے کے لئے ہرگز میسّر نہیں آسکتی تھی۔ پس مماثلت اس کا نام ہے جسکی تائید میں دونوں طرف سے تاریخی واقعات اس زور شور سے گواہی دے رہے ہیں کہ وہ دونوں واقعات بدیہی طور پر نظر آتے ہیں۔ اور موسیٰ کے یہ تین کام کہ گروہِ مخالف کو جو مصر امن تھا ہلاک کرنا اور پھر اپنے گروہ کو حکومت اور دولت بخشنا اور اُن کو شریعت عطا کرنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے انہی تین کاموں کے ساتھ ایسے مشابہ ثابت ہوگئے کہ گویا وہ دونوں کام ایک ہی ہیں۔ یہ ایک ایسی مماثلت ہے جس سے ایمان قوی ہوتا ہے اور یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اِس پیشگوئی سے خدا کے وجود کا پتہ لگتا ہے کہ وہ کیسا قادر اور زبردست خدا ہے کہ کوئی بات اس کے آگے انہونی نہیں۔ اِسی جگہ سے طالب حق کے لئے حق الیقین کے درجہ تک یہ معرفت پہنچ جاتی ہے کہ آنے والا مسیح موعود امت محمدیہ میں سے ہے نہ کہ وہی عیسٰی نبی اللہ دوبارہ دنیا میں آکر رسالت محمدیہ کی ختمیت کے مسئلہ کو مشتبہ کردیگا اور نعوذ باللہ خلمّا توفّیتنی کا

۱۲۴

[1] المزمل: ۱۶

کذب ثابت کریگا جس شخص کے دل میں حق کی تلاش ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ قرآن شریف کے رُو سے کئی انسانوں کا بروزی طور پر آنا مقدّر تھا۔ (۱) اول مثیل موسیٰ کا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جیسا کہ آیت انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھدًا علیکم کما ارسلنا الٰی فرعون رسولاً[۱] سے ثابت ہے (۲) دوم خلفائے موسیٰ کے مثیلوں کا جن میں مثیلِ مسیح بھی داخل ہے جیسا کہ آیت کما استخلف الذین من قبلھم[۲] سے ثابت ہے (۳) عام صحابہ کے مثیلوں کا جیسا کہ آیت و اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم[۳] سے ثابت ہے (۴) چہارم اُن یہودیوں کے مثیلوں کا جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ لکھا اور ان کو قتل کرنے کے لئے فتوے دیئے اور اُن کی ایذاء اور قتل کے لئے سعی کی جیسا کہ آیت غیر المغضوب علیھم میں جو دُعا سکھائی گئی ہے اس سے صاف مترشح ہو رہا ہے (۵) پنجم یہودیوں کے بادشاہوں کے اُن مثیلوں کا جو اسلام میں پیدا ہوئے جیسا کہ ان دو بالمقابل آیتوں سے جن کے الفاظ باہم ملتے ہیں سمجھا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں :۔

یہودیوں کے بادشاہوں کی نسبت	اسلام کے بادشاہوں کی نسبت
قال عسٰی ربکم ان یھلک عدوکم و یستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون[۴]	ثم جعلنٰکم خلٰئف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون[۵]
الجزو نمبر ۹ سورۃ الاعراف صفحہ ۲۶۵[ف۱]	الجزو نمبر ۱۱ سورہ یونس صفحہ ۳۳۵[ف۱]

یہ دو فقرے یعنی فینظر کیف تعملون جو یہودیوں کے بادشاہوں کے حق میں ہے اور اس کے مقابل پر دوسرا فقرہ یعنی لننظر کیف تعملون جو مسلمانوں کے بادشاہوں کے حق میں ہے صاف بتلا رہے ہیں کہ ان دونوں قوموں کے بادشاہوں کے واقعات بھی باہم متشابہ ہونگے سو ایسا ہی ظہور میں آیا۔ اور جس طرح یہودی بادشاہوں سے قابلِ شرم خانہ جنگیاں ظہور

۱۲۵

[ف۱] یہ کسی ایسے قرآن شریف کے صفحات کا حوالہ ہے جو حضرت اقدس علیہ السلام کے زیر نگاہ رہا کرتا تھا۔ مصحح

[۱] المزمّل: ۱۶ [۲] النور: ۵۶ [۳] الجمعۃ: ۴ [۴] الاعراف: ۱۳۰ [۵] یونس: ۱۵

میں آئیں اور اکثر کے چال چلن بھی خراب ہو گئے یہاں تک کہ بعض اُن میں سے بدکاری شراب نوشی خونریزی اور سخت بے رحمی میں ضرب المثل ہو گئے۔ یہی طریق اکثر مسلمانوں کے بادشاہوں نے اختیار کئے۔ ہاں بعض یہودیوں کے نیک اور عادل بادشاہوں کی طرح نیک اور عادل بادشاہ بھی بنے جیسا کہ عمر بن عبدالعزیز۔ (۶) چھٹے اُن بادشاہوں کے مثیلوں کا قرآن شریف میں ذکر ہے جنہوں نے یہودیوں کے سلاطین کی بدچلنی کے وقت اُن کے ممالک پر قبضہ کیا۔ جیسا کہ آیت غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون[1] سے ظاہر ہوتا ہے۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ روم سے مراد نصاریٰ ہیں اور وہ آخری زمانہ میں پھر اسلامی ممالک کے کچھ حصے دبالیں گے اور اسلامی بادشاہوں کے ممالک اُنکی بدچلنیوں کے وقت میں اُسی طرح نصاریٰ کے قبضے میں آجائیں گے جیسا کہ اسرائیلی بادشاہوں کی بدچلنیوں کے وقت رومی سلطنت نے ان کا ملک دبا لیا تھا پس واضح ہو کہ یہ پیشگوئی ہمارے اس زمانہ میں پوری ہو گئی۔ مثلاً روس نے جو کچھ رومی سلطنت کو خدا کی ازلی مشیت سے نقصان پہنچایا وہ پوشیدہ نہیں۔ اور اس آیت میں جبکہ دوسرے طور پر معنے کئے جائیں غالب ہونے کے وقت میں روم سے مراد قیصر روم کا خاندان نہیں کیونکہ وہ خاندان اسلام کے ہاتھ سے تباہ ہو چکا بلکہ اسجگہ بروزی طور پر روم سے روس اور دوسری عیسائی سلطنتیں مراد ہیں جو عیسائی مذہب رکھتی ہیں۔ یہ آیت اوّل اس موقعہ پر نازل ہوئی جبکہ کسریٰ شاہ ایران نے بعض حدود پر لڑائی کر کے قیصر شاہ روم کو مغلوب کر دیا تھا۔ پھر جب اس پیشگوئی کے مطابق بضع سنین میں قیصر روم شاہ ایران پر غالب آگیا تو پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ غلبت الروم فی ادنی الارض الخ جسکا مطلب یہ تھا کہ رومی سلطنت اب تو غالب آگئی ہے مگر پھر بضع سنین میں اسلام کے ہاتھ سے مغلوب ہونگے۔ مگر باوجود اس کے کہ دوسری قرأت میں غلبت کا صیغہ ماضی معلوم تھا اور سیغلبون کا صیغہ مضارع مجہول تھا۔ مگر پھر بھی پہلی قرأت جس میں غلبت

[1] الروم: ۳-۴

کا صیغہ ماضی مجہول تھا اور سیغلبون مضارع معلوم تھا منسوخ التلاوت نہیں ہوئی بلکہ اسی طرح جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف سناتے رہے جس سے اس سنت اللہ کے موافق جو قرآن شریف کے نزول میں ہے یہ ثابت ہوا کہ ایک مرتبہ پھر مقدر ہے کہ عیسائی سلطنت روم کے بعض حدود کو پھر اپنے قبضہ میں کریگی۔ اسی بنار پر احادیث میں آیا ہے کہ مسیح کے وقت میں سب سے زیادہ دنیا میں روم ہونگے یعنی نصاریٰ۔

اس تحریر سے ہماری غرض یہ ہے کہ قرآن اور احادیث میں روم کا لفظ بھی بروزی طور پر آیا ہے۔ یعنی روم سے اصل روم مراد نہیں ہیں بلکہ نصاریٰ مراد ہیں۔ پس اسجگہ چھ بروز ہیں جن کا قرآن شریف میں ذکر ہے۔ اب عقلمند سوچ سکتا ہے کہ جبکہ سلسلہ محمدیہ میں موسیٰ بھی بروزی طور پر نام رکھا گیا ہے اور محمد مہدی بھی بروزی طور پر اور مسلمانوں کا نام یہودی بھی بروزی طور پر اور عیسائی سلطنت کے لئے روم کا نام بھی بروزی طور پر تو پھر ان تمام بروزوں میں مسیح موعود کا حقیقی طور پر عیسیٰ بن مریم ہی ہونا سراسر غیر موزون ہے✠ اور

✠ صحیح بخاری میں جو یہ حدیث ہے کہ بغیر عیسیٰ بن مریم کے کوئی مسّ شیطان سے محفوظ نہیں رہا اسجگہ فتح الباری میں اور نیز علاّمہ زمخشری نے یہ لکھا ہے کہ اسجگہ تمام نبیوں میں سے صرف عیسیٰ کو ہی معصوم ٹھیرانا قرآن شریف کے نصوص صریحہ کے مخالف ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ کہکر کہ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان[1] تمام نبیوں کو معصوم ٹھیرایا ہے پھر عیسیٰ بن مریم کی کیا خصوصیت ہے۔ اس لئے اس حدیث کے یہ معنے ہیں کہ تمام وہ لوگ جو بروزی طور پر عیسیٰ بن مریم کے رنگ میں ہیں یعنی رُوح القدس سے حصہ لینے والے اور خدا سے پاک تعلق رکھنے والے وہ سب معصوم ہیں اور سب عیسیٰ بن مریم ہی ہیں اور حضرت عیسیٰ کی معصومیت کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ یہودیوں کا یہ بھی اعتراض تھا کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت مسّ شیطان کے ساتھ ہے یعنی مریم کا حمل نعوذ باللہ حلال طور پر نہیں ہوا تھا جس سے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے سو ضرور تھا کہ اس گندے الزام کو دفع کیا جاتا۔ منہ

[1] بنی اسرائیل: ۶۶

خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں بار بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر اسی لئے زور دیا ہے کہ تا آئندہ زمانہ میں ایسے لوگوں پر حجّت ہو جائے جو ناحق اس دھوکہ میں مبتلا ہونے والے تھے کہ گویا حضرت عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اور مسیح کی حیات پر کوئی دلیل ان کے پاس نہیں اور جو دلائل پیش کرتے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن پر سخت درجہ کی غباوت غالب آگئی ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ آیت وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ[1] حضرت مسیح کی زندگی پر دلالت کرتی ہے اور اُن کے مرنے سے پہلے تمام اہل کتاب اُن پر ایمان لے آئیں گے۔ مگر افسوس کہ وہ اپنے خود تراشیدہ معنوں سے قرآن میں اختلاف ڈالنا چاہتے ہیں جس حالت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ والقینا بینھم العداوۃ والبغضاء الیٰ یوم القیامۃ[2]۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ میں قیامت تک بغض اور دشمنی رہے گی۔ تو اب بتلاؤ کہ جب تمام یہودی قیامت سے پہلے ہی حضرت مسیح پر ایمان لے آئیں گے تو پھر بغض اور دشمنی قیامت تک کون لوگ کریں گے۔ جب یہودی نہ رہے اور سب ایمان لے آئے تو پھر بغض اور دشمنی کے لئے کون موقعہ اور محل رہا۔ اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الیٰ یوم القیامۃ[3]۔ اس کے بھی یہی معنے ہیں جو اوپر گذر چکے اور وہی اعتراض ہے جو اوپر بیان ہو چکا۔ اور ایسا ہی اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ[4]۔ اس جگہ کفروا سے مراد بھی یہود ہیں کیونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام محض یہودیوں کے لئے آئے تھے اور اس آیت میں وعدہ ہے کہ حضرت مسیح کو ماننے والے یہود پر قیامت تک غالب رہیں گے اب بتلاؤ کہ جب ان معنوں کے رو سے جو ہمارے مخالف آیت وان من اھل الکتاب کے کرتے ہیں تمام یہودی حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئیں گے تو پھر یہ آیتیں کیونکر صحیح ٹھہر سکتی ہیں کہ یہود اور نصاریٰ کی قیامت تک باہم دشمنی رہے گی اور نیز یہ کہ قیامت تک یہود ایسے فرقوں کے مغلوب رہیں گے جو حضرت مسیح کو صادق سمجھتے ہونگے۔ ایسا ہی اگر

۱۲۶

[1] النساء: ۱۶۰ [2] المائدۃ: ۶۵ [3] المائدۃ: ۱۵ [4] اٰل عمران: ۵۶

مان لیا جائے کہ حضرت مسیح زندہ بجسم عنصری آسمان پر تشریف لے گئے تو پھر آیت فلمّا توفّیتنی کیونکر صحیح ٹھہر سکتی ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ حضرت مسیح کی وفات کے بعد عیسائی بگڑ گئے جب تک کہ وہ زندہ تھے عیسائی نہیں بگڑے۔ اور پھر اس آیت کے کیا معنے ہو سکتے ہیں کہ فیہا تحیون وفیہا تموتون[1] کہ زمین پر ہی تم زندگی بسر کرو گے اور زمین پر ہی مرو گے۔ کیا وہ شخص جو اٹھارہ سو[۱۸۰۰] برس سے آسمان پر بقول مخالفین زندگی بسر کر رہا ہے وہ انسانوں کی قسم میں سے نہیں ہے۔ اگر مسیح انسان ہے تو نعوذ باللہ مسیح کے اس مدت دراز تک آسمان پر ٹھیرنے سے یہ آیت جھوٹی ٹھیرتی ہے اور اگر ہمارے مخالفوں کے نزدیک انسان نہیں ہے بلکہ خدا ہے تو ایسے عقیدہ سے وہ خود مسلمان نہیں ٹھیر سکتے۔ پھر یہ آیت قرآن شریف کی کہ اموات غیر احیاء جس کے یہ معنے ہیں کہ جن لوگوں کی خدا کے سوا تم عبادت کرتے ہو وہ سب مر چکے ہیں ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں۔ صاف بتلا رہی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اور پھر یہ آیت کہ ما محمّد الّا رسول قد خلت من قبلہ الرسل[2] بلند آواز سے شہادت دے رہی ہے کہ حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ یہ آیت وہ عظیم الشان آیت ہے جس پر ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجماع کر کے اقرار کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سب نبی فوت ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے اس سے اسی کتاب میں مفصل بیان کر چکے ہیں۔ پھر جب ہم احادیث کی طرف آتے ہیں تو ان سے بھی حضرت عیسٰے علیہ السلام کی وفات ہی ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً حدیث معراج کو دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں* حضرت مسیح کو فوت شدہ انبیاء میں دیکھا ہے اگر وہ آسمان پر زندہ ہوتے تو فوت شدہ روحوں میں ہرگز دیکھے نہ جاتے۔ اگر کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مشاہدہ کے وقت اس عالم میں نہیں تھے

۱۲۷

* معراج کے لئے رات اس لئے مقرر کی گئی کہ معراج کشف کی قسم تھا۔ اور کشف اور خواب کے لئے رات موزون ہے۔ اگر یہ بیداری کا معاملہ ہوتا تو دن موزون ہوتا۔ منہ

[1] الاعراف: ۲۶ [2] آل عمران: ۱۴۵

بلکہ جس طرح سویا ہُوا آدمی دوسرے عالم میں چلا جاتا ہے اور اس حالت میں بسا اوقات وفات یافتہ لوگوں سے بھی ملاقات کرتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کشفی حالت میں اس دنیا سے وفات یافتہ کے حکم میں تھے۔ ایسا ہی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ایک سو بیس برس عمر پائی ہے۔ لیکن ہر ایک کو معلوم ہے کہ واقعہ صلیب اُس وقت حضرت عیسیٰ کو پیش آیا تھا جبکہ آپکی عمر صرف تینتیس برس اور چھ مہینے کی تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ باقیماندہ عمر بعد نزول پوری کریں گے تو یہ دعویٰ حدیث کے الفاظ سے مخالف ہے۔ ماسوا اس کے حدیث سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود اپنے دعوے کے بعد چالیس برس دنیا میں رہے گا تو اس طرح پر تینتیس برس ملانے سے کل تہتر برس ہوئے نہ ایکسو بیس برس۔ حالانکہ حدیث میں یہ ہے کہ ایک سو بیس برس اُن کی عمر ہوئی۔

اور اگر یہ کہو کہ ہماری طرح عیسائی بھی مسیح کی آمد ثانی کے منتظر ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ ابھی ہم بیان کر چکے ہیں مسیح نے خود اپنی آمد ثانی کو الیاس نبی کی آمد ثانی سے مشابہت دی ہے۔ جیسا کہ انجیل متی ۱۷ باب آیت ۱۰ اور ۱۱ و ۱۲ سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ ماسوا اس کے عیسائیوں میں سے بعض فرقے خود اس بات کے قائل ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی الیاس نبی کی طرح بروزی طور پر ہے۔ چنانچہ نیو لائف آف جیزس جلد اوّل صفحہ ۴۱۰ مصنفہ ڈی۔ ایف سٹراس میں یہ عبارت ہے: —

(جرمن کے بعض عیسائی محققین کی رائے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا)

Crucifiction they maintain, even if the feet as well as the hands are supposed to have been nailed occasions but very little loss of blood. It kills therefore only very slowly

by convulsions produced by the straining of the limbs or by gradual starvation. So if Jesus supposed indeed to be dead, had been taken down from the cross after about six hours, there is every probability of his supposed death having been only a death-like swoon from which after the descent from the cross Jesus recovered again in the cool cavern covered as he was with healing ointments and strongly scented spices. On this head it is usual to appeal to an account in Josephus, who says that on one occasion, when he was returning from a military recognizance, on which he had been sent, he found several Jewish prisoners who had been crucified. He saw among them three acquaintances whom he begged Titus to give to him. They were immediately taken down and carefully attended to, one was really saved, but two others could not be recovered.

(A new life of Jesus by D.F. Stranss.Vol I. page 410)

ص۱۲۸

ترجمہ :- "وہ یہ دلائل دیتے ہیں کہ اگرچہ صلیب کے وقت ہاتھ اور پاؤں دونوں میں میخیں ماری جائیں پھر بھی بہت تھوڑا خون انسان کے بدن سے نکلتا ہے۔ اسواسطے صلیب پر لوگ رفتہ رفتہ اعضاء پر زور پڑنے کے سبب تشنج میں گرفتار ہوکر مرجاتے ہیں یا بھوکھ سے مرجاتے ہیں۔ پس اگر فرض بھی کرلیا جائے کہ قریب چھ گھنٹہ صلیب پر رہنے کے بعد یسوع جب اتارا گیا تو وہ مرا ہوا تھا۔ تب بھی نہایت ہی اغلب بات یہ ہے کہ وہ صرف ایک موت کی سی بیہوشی تھی اور جب شفا دینے والی مرہمیں اور نہایت ہی خوشبودار دوائیاں مل کر اُسے غار کی ٹھنڈی جگہ میں رکھا گیا تو اُس کی بیہوشی دُور ہوئی۔ اس دعوے کی دلیل میں عموماً یوسفس کا واقعہ پیش کیا جاتا ہے جہاں یوسفس نے لکھا ہے کہ میں ایک دفعہ ایک فوجی کام سے واپس آرہا تھا تو راستہ میں مَیں نے دیکھا کہ کئی ایک یہودی قیدی صلیب پر لٹکے ہوئے ہیں۔ ان میں سے مَیں نے پہچانا کہ تین میرے واقف تھے۔ پس میں نے ٹیٹس (حاکم وقت) سے اُن کے اُتار لینے کی اجازت حاصل کی اور اُن کو فوراً اتار کر اُنکی خبر گیری کی تو ایک بالآخر تندرست ہوگیا پر باقی دو مرگئے۔"

اور کتاب "ماڈرن ووٹ اینڈ کرسچن بلیف" کے صفحہ ۴۵۵، ۴۵۷، ۳۴۷ میں یہ عبارت ہے:-

The former of these hypothesis that of apparent death, was employed by the old Rationalists, and more recently by Schleiermacher in his life of Christ Schleiermacher's supposition. That Jesus afterwards lived for a time with the disciples and than retired into entire solitude for his second death.

ترجمہ :- شلیرمیخر اور نیز قدیم محققین کا یہ مذہب تھا کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا بلکہ ایک ظاہرا موت کی سی حالت ہوگئی تھی اور قبر سے نکلنے کے بعد

کچھ مدت تک اپنے حواریوں کے ساتھ پھرتا رہا اور پھر دوسری یعنی اصلی موت کے واسطے کسی علیحدگی کے مقام کی طرف روانہ ہوگیا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب کی موت سے بچنے کے متعلق ایک پیشگوئی یسعیا باب ۵۳ میں اسطرح پر ہے:—

ואת־דורו מי ישוחח כי נגזר

و ایت دورد می یسوحیح کی نجزار

اور اس کے بقائے عمر کی جو بات ہے سو کون سفر کر کے جائے گا کیونکہ وہ

מארץ חיים: ויתן את־רשעים

مے ایریض حییم ویتین ایت راشاعیم

علیحدہ کیا گیا ہے قبائل کی زمین سے اور کی گئی شریروں کے درمیان اس کی قبر

קברו ואת־עשיר במתיו

قبرو وایت عاسیر بمو تا یو

پر وہ دولتمندوں کے ساتھ ہوا اپنے مرنے میں +

אם־תשים אשם נפשו

ام تاسیم آشام نفشو

جب کہ تو گناہ کے بدلے میں اس کی جان کو دے گا (تو وہ بچ جائیگا)

+ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ صلیب سے اتار کر مسیح کو سزا یافتہ مردوں کی طرح قبر میں رکھا جاوے گا۔ مگر چونکہ وہ حقیقی طور پر مُردہ نہیں ہوگا اس لئے اس قبر میں سے نکل آئے گا اور آخر عزیز اور صاحب شرف لوگوں میں اس کی قبر ہوگی اور یہی بات ظہور میں آئی۔ کیونکہ سری نگر محلہ خان یار میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی اس موقعہ پر قبر ہے جہاں بعض سادات کرام اور اولیاء اللہ مدفون ہیں۔ منہ

יראה זרע יאריך ימים:

یرایه زیرع یے اریک یا میم

اور صاحب اولاد ہوگا۔ اس کی عمر لمبی کی جائے گی

מעמל נפשו יראה ישבע

مے عمل نفشو یرایه یسباع

وہ اپنی جان کی نہایت سخت تکلیف دیکھے گا (یعنی صلیب پر بیہوشی) پر وہ پوری عمر پائے گا۔

۱۲۹

اب مختصر طور پر ہم اُن دلائل کو لکھتے ہیں جن کا ہم نے اس کتاب اور اپنی دوسری کتابوں میں اپنے دعوے مسیح موعود کے متعلق ذکر کیا ہے۔ اور وہ یہ ہیں :—

(۱) اوّل اس دلیل سے میرا مسیح موعود ہونا ثابت ہوتا ہے کہ جیسا کہ ہم اپنی کتابوں میں ثابت کر چکے ہیں۔ یاجوج ماجوج کے خروج اور اُن کی فتح اور اقبال کا زمانہ آگیا ہے اور قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے تمام وعدے جن میں سے مسیح موعود کا دنیا میں ظاہر ہونا ہے۔ یاجوج ماجوج کے ظہور اور اقبال کے بعد ظاہر ہو جائیں گے جیسا کہ یہ آیت مندرجہ ذیل اسی پر صریح دلالت کرتی ہے۔ وحرام علی قریة اھلکناھا انھم لا یرجعون۔ حتّٰی اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون۔ واقترب الوعد الحق[1]۔ یعنی جن لوگوں کو ہم نے ہلاک کیا ہے اُن کے لئے ہم نے حرام کر دیا ہے کہ دوبارہ دنیا میں آویں۔ یعنی بروزی طور پر بھی وہ دنیا میں نہیں آسکتے جبتک وہ دن نہ آویں کہ قوم یاجوج ماجوج زمین پر غالب آجائے اور ہر ایک طور سے ان کو غلبہ حاصل ہو جائے✠ کیونکہ انسان کے ارضی قویٰ کی کامل ترقیات یاجوج ماجوج پر

✠ خدا تعالیٰ کے عجیب اسرار میں سے ایک بروز کا مسئلہ ہے جو خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں اسکا ذکر پایا جاتا ہے۔ خدا کی مقدس کتابوں میں بعض گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی نسبت

[1] الانبیاء : ۹۶-۹۸

ف۱۳ختم ہوتی ہیں اور اس طرح پر انسان کے ارضی قویٰ کا نشوونما جو ابتداء سے ہوتا چلا آیا ہے وہ

۱۱۵ حاشیہ در حاشیہ

یہ پیشگوئیاں ہیں کہ وہ دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ اور پھر وہ پیشگوئیاں اس طرح پر پوری ہوئیں کہ جب کوئی اور نبی دنیا میں آیا تو اس وقت کے پیغمبر نے خبر دی کہ یہ وہی نبی ہے جس کے دوبارہ آنے کا وعدہ تھا۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ یہ نہیں کہا گیا کہ یہ آنے والا اس پہلے نبی کا مثیل ہے۔ بلکہ یہی کہا گیا کہ وہی پہلا نبی جس کے دوبارہ آنے کی خبر دیگئی تھی دنیا میں آگیا ہے۔ مثلاً جیسا کہ الیاس نبی کے دوبارہ آنے کا وعدہ تھا اور ملاکی نبی نے اپنے صحیفہ میں خبر دی تھی کہ وہ دوبارہ دنیا میں آئیگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ الیاس جس کے دوبارہ آنے کا وعدہ تھا وہ یوحنا یعنی یحییٰ ہے جیسا کہ انجیل متی ۱۷ باب آیت ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ الیاس دوبارہ دنیا میں آگیا لیکن لوگوں نے اُس کو نہیں پہچانا اور اس سے مراد حضرت مسیح نے یحییٰ نبی کو لیا یعنی وہی الیاس ہے۔ اب یہ پیشگوئی بہت باریک طور پر ٹھیرتی ہے کہ یحییٰ نبی جس کا دوسرا نام یوحنا ہے الیاس کیونکر ہو گیا۔ اگر مثیل الیاس کہتے تب بھی ایک بات تھی مگر ملاکی کی کتاب میں مثیل کا آنا نہیں لکھا بلکہ خود الیاس نبی کا دوبارہ دنیا میں آنا لکھا ہے۔ اور حضرت مسیح نے بھی انجیل میں جب اعتراض کیا گیا کہ الیاس سے پہلے مسیح کیونکر آگیا تو مثیل کے لفظ کو استعمال نہیں کیا بلکہ انجیل متی ۱۷ باب میں یہی کہا ہے کہ الیاس تو آگیا مگر ان لوگوں نے اس کو نہیں پہچانا۔ اسی طرح شیعہ میں بھی اقوال ہیں کہ علی اور حسن حسین دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ اور ایسے ہی اقوال ہندوؤں میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں کیونکہ وہ اپنے گذشتہ اوتاروں کے ناموں پر آئندہ اوتاروں کی انتظار کرتے رہے ہیں۔ اور اب بھی آخری اوتار کو جس کو کلکی اوتار کے نام سے موسوم کرتے ہیں کرشن کا اوتار مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جیسا کہ کرشن کی صفات میں سے رودر گوپال ہے یعنی سوروں کو ہلاک کرنے والا اور گائیوں کو پالنے والا ایسا ہی کلکی اوتار ہوگا۔ یہ ایک

محض یاجوج ماجوج کے وجود سے کمال کو پہنچتا ہے لہذا یاجوج ماجوج کے ظہور کا زمانہ ۱۳۱

کرشن کی صفات کی نسبت استعارہ ہے کہ وہ درندوں کو ہلاک کرتا تھا یعنی سؤروں اور بھیڑیوں کو۔ اور گائیوں کو پالتا تھا یعنی نیک آدمیوں کو۔ اور عجیب بات ہے کہ مسلمان اور عیسائی بھی آنے والے مسیح کی نسبت یہی صفات رودر گوپال کے جو کلکی اوتار کی صفت ہے قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ سؤروں کو قتل کرے گا اور بیل اسکے وقت میں قابل قدر ہونگے۔ اسجگہ یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے سؤروں کو قتل کریگا یا گائیوں کی حفاظت کریگا بلکہ یہ مراد ہے کہ زمانہ کا دَور ہی ایسا آجائیگا اور آسمانی ہوا شریروں کو نابود کرتی جائیگی اور نیک بڑھیں گے اور پھولینگے اور زمین کو پُر کر دینگے۔ تب اس مسیح پر رودر گوپال کا اسم صادق آجائیگا۔ اور مَیں جو وہی مسیح اور مظہر صفات مذکورہ ہوں اس لئے کشفی طور پر ایک مرتبہ مجھے ایک شخص دکھایا گیا گویا وہ سنسکرت کا ایک عالم آدمی ہے جو کرشن☆ کا نہایت درجہ معتقد ہے اور میرے سامنے کھڑا ہوا اور مجھے مخاطب کرکے بولا کہ ”ہے رُودر گوپال تیری استت گیتا میں لکھی ہے“۔ اسی وقت مَیں نے سمجھا کہ تمام دنیا ایک رُودَّر گوپال کا انتظار کر رہی ہے کیا ہندو اور کیا مسلمان اور کیا عیسائی مگر اپنے اپنے لفظوں اور زبانوں میں

حاشیہ: ہے رودر گوپال تیری استت گیتا میں لکھی ہے

☆ حاشیہ در حاشیہ۔ واضح ہو کہ خدا تعالیٰ نے کشفی حالت میں بارہا مجھے اس بات پر اطلاع دی ہے کہ آریہ قوم میں کرشن نام ایک شخص جو گذرا ہے وہ خدا کے برگزیدوں اور اپنے وقت کے نبیوں میں سے تھا اور ہندوؤں میں اوتار کا لفظ درحقیقت نبی کے ہی ہم معنے ہے اور ہندوؤں کی کتابوں میں ایک پیشگوئی ہے اور وہ یہ کہ آخری زمانہ میں ایک اوتار آئیگا جو کرشن کے صفات پر ہوگا اور اسکا بروز ہوگا اور میرے پر ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ مَیں ہوں۔ کرشن کی دو صفت ہیں ایک رُودّر یعنی درندوں اور سؤروں کو قتل کرنیوالا یعنی دلائل اور نشانوں سے۔ دوسرے گوپال یعنی گائیوں کو پالنے والا یعنی اپنے انفاس سے نیکوں کا مددگار۔ اور یہ دونوں صفتیں مسیح موعود کی صفتیں ہیں اور یہی دونوں صفتیں خدا تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہیں۔ منہ

۱۳۲ رجعت بروزی کے زمانہ پر دلیل قاطع ہے کیونکہ یاجوج ماجوج کا ظہور واستدارت زمانہ پر

اور سب نے یہی وقت ٹھیرایا ہے اور اس کی یہ دونوں صفتیں قائم کی ہیں یعنی سؤروں کو مارنے والا اور گائیوں کی حفاظت کرنے والا - اور وہ مَیں ہوں جس کی نسبت ہندوؤں میں پیشگوئی کرنے والے قدیم سے زور دیتے آئے ہیں کہ وہ آریہ ورت میں یعنی اسی ملک ہند میں پیدا ہوگا اور انہوں نے اس کے مسکن کے نام بھی لکھے ہیں مگر وہ تمام نام استعارہ کے طور پر ہیں جن کے نیچے ایک اَور حقیقت ہے اور لکھتے ہیں کہ وہ برہمن کے گھر میں جنم لیگا یعنی وہ جو برہم کو سچا اور واحد لاشریک سمجھتا ہے یعنی مسلمان - غرض کسی اوتار یا پیغمبر کے دوبارہ آنے کا عقیدہ جو رُدّر گوپال کے صفات اپنے اندر رکھتا ہو اور ہجرت کی چودھویں صدی میں آنے والا ہو صرف عیسائیوں اور مسلمانوں کا عقیدہ نہیں بلکہ ہندوؤں اور تمام اہل مذاہب کا یہی عقیدہ ہے - یہاں تک کہ ژند اوستا کے پیرو بھی اس زمانہ کی نسبت یہی عقیدہ رکھتے ہیں اور بُدھ مذہب کی نسبت مجھے مفصل معلوم نہیں مگر کہتے ہیں کہ وہ بھی ایک کامل بُدھ کے اس زمانہ میں منتظر ہیں - اور عجیب تر یہ کہ سب فرقے رُدّر گوپال کی صفت اُس منتظر میں قائم کرتے ہیں - لیکن افسوس کہ عام لوگ اس دوبارہ آنے کے عقیدہ کی فلاسفی سے اب تک بے خبر پائے جاتے ہیں اور عام تو عام جو لوگ اس زمانہ میں علماء کہلاتے ہیں وہ بھی اس فلاسفی سے بے خبر ہیں - یوں تو اسلام کے تمام صوفی رجعت بروزی کے مسئلہ کے بڑے زور سے قائل ہیں اور بعض اولیاء کی نسبت مانتے ہیں کہ کسی پہلے ولی کی رُوح دوبارہ بروزی طور پر اُس میں آئی - مثلاً وہ کہتے ہیں کہ قریباً سو برس کے بعد بایزید بسطامی کی رُوح دوبارہ بروزی طور پر ابوالحسن خرقانی میں آگئی لیکن باوجود اس مقبول مسلّم عقیدہ کے پھر بھی بعض نادان مسیح کے دوبارہ آنے کی نسبت رجعت بروزی کے قائل نہیں جو قدیم سے سنت اللہ میں داخل ہے - وہ لوگ دراصل

دلیل ہے اور استدارت زمانہ رجعت بروزی کو چاہتا ہے۔ سو مسیح عیسیٰ بن مریم کی نسبت

رجعت بروزی کی فلاسفی سے بے خبر ہیں۔ اور اس مسئلہ کی فلاسفی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو ایسی طرز سے بنایا ہے جو اس کی توحید پر دلالت کرے اور اسی وجہ سے خداوند حکیم نے تمام عناصر اور اجرام فلکی کو گول شکل پر پیدا کیا ہے کیونکہ گول چیز کی جہات اور پہلو نہیں۔ اس لئے وہ وحدت سے مناسبت رکھتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی ذات میں تثلیث ہوتی تو تمام عناصر اور اجرام فلکی سہ گوشہ صورت پر پیدا ہوتے۔ لیکن ہر ایک بسیط میں جو مرکبات کا اصل ہے کُرویت یعنی گول ہونا مشاہدہ کرو گے۔ پانی کا قطرہ بھی گول شکل پر ظاہر ہوتا ہے اور تمام ستارے جو نظر آتے ہیں اُن کی شکل گول ہے۔ اور ہوا کی شکل بھی گول ہے۔ جیسا کہ ہوائی گولے جن کو عربی میں اعصار کہتے ہیں یعنی بگولے جو کسی تند ہوا کے وقت مدوّر شکل میں زمین پر چکر کھاتے پھرتے ہیں ہواؤں کی کرویّت ثابت کرتے ہیں۔ پس جیسا کہ تمام بسائط جن کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا کروی شکل ہیں ایسا ہی دائرہ خلقت عالم کا بھی کروی شکل ہے اس لئے صوفی اس بات کی طرف گئے ہیں کہ خلقت بنی آدم اپنی وضع میں دوری صورت پر واقع ہوئی ہے۔ یعنی نوع انسان کی رُوحیں بروزی طور پر پھر پھر کر دنیا میں آتی ہیں٭۔ اور جبکہ خلقت بنی آدم بھی دَوری صورت پر ہے تا وحدت

صفحہ ۱۳۱

٭ رجعت بروزی کے اعلیٰ قسم صرف دو ہیں۔ (۱) بروز الاشقیاء (۲) بروز السعداء۔ یہ دونوں بروز قیامت تک سنّت اللہ میں داخل ہیں۔ ہاں یاجوج ماجوج کے بعد ان کی کثرت ہے تا بنی آدم کے انجام پر ایک دلیل ہو اور تا اس سے دور کا پورا ہونا سمجھا جائے۔ اور یہ خیال کرنا کہ کوئی ایسا زمانہ بھی آئیگا کہ تمام لوگ اور تمام طبائع ملّت واحدہ پر ہو جائینگی یہ غلط ہے جس حالت میں اللہ تعالیٰ بنی آدم کی تقسیم یہ فرماتا ہے کہ منھم شقی و سعید[1] تو ممکن نہیں کہ کسی زمانہ میں صرف سعید رہ جائیں اور شقی تمام مارے جائیں۔ اور نیز یہ فرمایا ہے ولذالک خلقھم[2] یعنی اختلاف انسانوں کی فطرت میں رکھا گیا ہے پس جبکہ انسانوں کی فطرت کثرتِ مذاہب کو چاہتی ہے تو پھر وہ ایک مذہب پر کیونکر ہو سکتے ہیں۔ خدا نے ابتداء میں قابیل ہابیل

[1] ھود : ۱۰۶ [2] ھود : ۱۲۰

۱۳۳ رجعت کا جو عقیدہ ہے اُس عقیدہ کے موافق عیسٰی مسیح کی آمد ثانی کا یہی زمانہ ہے۔ سو

خالق کائنات پر دلالت کرے تو اس سے لازم آیا کہ آخری نقاط خلقت بنی آدم کے نقاط اولٰے سے یعنی جہاں سے نقطہ دائرہ پیدائش بنی آدم شروع ہوتا ہے قریب تر واقع ہوں اور اپنے ظہور اور بروز میں انہی کی طرف رجوع کریں۔ اور یہی وہ بات ہے جسکو دوسرے لفظوں میں رجعت بروزی کہتے ہیں۔ جیسا کہ مثلاً یہ دائرہ ہے :-

فرض کرو کہ اس دائرہ میں سے جو حصہ لام کی دائیں طرف ہے اس سے دائرہ خلقت بنی آدم کا شروع ہوا ہے۔ اور جو حصہ بائیں طرف ہے وہاں ختم ہوا ہے اس لئے ضروری ہے کہ جو لام کے بائیں طرف کا حصہ ہے جو نقاط اس کے قریب آئیں گے وہ ابتدائی نقاط سے بہت ہی نزدیک آجائیں گے۔ پس اسی کا نام بروزی رجعت ہے جو ہر ایک دائرہ کیلئے ضروری ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے کہ حرام علٰی قریۃ اھلکناھا انھم لا یرجعون۔ حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج

کو پیدا کرکے سمجھا دیا کہ شقاوت وسعادت پہلے سے ہی فطرت انسان میں تقسیم کی گئی ہے اور نیز آیت اغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ[1] اور آیت القینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ[2] اور آیت وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ[3] اور آیت اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین[4] یہ تمام آیتیں بتلا رہی ہیں کہ قیامت تک اختلاف رہیگا۔ منعم علیھم بھی رہیں گے۔ مغضوب علیھم بھی رہیں گے۔ ہاں ملل باطلہ دلیل کے رُو سے ہلاک ہوجائیں گے۔ منہ

[1] المائدۃ : ۱۵ [2] المائدۃ : ۶۵ [3] آل عمران : ۵۶ [4] الفاتحہ : ۶-۷

وہ آمد ثانی بروزی طور پر ظہور میں آگئی۔ (۲) دوسری دلیل جو میرے مسیح موعود ہونے کی نسبت ہے

وھم من کل حدب ینسلون۔ واقترب الوعد الحق[1] ۔ یاجوج ماجوج سے وہ قوم مراد ہے جن کو پورے طور پر ارضی قوی ملیں گے اور ان پر ارضی قوی کی ترقیات کا دائرہ ختم ہو جائیگا۔ یاجوج ماجوج کا لفظ اجیج سے لیا گیا ہے جو شعلہ نار کو کہتے ہیں پس یہ وجہ تسمیہ ایک تو بیرونی لوازم کے لحاظ سے ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ یاجوج ماجوج کے لئے آگ مسخر کی جائیگی اور وہ اپنے دنیوی تمدن میں آگ سے بہت کام لینگے اُن کے برّی اور بحری سفر آگ کے ذریعہ سے ہونگے۔ ان کی لڑائیاں بھی آگ کے ذریعہ سے ہونگی۔ ان کے تمام کاروبار کے انجن آگ کی مدد سے چلیں گے۔ دوسری وجہ تسمیہ لفظ یاجوج ماجوج کے اندرونی خواص کے لحاظ سے ہے اور وہ یہ ہے کہ اُن کی سرشت میں آتشی مادہ زیادہ ہوگا۔ وہ قومیں بہت تکبّر کریں گی۔ اور اپنی تیزی اور چستی اور چالاکی میں آتشی خواص دکھلائینگی اور جس طرح مٹی جب اپنے کمال تام کو پہنچتی ہے تو وہ عنصر مٹی کا کانی جوہر بن جاتا ہے جس میں آتشی مادہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ جیسے سونا چاندی اور دیگر جواہرات۔ پس اس جگہ قرآنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کی سرشت میں ارضی جوہر کا کمال تام ہے جیسا کہ معدنی جواہرات میں اور فلذات میں کمال تام ہوتا ہے۔ اور یہ دلیل اس بات پر ہے کہ زمین نے اپنے انتہائی خواص ظاہر کر دیئے اور بموجب آیت واخرجت الارض اثقالھا[2] اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ جوہر کو ظاہر کر دیا۔ اور یہ امر استدارت زمانہ پر ایک دلیل ہے یعنی جب یاجوج ماجوج کی کثرت ہوگی تو سمجھا جائیگا کہ زمانہ نے اپنا پورا دائرہ دکھلا دیا۔ اور پورے دائرہ کو رجعت بروزی لازم ہے۔ اور یاجوج ماجوج پر ارضی کمال کا ختم ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ گویا آدم کی خلقت الف سے شروع ہو کر جو آدم کے لفظ کے حرفوں میں سے پہلا حرف ہے اس یا کے حرف پر ختم ہوگئی کہ جو یاجوج کے لفظ کے

۱۳۲

[1] الانبیاء:۹۷، ۹۸ [2] الزلزال: ۳

وہ یہ ہے کہ نہ فقط قرآن شریف ہی مسیح موعود کے ظہور کا یہ زمانہ ٹھہراتا ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی

حاشیہ در حاشیہ

سر پر آتا ہے جو حروف کے سلسلہ کا آخری حرف ہے۔ گویا اس طرح پر یہ سلسلہ الف سے شروع ہو کر اور پھر حرف یا پر ختم ہو کر اپنے طبعی کمال کو پہنچ گیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ آیت ممدوحہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بروزی رجوع جو استدارت دائرہ خلقت بنی آدم کے لئے ضروری ہے اس کی نشانی یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کا ظہور اور خروج اقویٰ اور اتم طور پر ہو جائے اور ان کے ساتھ کسی غیر کو طاقت مقابلہ نہ رہے کیونکہ دائرہ کے کمال کو یہ لازم ہے کہ اخرجت الارض اثقالھا[1] کا مفہوم کامل طور پر پورا ہو جائے اور تمام ارضی قوتوں کا ظہور اور بروز ہو جائے اور یاجوج ماجوج کا وجود اس بات پر دلیل کامل ہے کہ جو کچھ ارضی قوتیں اور طاقتیں انسان کے وجود میں ودیعت ہیں وہ سب ظہور میں آگئی ہیں کیونکہ اس قوم کی فطرتی اینٹ ارضی کمالات کے پژاوہ میں ایسے طور سے پختہ ہوئی ہے کہ اس میں کسی کو بھی کلام نہیں۔ اسی سرّ کی وجہ سے خدا نے انکا نام یاجوج ماجوج رکھا کیونکہ انکی فطرت کی مٹی ترقی کرتے کرتے کانی جواہرات کی طرح آتشی مادہ کی پوری وارث ہو گئی اور ظاہر ہے کہ مٹی کی ترقیات آخر جواہرات اور فلزات معدنی پر ختم ہو جاتی ہیں۔ تب معمولی مٹی کی نسبت ان جواہرات اور فلزات میں بہت سا مادہ آگ کا آجاتا ہے گویا مٹی کا انتہائی کمال شئے کمال یافتہ کو آگ کے قریب لے آتا ہے اور پھر جنسیت کی کشش کی وجہ سے دوسرے آتشی لوازم اور کمالات بھی اسی مخلوق کو دئے جاتے ہیں۔ غرض بنی آدم کا یہ آخری کمال ہے کہ بہت سا آتشی حصہ ان میں داخل ہو جائے اور یہ کمال یاجوج ماجوج میں پایا جاتا ہے۔ اور جو کچھ اس قوم کو دنیا اور دنیا کی تدابیر میں دخل ہے اور جسقدر اس قوم نے دنیوی زندگی کو رونق اور ترقی دی ہے اس سے بڑھ کر کسی کے قیاس میں متصور نہیں۔ پس اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ انسان کے

[1] الزلزال : ۳

پہلی کتابیں بھی مسیح موعود کے ظہور کا یہی زمانہ مقرر کرتی ہیں۔ چنانچہ دانی ایل کی کتاب میں صاف

بقیہ حاشیہ ۱۲۲

ارضی قویٰ کا عطر ہے جو اب وہ یاجوج ماجوج کے ذریعہ سے نکل رہا ہے۔ لہٰذا یاجوج ماجوج کا ظہور اور بروز اور اپنی تمام قوتوں میں کامل ہونا اس بات کا نشان ہے کہ انسانی وجود کی تمام ارضی طاقتیں ظہور میں آگئیں اور انسانی فطرت کا دائرہ اپنے کمال کو پہنچ گیا اور کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہی پس ایسے وقت کیلئے رجعت بروزی ایک لازمی امر تھا۔ اسلئے اسلامی عقیدہ میں یہ داخل ہو گیا کہ یاجوج ماجوج کے ظہور اور اقبال اور فتح کے بعد گذشتہ زمانہ کے اکثر اخیار ابرار کی رجعت بروزی ہوگی اور جیسا کہ اس مسئلہ پر مسلمانوں میں سے اہل سنت زور دیتے ہیں ایسا ہی شیعہ کا بھی عقیدہ ہے مگر افسوس کہ یہ دونوں گروہ اس مسئلہ کی فلاسفی سے بے خبر ہیں۔ اصل بھید ضرورت رجعت کا تو یہ تھا کہ استدارت دائرہ خلقت بنی آدم وقت میں جو ہزار ششم کا آخر ہے نقاط خلقت کا اس سمت کی طرف آجانا ایک لازمی امر ہے جس سمت سے ابتدائے خلقت ہے۔ کیونکہ کوئی دائرہ جب تک اس نقطہ تک نہ پہنچے جس سے شروع ہوا تھا کامل نہیں ہو سکتا اور بالضرورت دائرہ کے آخری حصہ کو رجعت لازم پڑی ہوئی ہے۔ لیکن اس بھید کو سطحی عقلیں دریافت نہیں کر سکیں اور ناحق کلام اللہ کے برخلاف یہ عقیدہ بنا لیا کہ گویا تمام گذشتہ رُوحیں نیکوں اور بدوں کی واقعی طور پر پھر دوبارہ دنیا میں آجائیں گی۔ مگر اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ صرف رجعت بروزی ہوگی نہ حقیقی۔ اور وہ اس طرح پر کہ وہی نحّاش جس کا دوسرا نام خنّاس ہے جس کو دنیا کے خزانے دیئے گئے ہیں جو اوّل حوّا کے پاس آیا تھا اور اپنی دجّالیت سے حیات ابدی کی اُس کو طمع دی تھی پھر بروزی طور پر آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا اور زن مزاج اور ناقص العقل لوگوں کو اس وعدہ پر حیات ابدی کی طمع دیگا کہ وہ توحید کو چھوڑ دیں لیکن خدا نے جیسا کہ آدم کو بہشت میں یہ نصیحت کی تھی کہ ہر ایک پھل تمہارے لئے حلال ہے بیشک کھاؤ لیکن اس درخت کے نزدیک مت جاؤ کہ یہ حرمت کا درخت ہے۔ اسی طرح خدا نے قرآن میں فرمایا وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ[1] الخ یعنی

۱۳۳

[1] النساء: ۴۹

اس بات کی تصریح ہے کہ اسی زمانہ میں مسیح موعود ظاہر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ نصاریٰ کے

ہر ایک گناہ کی مغفرت ہوگی مگر شرک کو خدا نہیں بخشیگا۔ پس شرک کے نزدیک مت جاؤ اور اس کو حرمت کا درخت سمجھو۔ سو اب بروزی طور پر وہی نحاش جو حوّا کے پاس آیا تھا اس زمانہ میں ظاہر ہوا اور کہا کہ اس حرمت کے درخت کو خوب کھاؤ کہ حیاتِ ابدی اسی میں ہے۔ پس جس طرح گناہ ابتدا میں عورت سے آیا۔ اسی طرح آخری زمانہ میں زن مزاج لوگوں نے نحاش کے وسوسہ کو قبول کیا سو تمام بروزوں سے پہلے یہی بروز ہے جو بروزِ نحاش ہے۔

پھر دوسرا بروز جو یاجوج ماجوج کے بعد ضروری تھا مسیح ابن مریم کا بروز ہے۔ کیونکہ وہ رُوح القدس کے تعلق کی وجہ سے نحاش کا دشمن ہے*۔ وجہ یہ کہ سانپ شیطان سے مدد پاتا ہے

* حاشیہ در حاشیہ:۔ رُوح القدس کا تعلق تمام نبیوں اور پاک لوگوں سے ہوتا ہے پھر مسیح کی اس سے کیا خصوصیت ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ کوئی خصوصیت نہیں بلکہ اعظم اور اکبر حصہ روح القدس کی نظر کا حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے لیکن چونکہ یہود شریر الطبع نے حضرت مسیح پر یہ بہتان لگایا تھا کہ ان کی ولادت رُوح القدس کی شراکت سے نہیں بلکہ شیطان کی شراکت سے ہے یعنی ناجائز طور پر۔ اسلئے خدا نے اس بہتان کی ذب اور دفع کے لئے اس بات پر زور دیا کہ مسیح کی پیدائش رُوح القدس کی شراکت سے ہے اور وہ مسِ شیطان سے پاک ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا لعنتیوں کا کام ہے کہ دوسرے نبی مسِ شیطان سے پاک نہیں ہیں۔ بلکہ یہ کلام محض یہودیوں کے خیال باطل کے دفع کے لئے ہے کہ مسیح کی ولادت مسِ شیطان سے ہے یعنی حرام کے طور پر۔ پھر چونکہ یہ بحث مسیح میں شروع ہوئی اسلئے رُوح القدس کی پیدائش میں ضرب المثل مسیح ہوگیا۔ ورنہ اس کو پاک پیدائش میں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایک ذرہ ترجیح نہیں بلکہ دنیا میں معصوم کامل صرف محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوا ہے اور بعض حدیثوں کے یہ الفاظ کہ مسِ شیطان سے پاک صرف ابن مریم اور اس کی ماں یعنی مریم ہے۔ یہ لفظ بھی یہودیوں کے مقابل پر مسیح کی پاکیزگی ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ گویا یہ فرماتا ہے کہ دنیا میں صرف دو گروہ ہیں ایک وہ جو آسمان پر ابن مریم کہلاتے ہیں اگر مرد ہیں اور مریم کہلاتے ہیں اگر عورت ہیں۔ دوسرے وہ گروہ ہے جو آسمان پر یہود مغضوب علیہم کہلاتے ہیں۔ پہلا گروہ مسِ شیطان سے پاک ہے اور دوسرا گروہ شیطان کے فرزند ہیں۔ منہ

کل فرقے جو دنیا میں موجود ہیں انہی دنوں میں مسیح کے ظہور کا وقت بتلاتے ہیں۔ اور اس کے نزول کی انتظار کر رہے ہیں۔ بلکہ بعض کے نزدیک اس تاریخ پر جب مسیح دوبارہ آنا

حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱

اور عیسیٰ بن مریم روح القدس سے اور رُوح القدس شیطان کی ضد ہے۔ پس جب شیطان کا ظہور ہوا تو اس کا اثر مٹانے کے لئے رُوح القدس کا ظہور ضروری ہوا۔ جس طرح شیطان بدی کا باپ ہے رُوح القدس نیکی کا باپ ہے۔ انسان کی فطرت کو دو مختلف جذبے لگے ہوئے ہیں (۱) ایک جذبہ بدی کی طرف جس سے انسان کے دل میں بُرے خیالات اور بدکاری اور ظلم کے تصورات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ جذبہ شیطان کی طرف سے ہے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ انسان کی فطرت کے لازم حال یہ جذبہ ہے گو بعض قومیں شیطان کے وجود سے انکار بھی کریں لیکن اس جذبہ کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے۔ (۲) دوسرا جذبہ نیکی کی طرف ہے جس سے انسان کے دل میں نیک خیالات اور نیکی کرنے کی خواہشیں پیدا ہوتی ہیں اور یہ جذبہ رُوح القدس کی طرف سے ہے۔ اور اگرچہ قدیم سے اور جب سے کہ انسان پیدا ہوا ہے یہ دونوں قسم کے جذبے انسان میں موجود ہیں لیکن آخری زمانہ کے لئے مقدر تھا کہ پورے زور شور سے یہ دونوں قسم کے جذبے انسان میں ظاہر ہوں۔ اس لئے اس زمانہ میں بروزی طور پر یہودی بھی پیدا ہوئے اور بروزی طور پر مسیح ابن مریم بھی پیدا ہوا۔ اور خدا نے ایک گروہ بدی کا محرک پیدا کر دیا جو وہی پہلا نحاش بروزی رنگ میں ہے۔ اور دوسرا گروہ نیکی کا محرک پیدا کر دیا جو مسیح موعود کا گروہ ہے۔ غرض پہلا بروز گروہ نحاش ہے اور دوسرا بروز مسیح اور اس کا گروہ اور تیسرا بروز ان یہودیوں کا گروہ ہے جن سے بچنے کے لئے سورہ فاتحہ میں دُعا غیر المغضوب علیہم[1] سکھائی گئی اور چوتھا بروز صحابہ رضی اللہ عنہم کا بروز ہے جو بموجب آیت وآخرین منھم لمّا یلحقوا بھم[2] ضروری تھا اور اس حساب سے ان بروزوں کی لاکھوں تک نوبت پہنچتی ہے۔ اس لئے یہ زمانہ رجعت بروزی کا زمانہ کہلاتا ہے۔ منہ

۱۴۴ ص

[1] الفاتحہ: ۷ [2] الجمعہ: ۴

چاہئے تھا۔ دس سال کے قریب اور بعض کے نزدیک بیس سال کے قریب زیادہ گذر بھی گئے اِس لئے وہ لوگ پیشگوئی کے غلط نکلنے کی وجہ سے بڑی حیرت میں پڑے۔ آخر انہوں نے اپنی کم فہمی کی وجہ سے اس طرف تو نظر نہیں کی کہ مسیح موعود پیدا ہوگیا۔ جس کو انہوں نے نہیں پہچانا لیکن تاویل کے طور پر یہ بات بنا لی کہ جو کام سرگرمی سے اب ان دنوں میں کلیسیا کر رہی ہے یعنی تثلیث کی طرف دعوت اور کفارہ مسیح کی اشاعت یہی مسیح کی روحانی طور پر آمد ثانی ہے۔ گویا مسیح نے ہی اُن کے دلوں پر نازل ہو کر اُن کو یہ جوش دیا کہ اُس کی خدائی کے مسئلہ کو دنیا میں پھیلا دیں۔ اگر تم یورپ کا سیر کرو تو اس خیال کے ہزار ہا آدمی اُن میں پاؤ گے جنہوں نے زمانہ نزول مسیح کو گذرتا ہوا دیکھ کر یہ اعتقاد دلوں میں گھڑ لیا ہے۔ لیکن مسلمان پیشگوئی کے اِن معنوں کو پسند نہیں کرتے اور نہ ایسی تاویلوں سے اپنے دلوں کو تسلّی دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اُن پر بھی یہی مشکلات پڑ گئی ہیں۔ کیونکہ بہت سے اہل کشف مسلمانوں میں سے جن کا شمار ہزار سے بھی کچھ زیادہ ہوگا اپنے مکاشفات کے ذریعہ سے اور نیز خدا تعالیٰ کی کلام کے استنباط سے بالاتفاق یہ کہہ گئے ہیں کہ مسیح موعود کا ظہور چودھویں صدی کے سر سے ہرگز ہرگز تجاوز نہ کرے گا اور ممکن نہیں کہ ایک گروہ کثیر اہل کشف کا کہ جو تمام اوّلین اور آخرین کا مجمع ہے وہ سب جھوٹے ہوں اور ان کے تمام استنباط بھی جھوٹے ہوں۔ اس لئے اگر مسلمان اس وقت مجھے قبول نہ کریں جو قرآن اور حدیث اور پہلی کتابوں کے رُو سے اور تمام اہل کشف کی شہادت کی رُو سے چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہوا ہوں تو آئندہ اُن کی ایمانی حالت کے لئے سخت اندیشہ ہے۔ کیونکہ میرے انکار سے اب اُنکا یہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ جسقدر قرآن شریف سے مسیح موعود کے لئے علماء کبار نے استنباط کئے تھے وہ سب جھوٹے تھے اور جس قدر اہل کشف نے زمانہ مسیح موعود کے لئے خبریں دی تھیں وہ خبریں بھی سب جھوٹی تھیں اور جس قدر آسمانی اور زمینی نشان حدیث کے مطابق ظہور میں آئے جیسے رمضان میں عین تاریخوں کے مطابق خسوف کسوف ہو جانا۔ زمین پر

۱۳۵

ریل کی سواری کا جاری ہونا اور ذوالسنین ستارہ کا نکلنا اور آفتاب کا تاریک ہو جانا یہ سب نعوذ باللہ جھوٹے تھے۔ ایسے خیال کا نتیجہ آخر یہ ہوگا کہ اس پیشگوئی کو ہی ایک جھوٹی پیشگوئی قرار دیدیں گے اور نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دروغ گو سمجھ لیں گے۔ اور اس طرح پر ایک وقت آتا ہے کہ یک دفعہ لاکھوں آدمی دین اسلام سے مرتد ہو جائیں گے اب صدی پر بھی سترہ برس گذر گئے۔ ایسی ضرورت کے وقت میں بقول ان کے عیسائیت کے مفاسد دُور کرنے کے لئے جو بڑی عظیم الشان مفاسد تھے کوئی مجدّد خدا کی طرف سے مبعوث نہ ہوا اور یقینی طور پر ماننا پڑا کہ اب کم سے کم اسّی برس اور اسلام تنزل کی حالت میں رہے گا۔ اور جبکہ اسلام میں چند سال نے یہ تغیّر پیدا کیا کہ ہزارہا لوگ مرتد ہو گئے تو کیا اسّی برس تک اسلام کا کچھ وجود باقی رہے گا اور اسلام کے نابود ہونے کے بعد اگر کوئی مسیح آسمان سے بھی اُترا تو کیا فائدہ دے گا بلکہ وہی مصداق ہوگا کہ "پس ازانکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد" اور آخر ایسی باطل پیشگوئیوں کی نسبت بداعتقادی پھیل کر ایک عام ارتداد اور الحاد کا بازار گرم ہو جائیگا اور نعوذ باللہ اسلام کا خاتمہ ہوگا خدا تعالیٰ ہمارے مخالف علماء کے حال پر رحم فرماوے کہ وہ جو کارروائی کر رہے ہیں وہ دین کے لئے اچھی نہیں بلکہ نہایت خطرناک ہے۔ وہ زمانہ انکو بھول گیا جب وہ منبروں پر چڑھ چڑھ کر تیرھویں صدی کی مذمت کرتے تھے کہ اس صدی میں اسلام کو سخت نقصان پہنچا ہے اور آیت اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا[1] پڑھ کر اس سے استدلال کیا کرتے تھے کہ اِس عُسر کے مقابل پر چودھویں صدی یُسر کی آئے گی۔ لیکن جب انتظار کرتے کرتے چودھویں صدی آگئی اور عین صدی کے سر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک شخص بدعوائے مسیح موعود پیدا ہو گیا اور نشان ظاہر ہوئے اور زمین و آسمان نے گواہی دی تب اوّل المنکرین یہی علماء ہو گئے۔ مگر ضروری تھا کہ ایسا ہوتا کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بھی پہلے منکر یہودیوں کے مولوی تھے جنہوں نے اُن کے لئے

[1] الم نشرح: ۶-۷

دو فتوے تیار کئے تھے ایک کفر کا فتویٰ اور دوسرے قتل کا فتویٰ۔ پس اگر یہ لوگ بھی کفر اور قتل کا فتویٰ نہ دیتے تو غیر المغضوب علیہم کی دُعا جو سورہ فاتحہ میں سکھائی گئی ہے جو پیشگوئی کے رنگ میں تھی کیونکر پوری ہوتی کیونکہ سورہ فاتحہ میں جو غیر المغضوب علیہم کا فقرہ ہے اس سے مراد جیسا کہ فتح الباری اور درمنثور وغیرہ میں لکھا ہے یہودی ہیں۔ اور یہودیوں کا بڑا واقعہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قریب تر زمانہ میں وقوع میں آیا وہ یہی واقعہ تھا جو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کافر ٹھہرایا اور اس کو ملعون اور واجب القتل قرار دیا اور اس کی نسبت سخت درجہ پر غضب اور غصہ میں بھر گئے اس لئے وہ اپنے ہی غضب کی وجہ سے خدا تعالےٰ کی نظر میں مغضوب علیہم ٹھیرائے گئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے چھ سو برس بعد میں پیدا ہوئے۔ اب ظاہر ہے کہ آپ کی اُمت کو جو غیر المغضوب علیہم کی دُعا سورہ فاتحہ میں سکھلائی گئی اور تاکید کی گئی کہ پانچوقت کی نماز اور تہجد اور اشراق اور دونوں عیدوں میں یہی دُعا پڑھا کریں اس میں کیا بھید تھا جس حالت میں ان یہودیوں کا زمانہ اسلام کے زمانہ سے پہلے مدت سے منقطع ہو چکا تھا تو یہ دُعا مسلمانوں کو کیوں سکھلائی گئی اور کیوں اس دُعا میں یہ تعلیم دی گئی کہ مسلمان لوگ ہمیشہ خدا تعالیٰ سے پنجوقت پناہ مانگتے رہیں جو یہودیوں کا وہ فرقہ نہ بن جائیں جو مغضوب علیہم ہیں پس اس دُعا سے صاف طور پر سمجھ آتا ہے کہ اس اُمت میں بھی ایک مسیح موعود پیدا ہونے والا ہے اور ایک فرقہ مسلمانوں کے علماء کا اُس کی تکفیر کرے گا اور اُس کے قتل کی نسبت فتویٰ دیگا۔ لہٰذا سورۃ فاتحہ میں غیر المغضوب علیہم کی دعا کو تعلیم کر کے سب مسلمانوں کو ڈرایا گیا کہ وہ خدا تعالےٰ سے دُعا کرتے رہیں کہ ان یہودیوں کی شکل نہ بن جائیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم پر کفر کا فتویٰ لکھا تھا اور اُن پر قتل کا فتویٰ دیا تھا اور نیز ان کے پرائیویٹ اُمور میں دخل دیکر اُن کی ماں پر افترا کیا تھا اور خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں میں یہ سنّت اور عادت مستمرہ ہے کہ جب وہ ایک گروہ کو کسی

۱۳۹

کام سے منع کرتا ہے یا اس کام سے بچنے کے لئے دعا سکھلاتا ہے تو اس کا اس سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ بعض اُن میں سے ضرور اس جرم کا ارتکاب کرینگے۔ لہذا اس اصول کے رو سے جو خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں میں پایا جاتا ہے صاف سمجھ آتا ہے جو غیر المغضوب علیہم کی دعا سکھلانے سے یہ مطلب تھا کہ ایک فرقہ مسلمانوں میں سے پورے طور پر یہودیوں کی پیروی کرے گا اور خدا کے مسیح کی تکفیر کر کے اور اس کی نسبت قتل کا فتویٰ لکھ کر اللہ تعالیٰ کو غضب میں لائے گا۔ اور یہودیوں کی طرح مغضوب علیہم کا خطاب پائے گا۔ یہ ایسی صاف پیشگوئی ہے کہ جب تک انسان عمدًا بے ایمانی پر کمربستہ نہ ہو اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اور صرف قرآن نے ہی ایسے لوگوں کو یہودی نہیں بنایا بلکہ حدیث بھی یہی خطاب اُن کو دے رہی ہے اور صاف بتلا رہی ہے کہ یہودیوں کی طرح اس اُمت کے علماء بھی مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگائینگے اور مسیح موعود کے سخت دشمن اس زمانہ کے مولوی ہونگے کیونکہ اس سے ان کی عالمانہ عزتیں جاتی رہیں گی۔ اور لوگوں کے رجوع میں فرق آجائے گا اور یہ حدیثیں اسلام میں بہت مشہور ہیں یہاں تک کہ فتوحات مکّی میں بھی اس کا ذکر ہے کہ مسیح موعود جب نازل ہوگا تو اس کی یہی عزت کی جائیگی کہ اس کو دائرہ اسلام سے خارج کیا جائیگا اور ایک مولوی صاحب اٹھیں گے اور کہیں گے ان ھٰذا الرجل غیّر دیننا یعنی یہ شخص کیسا مسیح موعود ہے اس شخص نے تو ہمارے دین کو بگاڑ دیا۔ یعنی یہ ہماری حدیثوں کے اعتقاد کو نہیں مانتا اور ہمارے پُرانے عقیدوں کی مخالفت کرتا ہے۔ اور بعض حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ اس اُمت کے بعض علماء یہودیوں کی سخت پیروی کرینگے یہاں تک کہ اگر کسی یہودی مولوی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہے تو وہ بھی اپنی ماں سے زنا کرینگے اور اگر کوئی یہودی فقیہہ سوسمار کے سوراخ کے اندر گھسا ہے تو وہ بھی گھسیں گے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ انجیل اور قرآن شریف میں جہاں یہودیوں کا کچھ خراب حال بیان کیا ہے وہاں دنیاداروں اور عوام کا تذکرہ نہیں بلکہ ان کے مولوی اور فقیہہ اور سردار کاہن مراد ہیں جن کے ہاتھ میں کفر کے

فتوے ہوتے ہیں اور جن کے وعظوں پر عوام افروختہ ہو جاتے ہیں۔ اسی واسطے قرآن شریف میں ایسے یہودیوں کی اس گدھے سے مثال دی ہے جو کتابوں سے لدا ہوا ہو۔ ظاہر ہے کہ عوام کو کتابوں سے کچھ سروکار نہیں۔ کتابیں تو مولوی لوگ رکھا کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جہاں انجیل اور قرآن اور حدیث میں یہودیوں کا ذکر ہے وہاں ان کے مولوی اور علماء مراد ہیں۔ اور اسی طرح غیر المغضوب علیھم کے لفظ سے عام مسلمان مراد نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کے مولوی مراد ہیں۔

اور پھر ہم اصل ذکر کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ چونکہ عیسائیوں اور یہودیوں کی کتابوں میں بکثرت یہ اشارات پائے جاتے ہیں کہ اسی ہجرت کی چودھویں صدی میں مسیح موعود کا ظہور ہوگا۔ اسی لئے بہتوں نے عیسائیوں میں سے حال کے زمانہ میں اس بات پر زور دیا ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کے یہی دن ہیں چنانچہ اخبار فری تھنکر لنڈن ۷ /اکتوبر ۱۹۰۰ء میں یہ خبر لکھی ہے کہ عام انتخاب ممبران پارلیمنٹ کے وقت ایک سینٹ سے جو مقام اسلنگٹن کا باشندہ تھا جب رائے لینے والے نے دریافت کیا تو اس نے انتخاب کے بارے میں کچھ رائے نہ دی اور اپنی رائے نہ دینے کی سنجیدگی سے یہ وجہ بیان کی کہ اس سال کے ختم ہونے سے پہلے قیامت کا دن یعنی مسیح کی دوبارہ آمد کا دن آنے والا ہے اس لئے یہ تمام باتیں بے سود ہیں۔" ایسا ہی کتاب ہز گلوریس اپیئرنگ مطبوعہ لنڈن ساری کتاب اور رسالہ کرائسٹس سکنڈ کمنگ مطبوعہ لنڈن صفحہ نمبر ۱۵۔ اور رسالہ دی کمنگ آفدی لارڈ مطبوعہ لنڈن صفحہ نمبر ا میں مسیح موعود کی آمد ثانی کی نسبت یہ عبارتیں ہیں۔

۱۲۷

اب عنقریب دنیا میں ایک نہایت عظیم الشان واقعہ ہونے والا ہے۔ چاروں طرف سے اس کے واسطے نشان جمع ہو رہے ہیں۔ ایسے نشان

We stand on the eve of one of the greatest eves to the World has ever witnessed. Signs are multiplying on every side of us compared with

which there has been no parallel, either in the history of the Church or the World. One of the greatest changes to both hangs upon this great event. It is the coming of the Lord Jesus Christ the second tour in power and glory.	کہ زمانہ نے اس قسم کے پہلے کبھی نہیں دیکھے نہ دنیا کی تواریخ میں اسکی مثال ملتی ہے اور نہ کلیسیا کی تواریخ میں۔ اس واقعہ عظیمہ کے وقوع پر دنیا اور مذہب ہر دو میں ایک تغیر عظیم پیدا ہوگا۔ وہ واقعہ ہمارے خداوند یسوع مسیح کے دوبارہ آنے کا ہے۔ قوت اور جلال کا آنا۔
Can anyone reasonably doubt that these signs are not a sure and certain warning that the end draweth on space.	کیا کوئی عقل والا اس بات میں شک کرسکتا ہے کہ یہ نشانات بلاریب یقیناً اس بات کی خبر دیتے ہیں کہ اب انجام آیا کھڑا ہے۔
The signs are fulfilled, that generation has come. Christ's coming is at hand, glorious anticipation! glorious future!.	نشانات پورے ہوگئے ہیں وہ پشت آگئی ہے مسیح کا آنا بہت ہی قریب ہے۔ کیسا ہی شان و شوکت اور جلال کا وقت آتا ہے۔
The impression prevails to some extent that he who teaches that Christ is soon coming is acting the role of alarmist.	کسی قدر یہ خیال بھی بعض لوگوں کے درمیان پھیلا ہوا ہے کہ جو لوگ مسیح کے جلد آنے کی تعلیم دیتے ہیں وہ لوگوں کو ڈراتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو خود بڑا اُستاد یسوع مسیح اس تعلیم

ص ۱۳۸

کے دینے میں سب سے اوّل نمبر پر ہے اور ہم اس بات کو اوپر ثابت کر چکے ہیں۔	If so, we have seen that the great Teacher has placed himself at the head of the class.

ان عبارات مذکورہ بالا سے ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ عیسائیوں کو حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کا اس زمانہ میں کس قدر انتظار ہے۔ اور وہ اقرار کرتے ہیں کہ یہ وقت وہی وقت ہے جس میں حضرت مسیح کو آسمان پر سے نازل ہونا چاہیئے۔ مگر ساتھ اس کے اُن میں سے اکثر کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ وہ درحقیقت فوت ہو گئے ہیں آسمان پر نہیں گئے اس لئے جو لوگ اُن میں سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ آسمان پر نہیں گئے اور نیز انجیل کے رو سے یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسی زمانہ یعنی ہجرت کی چودھویں صدی کے سر پر ان کا آنا ضروری ہے بلاشبہ اُن کو ماننا پڑتا ہے کہ مسیح کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی الیاس نبی کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی کے مطابق ظہور میں آئیگی اور اُن میں سے بعض کا یہ قول بھی ہے کہ آجکل عیسائی کلیسیا جو کام کر رہی ہے یہی مسیح کی آمد ثانی ہے۔ یہ تاویل آسمانی کتابوں کے موافق نہیں ہے اور نہ کسی نبی نے کبھی ایسی تاویل کی ہے۔ تعجب کہ جس حالت میں وہ اپنی انجیلوں کے مقامات میں پڑھتے ہیں کہ ایلیا نبی کا دوبارہ آنا اس طرح ہوا تھا کہ یوحنا نبی اُنکے رنگ اور خو پر آگیا تھا تو کیوں وہ مسیح کے دوبارہ آنے کی تاویل کرنے کے وقت کلیسیا کی سرگرمی کو مسیح کی آمد کا قائم مقام سمجھ لیتے ہیں کیا مسیح نے ایلیا نبی کے دوبارہ آمد کی یہی تاویل کی ہے؟ پس جس پہلو کی تاویل حضرت مسیح کے مُنہ سے نکلی تھی کیوں اس کو تلاش نہیں کرتے؟ اور ناحق سرگردانی میں پڑتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ملاکی نبی نے ایلیاہ نبی کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی کی تھی۔ مسیح اس کی یہ بھی تاویل کر سکتا تھا کہ جس سرگرمی سے یہودیوں کے فقیہہ اور فریسی کام کر رہے ہیں یہی ایلیا کا دوبارہ آنا ہے۔ اس تاویل سے یہودی بھی خوش ہو جاتے اور شائد مسیح کو قبول کر لیتے۔ لیکن انہوں نے اِس تاویل کو جو کلیسیا کی تاویل

سے بہت مشابہ تھی پیش نہ کیا اور یوحنّا نبی کو جو خود یہودیوں کی نظر میں نعوذ باللہ کاذب اور مفتری تھا پیش کر دیا۔ جس سے یہودیوں کا اَور بھی غصّہ بھڑکا اور انہوں نے خیال کیا کہ جب اِس شخص کا ہمارے اس سوال کے جواب میں کسی جگہ ہاتھ نہیں پڑا تو اپنے مرشد یعنی الیاس کو ایلیاہ ٹھیرا دیا اس خیال سے کہ وہ خواہ نخواہ تصدیق کر دے گا کہ میں ہی ایلیا ہوں۔ مگر یہودیوں کی بدقسمتی سے حضرت یوحنا نے ایلیا ہونے سے انکار کیا اور صاف کہا کہ مَیں ایلیا نہیں ہوں۔ اسجگہ ان دونوں کلاموں میں فرق یہ تھا کہ حضرت مسیح نے حضرت یوحنّا یعنی یحیٰی نبی کو مجازی طور پر یعنی بروزی طور پر ایلیا نبی قرار دیا۔ مگر یوحنّا نے حقیقی طور کو مدّنظر رکھ کر ایلیا ہونے سے انکار کر دیا اور بدقسمت یہودیوں کو یہ بھی ایک ابتلاء پیش آیا کہ شاگرد یعنی عیسٰی کچھ کہتا ہے اور اُستاد یعنی یحیٰی کچھ کہتا ہے اور دونوں کے بیان باہم متناقض ہیں۔ مگر اسجگہ ہمارا صرف یہ مقصود ہے کہ مسیح کے نزدیک دوبارہ آمدن کے وہی معنے ہیں جو مسیح نے خود بیان کر دیئے گویا یہ ایک تنقیح طلب مسئلہ تھا جو مسیح کی عدالت سے فیصلہ پا گیا اور مسیح نے انجیل متی باب ۱۷۔ آیت ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ میں خود اپنی آمد ثانی کو ایلیا نبی کی آمد ثانی سے مشابہت دیدی اور ایلیا نبی کی آمد ثانی کی نسبت صرف یہ فرمایا کہ یوحنا کو ہی ایلیا سمجھ لو۔ گویا ایک بڑا اعجوبہ جو یہودیوں کی نظر میں تھا کہ اس عجیب طرح پر ایلیا آسمان سے اُتریگا اس کو اپنے دو لفظوں سے خاک میں ملا دیا۔ اور اس قسم کے معنے قبول کرنے کے لئے عیسائیوں میں سے وہ فرقہ زیادہ استعداد رکھتا ہے جو آسمان پر جانے سے منکر ہیں۔ چنانچہ ہم اُن محقق عیسائیوں کا ذیل میں ایک قول نقل کرتے ہیں تا مسلمانوں کو معلوم ہو کہ اُن کی طرف سے تو مسیح کے نزول کے بارے میں اس قدر شور انگیزی ہے کہ اس فضول خیال کی حمایت میں تیس ہزار مسلمان کو کافر ٹھیرا رہے ہیں مگر وہ لوگ جو مسیح کو خدا جانتے ہیں اُن میں سے یہ فرقہ بھی ہے جو بہت سے دلائل کے ساتھ ثابت کرتے ہیں کہ مسیح ہرگز

۱۳۹

آسمان پر نہیں گیا بلکہ صلیب سے نجات پا کر کسی اور ملک کی طرف چلا گیا اور وہیں مرگیا۔ چنانچہ سوپر نیچرل ریلیجن صفحہ ۵۲۲ میں اس بارے میں جو عبارت ہے اس کو ہم معہ ترجمہ ذیل میں لکھتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے :-

پہلی تفسیر جو بعض لائق محققین نے کی ہے وہ یہ ہے کہ یسوع دراصل صلیب پر نہیں مرا بلکہ صلیب سے زندہ اتار کر اس کا جسم اس کے دوستوں کے حوالے کیا گیا اور وہ آخر بچ نکلا۔ اس عقیدہ کی تائید میں یہ دلائل پیش کئے جاتے ہیں کہ اناجیل کے بیان کے مطابق یسوع صلیب پر تین گھنٹے یا چھ گھنٹہ رہ کر فوت ہوا لیکن صلیب پر ایسی جلدی کی موت کبھی پہلے واقع نہیں ہوئی تھی۔ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ صرف اس کے ہاتھوں پر میخیں ماری گئی تھیں۔ اور پاؤں پر میخیں نہیں لگائی گئی تھیں چونکہ یہ عام قاعدہ نہ تھا کہ ہر ایک مصلوب کی ٹانگ توڑی جائے اس واسطے تین انجیل نویسوں نے تو اس کا کچھ ذکر ہی نہیں کیا۔ اور چوتھے نے بھی صرف اپنے طرز بیان کی تکمیل کی خاطر اس امر کا بیان کیا اور جہاں ٹانگ توڑنے کا ذکر نہیں ہے تو ساتھ ہی

The first explanation adopted by some able critics is that Jesus did not really die on the Cross but being taken alive and his body being delivered to friends, he subsequently revived. In support of this theory it is argued that Jesus is represented by Gospels as expiring after having been but three or six hours upon the Cross which would have been but unprecedentedly rapid death. It is affirmed that only the hands and not the feet were nailed to the Cross. The crucifragian not usually accompanying crucifixion is dismissed as unknown to three synoptrits and only inserted by the fourth evangelist for dogmatic reasons and of course the lance disappears with

۱۴۰

برچھی کا واقعہ بھی کالعدم ہو جاتا ہے
پس ظاہرا موت جو واقع ہوئی وہ ایک
سخت بیہوشی تھی جو کہ چھ گھنٹہ کے جسمانی
اور دماغی صدموں کے بعد اس کے جسم
پر پڑی کیونکہ گذشتہ شب بھی متواتر
تکلیف اور تھکاوٹ میں گذری تھی
جب اُسے کافی صحت پھر حاصل
ہو گئی۔ تو اپنے حواریوں کو پھر
یقین دلانے کے واسطے کئی دفعہ ملا۔
لیکن یہودیوں کے سبب نہایت
احتیاط کی جاتی تھی۔ حواریوں
نے اس وقت یہ سمجھا کہ یہ مرکر
زندہ ہوا ہے۔ اور چونکہ موت
کی سی بیہوشی تک پہنچکر وہ پھر
بحال ہوا اس واسطے ممکن ہے کہ
اُس نے آپ بھی دراصل یہی سمجھا
ہو کہ میں مرکر پھر زندہ ہوا ہوں اب جب
اُستاد نے دیکھا کہ اس موت نے میرے کام
کی تکمیل کر دی ہے تو وہ پھر کسی ناقابل حصول
اور نامعلوم تنہائی کی جگہ میں چلا گیا اور مفقود الخبر
ہو گیا۔ گفرور جس نے شنٹوڈ کے اس مسئلہ کی

the leg breaking. Thus the apparent death was that profound faintness which might well fall upon an organization after some hours of physical and mental agony on the Cross, following continued strain and fatigue of the previous night. As soon as he had sufficiently recovered it is supposed that Jesus visited his disciples a few times to reassure them, but with pre-cation on account of the Jews, and was by them believed to have risen from the dead, as indeed' he himself may likewise have supposed, reviving as he had done from the faintness of death. Seeing however that his death had set the crown upon his work the master withdrew into impenetrable obscurity and was heard no more.

Gfrorer who maintains the theory of Scheintod with great

نہایت قابلیت کے ساتھ تائید کی ہے۔
وہ لکھتا ہے کہ یہود کے حکام کے درمیان
یسوع کے مرید تھے جو کہ اس کو اگرچہ اس
مخالفت سے بچا نہیں سکتے تھے تاہم انکو اُمید
تھی کہ ہم اس کو مرنے سے بچا لیں گے۔
یوسف ایک دولتمند آدمی تھا۔ اور اُسے
مسیح کے بچانے کے وسائل مل گئے۔
نئی قبر بھی اس مقام صلیب کے قریب ہی
اُس نے تیار کرالی۔ اور جسم بھی پلاطوس سے
مانگ لیا۔ اور نکومیڈس جو بہت سے
مصالح خرید لایا تھا تو وہ صرف یہود
کی توجہ ہٹانے کے واسطے تھے اور یسوع
کو جلدی سے قبر میں رکھا گیا۔ اور ان
لوگوں کی سعی سے وہ بچ گیا۔ گفرور
نے یوحنا باب ۲۰۔ آیت ۱۷ کی مشہور آیت
کی عجیب تفسیر کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ
مسیح کا جو یہ فقرہ ہے کہ میں ابھی اپنے باپ کے
پاس نہیں گیا اس فقرہ میں آسمان پر جانے
سے مراد صرف مرنا ہے اور یسوع نے جو یہ
کہا کہ مجھے نہ چھوؤ کیونکہ میں ابھی
تک گوشت اور خون ہوں۔ ابھی

۱۴۱

ability thinks that Jesus had believers amongst the rulers of the Jews who although they could not shield him from the opposition against him still hoped to save him from death. Joseph a rich man found the means of doing so. He prepared the new sepulchre close to the place of execution to be at hand, begged the body from Pilate—the immense quantity of spices bought by Nicomedus being merely to distract the attention of Jews, Jesus being quickly carried to the sepulchres was restored to life by their efforts.

He interprets the famous verse John xx: 17 curiously. The expression "I have not yet asended to my father." He takes as meaning simply the act of dying going to Heaven" and the reply of Jesus is equivalent to "Touch me not for I am still flesh and blood =

گوشت اور خون ہونے سے بھی یہی مراد ہے کہ میں ابھی مرا نہیں۔ یسوع اس واقعہ کے بعد پوشیدہ طور پر کئی دفعہ اپنے حواریوں کو ملا اور جب اُسے یقین ہو گیا کہ اس کی موت نے اس کے کام کی صداقت پر آخری مہر لگا دی ہے تو وہ پھر کسی ناقابل حصول تنہائی میں چلا گیا۔ دیکھو کتاب سوپر نیچرل ریلیجن صفحہ ۵۲۳۔

I am not yet dead, Jesus sees his, disciples only a few times mysteriously and believing that he had set the final seal to the truth of his work by his death he then retires into impenetr-able gloo .! Das Heilightum and die Wabrhcit p 107 p 231
(P.p 523 of the Supernatural religion)

اور یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے مسئلہ کو مسلمان عیسائیوں سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں کیونکہ قرآن شریف میں اس کی موت کا بار بار ذکر ہے۔ لیکن بعض نادانوں کو یہ دھوکا لگا ہوا ہے کہ اس آیت قرآن شریف میں یعنی وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبّہ لھم[1] میں لفظ شبّہ سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی جگہ کسی اَور کو سولی دیا گیا اور وہ خیال نہیں کرتے کہ ہر ایک شخص کو اپنی جان پیاری ہوتی ہے۔ پس اگر کوئی اَور شخص حضرت عیسیٰ کی جگہ صلیب دیا جاتا تو صلیب دینے کے وقت ضرور وہ شور مچاتا کہ مَیں تو عیسیٰ نہیں ہوں۔ اور کئی دلائل اور کئی امتیازی امراز پیش کر کے ضرور اپنے تئیں بچا لیتا نہ یہ کہ بار بار ایسے الفاظ مُنہ پر لاتا جن سے اس کا عیسیٰ ہونا ثابت ہوتا۔ رہا لفظ شبّہ لھم۔ سو اس کے وہ معنے نہیں ہیں جو سمجھے گئے ہیں اور نہ ان معنوں کی تائید میں قرآن اور احادیث نبویہ سے کچھ پیش کیا گیا ہے بلکہ یہ معنے ہیں کہ موت کا واقعہ یہودیوں پر مشتبہ کیا گیا۔ وہ یہی سمجھ بیٹھے کہ ہم نے قتل کر دیا ہے حالانکہ مسیح قتل ہونے سے بچ گیا۔ مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ

[1] النساء: ۱۵۸

کہ اس آیت میں شبّہ لھم کے یہی معنے ہیں - اور یہ سنت اللہ ہے - خدا جب اپنے محبوبوں کو بچانا چاہتا ہے تو ایسے ہی دھوکا میں مخالفین کو ڈال دیتا ہے - ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب غار ثور میں پوشیدہ ہوئے تو وہاں بھی ایک قسم کے شبّہ لھم سے خدا نے کام لیا - یعنی مخالفین کو اس دھوکا میں ڈال دیا کہ انہوں نے خیال کیا کہ اِس غار کے مُنہ پر عنکبوت نے اپنا جالا بنا ہوا ہے - اور کبوتری نے انڈے دے رکھے ہیں - پس کیونکر ممکن ہے کہ اس میں آدمی داخل ہو سکے - اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس غار میں جو قبر کی مانند تھی تین دن رہے جیساکہ حضرت مسیح بھی اپنی شامی قبر میں جب غشی کی حالت میں داخل کئے گئے تین دن ہی رہے تھے - اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو یُونس پر بزرگی مت دو یہ بھی اشارہ اس مماثلت کی طرف تھا کیونکہ غار میں داخل ہونا اور مچھلی کے پیٹ میں داخل ہونا یہ دونوں واقعہ باہم ملتے ہیں - پس نفی تفضیل اسی وجہ سے ہے نہ کہ ہر ایک پہلو سے - اس میں کیا شک ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہ صرف یُونس سے بلکہ ہر ایک نبی سے افضل ہیں -

اب خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالےٰ کی قدیم سُنتوں اور عادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب مخالف اُس کے نبیوں اور ماموروں کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو اُن کو ان کے ہاتھ سے اس طرح بھی بچا لیتا ہے کہ وہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے اس شخص کو ہلاک کر دیا حالانکہ موت تک اُس کی نوبت نہیں پہنچتی - اور یا وہ سمجھتے ہیں کہ اب وہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا حالانکہ وہیں چُھپا ہُوا ہوتا ہے اور اُن کے شر سے بچ جاتا ہے - پس شبّہ لھم کے یہی معنے ہیں - اور یہ فقرہ شبّہ لھم صرف حضرت مسیح سے خاص نہیں - حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالے گئے تب بھی یہ عادت اللہ ظہور میں آئی - ابراہیم آگ سے جُدا نہیں کیا گیا

۱۲۱

اور نہ آسمان پر چڑھایا گیا لیکن حسب منطوق آیت قلنا یا نارکونی بردًا[1] آگ اُس کو جلا نہ سکی۔ اسی طرح یوسف بھی جب کوئیں میں پھینکا گیا آسمان پر نہیں گیا بلکہ کنواں اس کو ہلاک نہ کر سکا۔ اور ابراہیم کا پیارا فرزند اسماعیل بھی ذبح کے وقت آسمان پر نہیں رکھایا گیا تھا بلکہ چھری اس کو ذبح نہ کر سکی۔ ایسا ہی ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم محاصرہ غار ثور کے وقت آسمان پر نہیں گئے بلکہ خونخوار دشمنوں کی آنکھیں ان کو دیکھ نہیں سکیں۔ اسی طرح مسیح بھی صلیب کے وقت آسمان پر نہیں گیا بلکہ صلیب اُس کو قتل نہیں کر سکا۔ غرض ان تمام نبیوں میں سے کوئی بھی مصیبتوں کے وقت آسمان پر نہیں گیا۔ ہاں آسمانی فرشتے اُن کے پاس آئے اور انہوں نے مدد کی۔ یہ واقعات بہت صاف ہیں۔ اور صاف طور پر ان سے ثبوت ملتا ہے کہ حضرت مسیح آسمان پر نہیں گئے اور اُن کا اُسی قسم کا رفع ہُوا جیسا کہ ابراہیم اور تمام نبیوں کا ہُوا تھا۔ اور وہ آخر وفات پا گئے اِس لئے آنے والا مسیح اِسی امت میں سے ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا تا دونوں سلسلہ یعنی سلسلہ موسویہ اور سلسلہ محمدیہ اپنے اوّل اور آخر کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مطابق ہوں۔ پس ظاہر ہے کہ جس خدا نے اس دوسرے سلسلہ میں مثیل موسیٰ سے ابتدا کیا اس سے صریح اس کا ارادہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سلسلہ کو مثیل مسیح پر ختم کرے گا جبکہ اس نے فرما دیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ ہے اور یہ تمام سلسلہ سلسلہ خلافتِ موسویہ کا مشابہ ہے تو اس میں کیا شک رہ گیا کہ اس سلسلہ کا خاتمہ مثیل مسیح پر چاہیئے تھا۔ مگر اب یہ لوگ جو مولوی کہلاتے ہیں اپنے خیالات کو چھوڑ نہیں سکتے یہ اُس مسیح کے منتظر ہیں جو زمین کو خون سے پُر کر دیگا۔ اور ان لوگوں کو زمین کے بادشاہ بنا دیگا۔ یہی دھوکا یہودیوں کو لگا تھا جنہوں نے حضرت عیسٰی کو قبول نہیں کیا۔ جیسا کہ ہسٹری آف دی کرسچن چرچ فار فرسٹ تھری سنچریز مصنفہ ریونڈ جے جےبلیٹ

[1] الانبیاء : ۷۰

ڈی ڈی صفحہ ۱۱۷ میں یہ عبارت ہے۔

اِن سب واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کو کس قدر مسیح کے آنے کا انتظار تھا۔ وہ کس طرح مسیح کی جماعت میں داخل ہونے کے واسطے تیار تھے۔ لیکن اُن کو مسیح کی آمد کے متعلق ایک دھوکا لگا ہوا تھا۔ انبیاء کی پیشگوئیوں کے غلط معنے سمجھ کر وہ یہ خیال کرتے تھے کہ مسیح قوموں کو فتح کرنے والا اور گذشتہ زمانہ کے جنگی سپہ سالاروں کی طرح اپنی قوم کی خاطر لڑائی کرے گا اور ظالموں کے پنجہ سے اُن کو چھڑائے گا جو کہ فلسفیوں کی طرح اُن پر حکمران تھے۔

المؤلف

میرزا غلام احمد عفی اللہ عنہ از قادیان